Scanned by CamScanner

کلیاتِ سلیم احمد

(مکمل مجموعہ کلام)

alhamra

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

بیاض

اکائی

چراغِ نیم شب

مشرق

بازیافت

Scanned by CamScanner

فہرست

بیاض

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

بیاض

Scanned by CamScanner

انتساب

محمد حسن عسکری کے نام

Scanned by CamScanner

تصویر

آج سے سولہ تیرہ برس پہلے کی بات ہے، ایک سانولا سلونا لڑکا احمد عبدالقیوم کے برآمدے میں بیٹھا ہری مرچوں کے ساتھ گرم گرم بھنے چنے کھاتے ہوئے نٹشے اور اقبال پر بڑی دھواں دھار بحث کر رہا تھا۔ مجھے بحث کرتے ہوئے لڑکے اچھے نہیں لگتے، لیکن جب نٹشے اور اقبال کے ساتھ نظیر اکبر آبادی بھی آکر بیٹھ گئے تو میں نے لڑکے کے چہرے پر نظر ڈالی۔ ایسا تپا ہوا چہرہ، ایسا دہکا ہوا چہرہ کہ خیال آیا اس بار گوتم نروان حاصل کیے بغیر ہی بستی میں لوٹ آیا ہے۔ میں نے پوچھا "میاں تمہارا نام کیا ہے؟" اس نے پلٹ کر اس نو عمری میں بڑے جلال سے مجھے دیکھا اور اپنے ریشم کی طرح ملائم بالوں کو جو بار بار اس کی پیشانی پر آپڑتے تھے، ہلکا سا جھٹکا دے کر کہا۔ "سلیم احمد" اور پھر اسی جلال کے عالم میں نٹشے، اقبال اور نظیر اکبر آبادی کو جلدی جلدی تاش کے پتوں کی طرح پھینٹنے لگا۔ مجھے اس کا یہ انداز بہت پیارا لگا۔

گوتم کی ایک حرکت مجھے اب تک بہت کھٹکتی ہے۔ جنگل کی طرف وہ بھلے کو جاتے، لیکن انہیں بیوی کو جگا کر یہ بات بتا دینا چاہیے تھی۔ یہ ایک طے شدہ اصول ہے کہ کسی اخلاق یا مذہبی فلسفہ کا آغاز بداخلاقی سے ہو ہی نہیں سکتا۔ سلیم احمد کو اگر پھر کبھی صحرا کی طرف جانے کی ہوک اٹھی تو اس

Scanned by CamScanner

کے بیوی بچے کیا سوچیں گے۔ میں نے پھر اس کی بحث میں مخل ہوتے ہوئے ایک سوال کیا۔
"میاں! تمہاری شادی ہو چکی ہے یا نہیں؟" اس اچانک سوال پر اس نے دفعتاً اقبال کے "مرد مومن" نٹشے کے "انسان کامل" اور نظیر اکبر آبادی کے "سو ہے وہ بھی آدمی" کو ہاتھ کے اشارے سے اپنے سامنے سے اٹھادیا اور مسکراتے ہوئے میری جانب رخ کر کے بڑے جم کر جواب دیا۔ "جی نہیں! میری شادی نہیں ہوئی ہے، اب فرمایئے۔" میں نے کہا۔ "فرمانا کیا ہے۔ یہ بحث وحث چھوڑو، چلو کسی اچھے حکیم کے پاس چلتے ہیں۔" حکیم کے پاس تو خیر وہ کیا جاتا، الٹی میری ملاقات سید ذوالفقار علی بخاری سے کرادی۔

ہندو دیومالا کے کرداروں کی طرح سلیم احمد کے کئی چہرے ہیں۔ سلیم احمد جو اپنے یار دوستوں کے ساتھ اس بات پر قہقہے لگا رہا ہے کہ لوگ سڑک پر چاٹ کھانے کو تہذیبی مسئلہ بنائے ہوئے ہیں۔ جو ۴۷ء کے فسادات کے بعد ہندوستان سے آتے ہوئے پیسہ نہیں لایا، کتابیں نہیں لایا، سفارشی خط نہیں لایا صرف اپنی شیروانی لایا جسے اب بھی پہن کر جب باہر نکلتا ہے تو خود کو پورا آدمی سمجھتا ہے۔ سلیم احمد کا ایک چہرہ وہ ہے جو کبھی انجمن ترقی پسند مصنفین کے جلسوں میں دودھاری تلوار لیے بیٹھا رہتا تھا اور ایک چہرہ یہ بھی ہے کہ آج جب حضرت قبلہ ذہین شاہ تاجی کی محفلوں میں وہ ادب سے سر جھکائے بیٹھا ہوتا ہے تو سرکار دو عالم ﷺ کے نام پر اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔ سلیم احمد جو دن میں بیک وقت تین فلمی کہانیوں پر کام کرتا ہے، جو ویدوں کا حافظ ہے، جو نماز کے بعد کانٹ اور ہیگل کا مطالعہ کرتا ہے، جو سینٹ اگسٹائن کے ٹوٹے پھوٹے خدا کو خالی اوقات میں جوڑتا رہتا ہے، جو ریڈیو کے ڈرامے لکھتا ہے، جس نے نئی نظم میں پورے آدمی کی تلاش سے مایوس ہو کر پچھلے سال شادی کرلی، جس نے چوہوں اور مینڈکوں پر تجربہ کرنے کے بجائے معاشرے کی تبدیل ہوتی ہوئی قدروں کے انجکشن خود اپنی ہی غزلوں کو دیئے اور بدنام ہوا اور بڑے دکھ سہے۔

اس جنگل میں آپ سلیم احمد کو کہاں تلاش کریں گے۔ سلیم احمد جو ایک بڑا غزل گو شاعر ہے، جو بہت اچھا ڈرامہ نگار ہے، جو تنقید میں اصولی معاملات پر امام غزالی کی طرح ہنٹر کھینچے بیٹھا رہتا ہے، جو ایک بڑے خاندان کا تنہا کفیل ہے، جس نے دوستوں سے ایذا اٹھانے کے بعد بھی انہیں دعائیں دی ہیں، جو نروان کی تلاش میں جس درخت کے نیچے جا کر بیٹھا، اس کی تپش سے وہ درخت ہی جل

Scanned by CamScanner

اٹھا۔ بہت مجبور ہو کر اب وہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کے پاس جا بیٹھا ہے۔ جہاں نہ کوئی صحرا ہے اور نہ کوئی درخت، ہر طرف آگ ہی آگ ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے میں نے اسے مشورہ دیا کہ "بیاض" کے ساتھ تصویر شائع نہ کراؤ کیونکہ تمہاری ہر تصویر جھوٹی ہو گی۔ اس نے کہا "لفظوں میں تو سما سکتی ہے؟" میں نے سوچا تمیں پینتیس سال کا تیکھے خطوط کا شیروانی پہنے ہنستا ہنساتا، اچھا خاصا معقول آدمی ہے۔ لفظوں میں تصویر آ تو سکتی ہے، لیکن اب جب میں یہ تصویر کھینچنے بیٹھا ہوں تو خیال آ رہا ہے کہ جس طرح خوشبو کو، روشنی کی کیفیت کو، ابلتے ہوئے سمندروں کی جھلاہٹ کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح سلیم احمد کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ حریت کے کالموں میں روزانہ اس کی جو تصویر چھپتی ہے، اسے دیکھ لیجئے اور یقین کر لیجئے کہ یہ سلیم احمد نہیں ہے۔

ریاض فرشوری

Scanned by CamScanner

گزارش

گزارش ہے کہ میں نے یہ کتاب ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے لیے نہیں
لکھی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے والے سے میں جسمانی ہی نہیں
نفسیاتی بلوغت کا بھی مطالبہ کرتا ہوں۔

شعر وادب کے پڑھنے والے کو بالغ ہونا چاہیے اور نڈر ہونا چاہیے۔ اس مجموعہ میں شاعری کتنی ہے یا ہے بھی کہ نہیں، اس بارے میں مجھ سے زیادہ آپ کو فیصلہ کرنا چاہیے، لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گا کہ میں نے جو کچھ کہا ہے، پوری بے خوفی سے کہا ہے۔ میں اپنے پڑھنے والوں سے بھی اسی بے خوفی کی امید رکھتا ہوں۔ میں نے شاعری نہ ہونے یا کم ہونے کی بات انکسار کے طور پر نہیں کی۔ انکسار کے معنی میری لغت میں یہ کبھی نہیں رہے کہ کسی انسان پر وحی آئے اور وہ ابو جہل کی دل جوئی کی خاطر انکساراً اس سے انکار کرے۔ جس پر وحی آئے، اسے وحی کا دعویٰ کرنا چاہیے۔ انکسار کے صرف ایک معنی ہیں، اپنی حیثیت کو پہچاننا۔ آدمی کچھ لوگوں سے بڑا اور کچھ لوگوں سے چھوٹا ہوتا ہے۔ اسے جاننا چاہیے کہ وہ کس سے بڑا ہے اور کس سے چھوٹا۔ پھر ان کے حسب مراتب ان سے سلوک کرنا چاہیے۔ میں صحیح معنی میں انکساراً عرض کرتا ہوں کہ میں اردو شاعری کی موجودہ حالت

Scanned by CamScanner

کو دیکھتے ہوئے اس مجموعے کی اشاعت سے شرمندہ نہیں ہوں۔ شاعری کے بارے میں ایک اور بات مجھے کہنی ہے کہ میں چاند، بادل اور دریا کے الفاظ استعمال کرنے کو شاعری نہیں سمجھتا۔ بعض لوگوں جنہیں صرف اس قسم کے الفاظ پر وجد آتا ہے، شاعرانہ اور غیر شاعرانہ الفاظ اور مضامین کی قیدو تخصیص کے قائل ہوتے ہیں۔ ان کا نظریہ صحیح ہو یا غلط، میں اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ خود رحمی اور رقت کے جذبات بھی مجھے کچھ زیادہ پسند نہیں ہیں۔ یہ عناصر کسی حد تک مجھے بھی اپنی پیشروؤں سے وراثت کے طور پر ملے ہیں مگر میں نے ان سے شعوری جنگ کی ہے۔ کاش میں اس جنگ میں اس سے زیادہ کامیاب ہوتا۔ اب رہ گیا بعض ایسے الفاظ کے استعمال کا معاملہ جنہیں اس زمانہ کی جعلی مہذب سوسائٹی قبول نہیں کرتی تو اس سے معذرت کیے بغیر مجھے اس بات پر زور دینا ہے کہ اس سوسائٹی کو میر، سودا، نظیر اور آتش کی پوری کلیات کا مطالعہ بجبر کرانا چاہیے۔ یہ ایک تہذیبی خدمت ہوگی۔ یہ صحیح ہے کہ ان بزرگ ترین شعرائے اردو نے درسی ضروریات کے لیے شاعری نہیں کی، لیکن میں نے بھی اس مجموعہ کی تشکیل اس امید پر نہیں کی ہے کہ اسے بھی کسی دن نصاب میں شامل کر لیا جائے گا۔

آخر میں ایک بات اور! یہ کتاب جیسی کچھ بھی ہے، میری شعوری کاوش کا نتیجہ ہے۔ ویسے بھی میں شاعری کو شعور کی اولاد سمجھتا ہوں۔ رہ گئی لاشعوری کیفیت تو گزارش یہ ہے کہ زندگی اور ادب دونوں میں ہمارا سلسلہ نسب ماں سے نہیں، باپ سے چلتا ہے۔

سلیم احمد

Scanned by CamScanner

حُسن جب سے ہوا ہے کم آزار
عشق بھی بن گیا ہے دنیا دار

گو نہ غالبؔ کو ہو ہمیں تو ہے
ذوقِ آرائشِ سر و دستار

عشق میں کھو کے عزتِ سادات
میرؔ کی طرح کیوں پھریں ہم خوار

ہم نہ درویش ہیں نہ صوفی ورند
رنگِ آتشؔ ہمیں نہیں درکار

طرزِ حسرتؔ پہ ہم نہیں لہلوٹ
ہم کو چکی کے کام سے ہے عار

ہم روش پر فراقؔ کی کیوں جائیں
منزلِ غم نہیں ہمارا دیار

Scanned by CamScanner

ربط رکھتے ہیں گو یگانہ سے
اُن کا مسلک مگر ہے تیغ کی دھار

ان کا اپنا جُدا معاملہ ہے
ہم کو ہے اپنے کام سے سروکار

حال تجھ سے چھپا نہیں میرا
اے مرے عکس میرے آئینہ دار

ایک مٹی سے ہے ہمارا خمیر
ایک کپڑے کے ہیں شعار و دثار

جو مرا حال ہے وہی تیرا
تو میرا صید میں ہوں تیرا شکار

میں لکھوں تو پڑھے کہ ہو برعکس
ہیں بہرحال ہم شریکِ کار

تجھ کو معلوم ہے کہ ہم دونوں
اپنی حالت سے چاہتے ہیں فرار

بے خودی ڈھونڈتے ہیں فرصت میں
تلخیٔ زندگی سے ہیں بے زار

روح میں گھل گئی ہے بے کیفی
اور اعصاب پر تھکن ہے سوار

Scanned by CamScanner

کھنچ رہی ہیں رگیں تشنج سے
دکھ رہا ہے بدن کا اک اک تار

خون میں رچ گئی ہے تلخیِ زہر
نشّہ زیست کر رہا ہے اُتار

آج جس پر خزاں کی یورش ہے
کل یہی زندگی تھی صبحِ بہار

بستیاں شوق کی ہوئی ویراں
قلعے خوابوں کے ہوگئے مسمار

کیا کریں ہم نفس کدھر جائیں
کس سے دل کا سکون مانگیں ادھار

کوئی رہبر نہ رہنما نہ رفیق
کوئی رستہ نہ منزلیں نہ دیار

بے تعلق ہوئے تو ایک ہوئے
کوئی دشمن رہا نہ کوئی یار

گونج بھی لوٹ کر نہیں آتی
الامان وحشتِ زندگی کی پکار

ہم ہیں اے جان ڈوبنے والے
میں ابھاروں تجھے تو مجھ کو اُبھار

Scanned by CamScanner

اب یہی اک علاج ہے اپنا
اپنی پستی کا خود کریں اقرار

ہے بلندی کہیں جو فطرت میں
خود ہی آ جائے گی بروئے کار

آج میں تجھ سے عہد کرتا ہوں
تو بھی کر عہد اے مرے غم خوار

خود کو دھوکے میں ہم نہ رکھیں گے
ہم نہ باندھیں گے جھوٹ کا طومار

ہوسِ جاہ ننگِ عشق سہی
ہم کو جب ہے تو کیوں کریں انکار

ہم بھلا کس پہ جان دیتے ہیں
سرفروشی کا کیوں کریں اظہار

ہم کو ایمان سے ہے جان عزیز
کیوں کہیں خود کو صاحبِ ایثار

آئینہ کیوں خلوص کو دکھلائیں
اپنے دل میں بھرا ہوا ہے غبار

کیوں کریں فخر چاکِ دامن پر
پیرہن چاہیے ہمیں زرتار

Scanned by CamScanner

آن پر آکے جان دے بیٹھیں
خیر ایسے نہیں ہیں ہم خود دار

ہم نہ سقراط ہیں کہ زہر پئیں
ہم نہ عیسیٰ کہ پائیں عزتِ دار

مفت بن باس لے کے عمر گنوائیں
کوئی ہم رام جی کے ہیں اوتار

ہم نہ دیں گے کسی کو درسِ عمل
کرشن کے روپ سے ہیں ہم بیزار

کربلا سے بہت یہ نسبت ہے
مانتے ہیں حُسین کو حقدار

اِس سے بڑھ کر نہ ہم میں تاب نہ دم
سر کٹانے پہ ہم نہیں تیار

بس بہت ہے یہ اعتراف سلیمؔ
وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّار

Scanned by CamScanner

صحرا میں اذان دے رہا ہوں

دل حُسن کو دان دے رہا ہوں
گاہک کو دکان دے رہا ہوں
شاید کوئی بندۂ خدا آئے
صحرا میں اذان دے رہا ہوں
ہر کہنہ یقیں کو از سرِ نو
اک تازہ گمان دے رہا ہوں
گونگی ہے ازل سے جو حقیقت
میں اُس کو زبان دے رہاں ہوں
میں غم کو بسا رہا ہوں دل میں
بے گھر کو مکان دے رہا ہوں
بے جادہ و راہ ہے جو منزل
میں اُس کا نشان دے رہا ہوں
جو فصل ابھی کٹی نہیں ہے
میں اُس کا لگان دے رہا ہوں
حاصل کا حساب ہو رہے گا
فی الحال تو جان دے رہا ہوں
رکھوں جو لحاظ مصلحت کا
کیا کوئی بیان دے رہا ہوں

Scanned by CamScanner

ترے سانچے میں ڈھلتا جا رہا ہوں
تجھے بھی کچھ بدلتا جا رہا ہوں

نہ جانے تجھ کو بھولا ہوں کہ خود کو
بہر صورت سنبھلتا جا رہا ہوں

طبیعت ہے ابھی طفلانہ میری
کھلونوں سے بہلتا جا رہا ہوں

حقیقت کو مکمل دیکھنا ہے
نظر کے رخ بدلتا جا رہا ہوں

چلا ہے مجھ سے آگے میرا سایہ
سو میں بھی ساتھ چلتا جا رہا ہوں

یہ چاہا تھا کہ پتھر بن کے جی لوں
سو اندر سے پگھلتا جا رہا ہوں

بہت نازاں ہوں محرومی پہ اپنی
اسی پر ہاتھ ملتا جا رہا ہوں

کسی کا وعدۂ فردا نہیں میں
تو کیوں فردا پہ ٹلتا جا رہا ہوں

Scanned by CamScanner

عشق میں جس کے یہ احوال بنا رکھا ہے
اب وہی کہتا ہے اس وضع میں کیا رکھا ہے

لے چلے ہو مجھے اس بزم میں یارو لیکن
کچھ مرا حال بھی پہلے سے سنا رکھا ہے

حالِ دل کون سنائے اسے فرصت کس کو
سب کو اس آنکھ نے باتوں میں لگا رکھا ہے

دل بُرا تھا کہ بھلا، کام وفا کے آیا
یار جانے بھی دے اس بحث میں کیا رکھا ہے

اے صبا آکہ دکھائیں تجھے وہ گل جس نے
باتوں ہی باتوں میں گلزار کھلا رکھا ہے

دیکھ اے دل نہ کہیں بات یہ اس تک پہنچے
چشمِ نم ناک نے طوفان اٹھا رکھا ہے

حُسن چاہے جسے ہنس بول کے اپنا کرلے
دل نے اپنوں کو بھی بیگانہ بنا رکھا ہے

دل جو اس بزم میں آتا ہے تو جاتا ہی نہیں
ایک دن دیکھنا دیوانہ ہُوا رکھا ہے

حال مت پوچھ محبت کا ہوا ہے کچھ اور
لا کے کس نے یہ سرِ راہ دیا رکھا ہے

انتظام ایسا کہ گھٹتی ہی نہیں رونقِ بزم
ہم سے کتنے ہیں کہ وعدہ پہ لگا رکھا ہے

ہوش تو پہلے ہی کھو آئے تھے اس محفل میں
اب اگر جائیں تو پھر دل بھی گیا رکھا ہے

Scanned by CamScanner

تیرے آنے کی خبر پا کے ابھی سے دل نے
شکوہ کو اور کسی دن پہ اٹھا رکھا ہے
بارہا یوں بھی ہوا تیری محبت کی قسم
جان کر ہم نے تجھے خود سے خفا رکھا ہے
دشت و در خیر منائیں کہ ابھی وحشت میں
عشق نے پہلا قدم نامِ خدا رکھا ہے
ہجر میں رنج بھی کرتے ہیں پہ اتنا بھی سلیمؔ
یار تو نے تو عجب حال بنا رکھا ہے

Scanned by CamScanner

جس کا انکار بھی انکار نہ سمجھا جائے
ہم سے وہ یارِ طرح دار نہ سمجھا جائے

اتنی کاوش بھی نہ کر میری اسیری کے لیے
تو کہیں میرا گرفتار نہ سمجھا جائے

اب جو ٹھہری ہے ملاقات تو اس شرط کے ساتھ
شوق کو درخورِ اظہار نہ سمجھا جائے

نالہ بلبل کا جو سنتا ہے تو کھل اٹھتا ہے گل
عشق کو مفت کی بیگار نہ سمجھا جائے

عشق کو شاد کرے غم کا مقدر بدلے
حسن کو اتنا بھی مختار نہ سمجھا جائے

بڑھ چلا آج بہت حد سے جنونِ گستاخ
اب کہیں اس سے سرِ دار نہ سمجھا جائے

دل کے لینے سے سلیم اس کو نہیں ہے انکار
لیکن اس طرح کہ اقرار نہ سمجھا جائے

Scanned by CamScanner

جنابِ دل کی بھی خوش فہمیاں بلا کی ہیں
اسی سے داد کے طالب ہیں جس سے شاکی ہیں

جو چپ رہے ہیں کبھی لب بنازِ خوش گوئی
تو اس نگاہ نے باتیں ہزارہا کی ہیں

خبر تو زلف کی کچھ دے تری گلی کی ہوا
کہ الجھنیں تو وہی جانِ مبتلا کی ہیں

تمہارے حسن کی باتیں بھی لغزشیں ٹھہریں
تو لغزشیں یہ محبت میں بارہا کی ہیں

121674

Scanned by CamScanner

لاکھ قائل ہو مگر منہ سے نہ مانے کوئی
یوں بھی اے عشق سناتا ہے فسانے کوئی

سنگِ در چھوڑ کے اب راہ پہ آ بیٹھے ہیں
جیسے آئے گا یہاں سے بھی اٹھانے کوئی

دور رہنے کے نکالے ہیں ہزاروں حیلے
کاش ڈھونڈے یونہی ملنے کے بہانے کوئی

خواب ہی خواب ہیں سب جور و کرم شادی و غم
ایسے خوابوں سے بدلتے ہیں زمانے کوئی

خود بخود آج گریبان پہ نظر جاتی ہے
گل کھلایا نہ ہو صحرا میں صبا نے کوئی

اپنا کیا جاتا ہے بن جائے ترا کام سلیم
ہم تو سمجھائیں مگر بات بھی مانے کوئی

Scanned by CamScanner

مدت سے گو پیام بھی تیرا ملا نہیں
تو مجھ کو بھول جائے یہ دل مانتا نہیں

الفاظ پر نہ جا کہ بیاں گو نیا نہیں
یہ ماجرا وہ ہے جو کسی نے سنا نہیں

کس بے جہت سفر پہ رواں قافلہ ہوا
منزل نہیں مقام نہیں مرحلہ نہیں

دل دیکھنے چلا تھا طلسمِ حیات کو
بس یہ کسر رہی ہے کہ پتھر بنا نہیں

جو قیس و کوہکن پہ ہوا تھا سو ہم پہ ہے
اے حاضرینِ بزم یہ قصہ نیا نہیں

اے داورِ حیات ترے لطف کے نثار
دل وہ مجھے دیا جو کسی کام کا نہیں

دل دے چکے تو جان بھی نذرِ وفا کرو
انکار کا سلیم کوئی راستہ نہیں

اللہ رے سلیم تری بدگمانیاں
اتنی سی بات پر کہ وہ ہنس کر ملا نہیں

Scanned by CamScanner

ہر چند ہم نے اپنی زباں سے کہا نہیں
وہ حال کون سا ہے جو تو نے سنا نہیں

ایسا بھی اب نہیں ہے کہ نازِ صبا اٹھائیں
مانا کہ زلف یار سے وہ سلسلہ نہیں

کیا حسنِ احتیاط ہے کیا رکھ رکھاؤ ہے
محفل میں دیکھتا ہے تو پہچانتا نہیں

یوں بھی ہزار روگ ہیں دل کو لگے ہوئے
پھر اس پہ یہ ملال کہ وہ پوچھتا نہیں

کتنا دیارِ درد کا موسم بدل گیا
تجھ کو نگاہِ ناز ابھی کچھ پتہ نہیں

تو بدگماں سہی پہ کبھی مل سلیم سے
یہ امر واقعہ ہے کہ دل کا بُرا نہیں

Scanned by CamScanner

کیا خبر عشق ہے اس بات پہ خوش یا مغموم
کہ اُسے حالِ تمنا بھی نہیں ہے معلوم

رکھ رکھاؤ کو ترے مان گئے نرگس ناز
ایک عالم کو گنہگار کرے، پھر معصوم

خلوتِ شوق میں افسانہ در افسانہ ہوئی
وہ اُچٹتی سی نظر جس کا نہ تھا کچھ مفہوم

اب تو نیرنگِ محبت سے ہے کچھ اور امید
رہ چکے لُطف پہ شاد اور ستم پر مغموم

عشق اتنا بھی توجہ پہ نہو شاد کہ آج
حُسن اندازِ تغافل سے ہوا ہے محروم

دلِ صد چاکِ زلیخا کو نہ دیکھے کوئی
چاکِ پیراہنِ یوسف کی مچے شہر میں دھوم

Scanned by CamScanner

سمجھتے ہیں مزاجِ حُسن کو پر کیا سمجھتے ہیں
بس اتنا ہے کہ ہم اس کو بھی اپنا سا سمجھتے ہیں

زیاں ہوتے ہیں کیا کیا عشق میں یارو نہ سمجھاؤ
یہ اپنا کام ہے ہم خوب یہ دھندا سمجھتے ہیں

نگاہِ ناز ان کے حق میں تیرا فیصلہ کیا ہے
یہ اپنا کام ہے ہم خوب یہ دھندا سمجھتے ہیں

تپاکِ حُسن کی کیا بات اک دنیا اسی کی ہے
مگر ہم ہیں کہ اس کو آج بھی تنہا سمجھتے ہیں

مزاجِ حُسن یہ کیا طرح ڈالی ہے جدائی کی
کہ ملنے کو ترے ہم وعدۂ فردا سمجھتے ہیں

الجھتے ہیں وہ ربطِ باہمی کے ذکر سے اتنے
اسے گویا ریاضی کا کوئی مسئلہ سمجھتے ہیں

سلیم ان سے نہ کہیے گا کبھی موسم نہیں اچھا
کہ ان باتوں کو بھی وہ ہجر کا دُکھڑا سمجھتے ہیں

Scanned by CamScanner

کسی محفل میں مدت سے غزل خواں ہم نہیں جاتے
کسے اب یاد ہیں وہ عہد و پیماں، ہم نہیں جاتے

نہ ہونے سے ہمارے کون ایسا فرق پڑتا ہے
خدا آباد رکھے بزمِ جاناں، ہم نہیں جاتے

صبا کے ہاتھ خوشبو بھیج کر عہدِ بہاراں کی
ہمیں کیوں تنگ کرتے ہیں گلستاں، ہم نہیں جاتے

حرم کا پوچھنا کیا گھر خدا کا ہے مگر اے دل
وہاں تو سب کے سب ہوں گے مسلماں، ہم نہیں جاتے

بلاوے تو بہت آئے مگر شہرِ نگاراں میں
وہی ہے امتیازِ جان و جاناں، ہم نہیں جاتے

عجب جی لگ گیا ہے ان دنوں اس دشتِ ویراں میں
سندیسے بھیجتا ہے شہرِ جاناں، ہم نہیں جاتے

ہمیں دو گز زمیں کو شہر والے منع کیا کرتے
مگر راس آگیا ہے اب بیاباں، ہم نہیں جاتے

بجا انسان کی عظمت، سفر بھی چاند کا برحق
سلیم اس کا برا کیا ماننا، میاں ہم نہیں جاتے

شعر میں ڈھلنے سے پہلے یوں قرارِ دل نہ تھیں
کاہشیں دنیا کی تیرے درد میں شامل نہ تھیں

اب جو بھٹکے ہیں تو کیا کیا راہ پر الزام ہیں
ورنہ یہ گمراہیاں کس دن سرِ منزل نہ تھیں

ابتدائے عشق میں اک بار مل کر کھو گئیں
خوب تھیں وہ راحتیں جو ہم مزاجِ دل نہ تھیں

اب جو پوچھا ہے کسی نے تو اُمڈ آئے ہیں اشک
ورنہ غم کی شدتیں احساس میں شامل نہ تھیں

تیرگی تھی اور اِک طوفانِ دریا کا خروش
دور شمعوں کی قطاریں بھی سرِ ساحل نہ تھیں

ہائے کس منزل پہ آکر راز یہ دل پر کھلا
حسن کی سرشاریاں بھی عشق سے غافل نہ تھیں

دیدنی ہے آج ان آنکھوں کی وضعِ احتیاط
جیسے ہم ایسوں سے ملنے کی کبھی قائل نہ تھیں

اُس نے پوچھا بھی سلیم اور جو کہا پورا ہوا
ہائے کیا کیا حسرتیں اظہار کے قابل نہ تھیں

Scanned by CamScanner

کتنے دل تنگ ہوئے گوشہ تنہائی میں
چھاؤنی چھائیں گے اب کوچۂ رسوائی میں

تو جنہیں بھول گیا کوششِ دانائی میں
اب بھی انداز وہی ہیں ترے سودائی میں

جانِ خلوت ہی سمجھتے ہیں اسے اہلِ نظر
لاکھ وہ طاق ہوا انجمن آرائی میں

منہ چھپانے کا سبب کچھ نہیں کھلتا سر بزم
وہ نظر سے کبھی ہٹتے نہیں تنہائی میں

دل خوں گشتہ نے اب رنگ بھرے ہیں کیا کیا
ورنہ کیا رکھا تھا اے گل تری رعنائی میں

ایک وہ میری وفا ہے کہ زمانہ دیکھے
ایک وہ تیرا کرم جو نہ ہو تنہائی میں

سیر آئینہ بجا ہے مگر اتنا کہہ دے
کون سی بات نہیں تیرے تمنائی میں

ہے وہی خوئے وفا اور وہی آپ سلیم
حُسن تو مفت ہی بدنام ہے خودرائی میں

Scanned by CamScanner

ملی وہ خوئے وفا جان مارنے والی
شبِ فراق بھی ہنس کر گزارنے والی

رقیبِ شکر و شکایت وہی تری فطرت
مجھے بگاڑ کے دنیا سنوارنے والی

ہلوں نہ اپنی جگہ سے ہزار وحشت ہو
بہار کون ہے مجھ کو پکارنے والی

تیری گلی میں گئی اور بار پا نہ سکی
نسیمِ صبح گلوں کو نکھارنے والی

شہیدِ ناز کو کیا کیا گماں ہیں اور وہ نگاہ
مزاج پوچھ کے چھرا اتارنے والی

عجب سلوکِ دو رُو ہے نگاہِ ساقی کا
سرور دے کے وہ نشہ اتارنے والی

سلیم ہم بھی سفینے کے بادباں کھولیں
اٹھے جو موج کوئی دل ابھارنے والی

Scanned by CamScanner

سلیمؔ نفع نہ کچھ تم کو نقدِ جاں سے اٹھا
کہ مال کام کا جتنا تھا سب دکاں سے اٹھا

برا لگا مرے ساقی کو ذکرِ تشنہ لبی
کہ یہ سوال مری بزم میں کہاں سے اٹھا

نگاہِ ناز بھی تھی مسکرانے والوں میں
عجیب لطف غرض غم کی داستاں سے اٹھا

تمام عمر کی محرومیوں کا حاصل تھا
وہ لطفِ خاص جو اک شب کے میہماں سے اٹھا

سلیمؔ راہِ وفا نقشِ پا کو ترسے گی
اب اعتبار اگر میرِ کارواں سے اٹھا

Scanned by CamScanner

مری غزل میں ایک نیا سوزِ جاں بھی ہے

میری غزل میں ایک نیا سوزِ جاں بھی ہے
مانا ابھی گرانیِ لفظ و بیاں بھی ہے
کچھ دل بھی ہے نشاطِ تمنا سے شاد کام
اور کچھ تری جفا پہ کرم کا گماں بھی ہے
کیا اس ہجومِ شوق سے گھبرا نہ جائے گا
مانا وہ بدگمانِ وفا مہرباں بھی ہے
کچھ نازِ تمکنت بھی ہے پاسِ حیا کے ساتھ
پھر بارِ آرزو سے ذرا سرگراں بھی ہے
تکلیفِ التفات نہ دوں اس نگاہ کو
با وصفِ جور و ناز جو آرامِ جاں بھی ہے
مائل کرم پہ ہے مگر اللہ رے احتیاط
پیمانِ آرزو سے مرے بدگماں بھی ہے
اس یارِ دل شکن پہ ہیں دلداریاں بھی ختم
جو ہم سے سرگراں بھی ہے اور مہرباں بھی ہے
تو جس طرح سنے یہ ہے تیرا معاملہ
غم امرِ واقعہ بھی ہے اور داستاں بھی ہے
کچھ عسکری کا فیض بھی ہے شاملِ غزل
اور کچھ سلیم اپنی طبیعت رواں بھی ہے

Scanned by CamScanner

(الف)

چاہتا کیا ہے اِلتفاتِ یار
بھول جاؤں وہ لذتِ انکار

آگیا راہ پر بالآخر یار
لیک بعد از خرابی بسیار

حال دل پوچھنے پہ ہے اصرار
کتنے ظاہر پرست ہیں غمخوار

چڑھتے سورج کا مول کیا آنکیں
شام تک ہے یہ گرمی بازار

ترکِ الفت کے عذر ہیں لاکھوں
خوئے بد را بہانۂ بسیار

کارواں زحمتِ سفر نہ کریں
منزلیں کوچ پر ہیں خود تیار

Scanned by CamScanner

(ب)

کتنا بدلا ہے رنگِ لیل و نہار
حُسن اور عشق کا وہی ہنجار

وہ اُدھر بامِ خود نمائی پر
یہ اِدھر کوئے اشتیاق میں خوار

پوچھتا کون ہے محبت کو
گرم اہلِ ہوس کا ہے بازار

جاں خراشی نہ سینہ کاوی ہے
ٹھپ ہے اہلِ وفا کا کاروبار

ہاتھ پر ہاتھ دھر کے بیٹھے ہیں
شہر دل کے تمام ٹھیکیدار

ہم ہیں منشی عدالتِ دل کے
روز لیتے ہیں عشق کا اظہار

درج کرتے ہیں قطرہ قطرہ اشک
اور نفس در نفس فغاں کا شمار

متن خالی ہے حُسنِ مضموں سے
جدولیں لاکھ ہوں مرصع کار

Scanned by CamScanner

کوئی مسند طرازِ عدل نہیں
حُسن ہے سو خرد کا جانب دار

پاس تیرے نہیں زر و گوہر
اے غمِ عشق نذرِ درد گزار

حُسن کی دید کائنات کی سیر
عشق اپنے وجود کا اقرار

Scanned by CamScanner

(ج)

ہجر میں حرصِ سیر بھی بیکار
طبقہ دوزخ کا خطہ گلزار
یہ گلِ ترکہ عقربِ رنگیں
یہ صبا ہے کہ سانپ کی پھنکار

قیدِ وحشت سے رستگاری کیا
درِ زنداں بھی صورت دیوار
آئینہ آئینے سے گرمِ نظر
سایہ سائے سے برسر پیکار

روزنِ در جماہی لیتا ہے
آہ بھرتا ہے رَخنۂ دیوار
مہرِ رَخشاں کا دستِ نادیدہ
سر پہ کھینچے ہے آتشیں تلوار
ہم کو پوچھا ہمارے بعد سلیم
جیسے سوتے کو کوئی کرلے پیار

Scanned by CamScanner

عشق اور ننگِ آرزو سے عار
دلِ خود دار پر خدا کی مار

اور کیا دیکھنا ہے ذوقِ نظر
حُسن اور آئینے سے ہو بیزار

شکوۂ جَور ہے نہ شوقِ کرم
یوں بھی آنا تھا اہلِ دل کو قرار

(ق)

شاد اب کیوں نہیں دلِ مغموم
حُسن کو خود جفا سے ہے انکار

لطف ایسا کہ کچھ نہیں تخصیص
جیسے سب کے لیے کھلا بازار

ایک بول، ایک دام، سودا نقد
اور نہ کچھ بھاؤ تاؤ کی تکرار

سکۂ کم عیار داغِ جگر
پوچھ اس کی نہیں کہیں زنہار

سنگ ریزوں کے دام اٹھتے ہیں
پارۂ دل ہے مفت بھی بیکار

Scanned by CamScanner

سرد مہری ہے پیچ کی دلال
جس کا دونوں طرف سے ہے نباہ

رہن ہے اس کے نام جو کچھ ہے
حُسن کا ناز، عشق کا پندار

غرض اس ربط سے ہوئے ہیں ہم
عشقِ بے کیف و حُسنِ کم آزار

گانٹھتے ہیں چھٹے ہوئے جذبات
ہو کے سید بنے سلیم چمار

Scanned by CamScanner

سرد مہری ہے بیچ کی دلال
جس کا دونوں طرف سے ہے بیوپار

رہن ہے اس کے نام جو کچھ ہے
حُسن کا ناز، عشق کا پندار

غرض اس ربط سے ہوئے ہیں بہم
عشقِ بے کیف و حُسنِ کم آزار

گانٹھتے ہیں پھٹے ہوئے جذبات
ہو کے سید بنے سلیم چمار

Scanned by CamScanner

کارِ تخلیق میں ڈالا ہے مشینوں نے خلل
رحمِ مادر کی جگہ ڈھال کے رکھ دی بوتل
شیر پستاں میں نہیں بیچ ہوئی ہے بے رس
طفل گہوارے میں، بستر پہ ہے شوہر بے کل
مرد نامرد ہیں اِس دور کے، زن ہے نازن
اور دنیا کی ہر اک شے ہے اسی کا سمبل
جمع تفریق میں گو طاق ہے جُفتی کی مشین
کیجئے کیا کہ غلط آتا ہے پھر بھی ٹوٹل
زور وہ اور ہے پاتا ہے بدن جس سے نمو
لاکھ کُودے کوئی ٹانگوں میں دبا کر موسل
پرورش کر نہیں سکتی کبھی غنچے کی نسیم
دو گھڑی بھی کبھی ٹکتی نہیں گھر میں شفتل
بال سُنبل کے پریشان ہوئے بن کنگھی
آنکھیں نرگس کی بھی بے نور ہوئیں بن کاجل
مادہ سرعتِ پرواز میں ہے برق مثال
اس کے برعکس خیالات کے ٹٹّو اَڑیَل
زچگی فکر کے گھر میں ہو تو دایہ نہ ملے
فصد جذبات کی کھلوائیں تو نشتر کھٹَل
بال اِدراک کے بڑھ جائیں تو حَجام کا کال
کپڑے احساس کے پھٹ جائیں تو سوزن میں خلل

آ کے اب جنگل میں یہ عقدہ کھلا
بھیڑیے پڑھتے نہیں ہیں فلسفہ

ریچھنی کو شاعری سے کیا غرض
تنگ ہے تہذیب ہی کا قافیہ

کھال چکنی ہو تو دھندے ہیں ہزار
گیدڑی نے کب کوئی دوہا سنا

گورخر کی دھاریوں کو دیکھ لو
سوٹ چوپائے بھی لیتے ہیں سلا

لومڑی کی دُم گھنی کتنی بھی ہو
ستر پوشی کو نہیں کہتے حیا

شہر میں ان کے جو گزرا تھا سلیم
لکھ دیا ہے میں نے سارا ماجرا

Scanned by CamScanner

سوانگ بھرتا ہوں ترے شہر میں سودائی کا
کہ یہی حال ہے اندر سے تماشائی کا

بزم کے حال پہ اب ہم نہیں کڑھنے والے
انتظامات میں کیا دخل تماشائی کا

ہم تو سَو جھوٹ بھی بولیں وہ اگر ہاتھ آئے
کوئی ٹھیکا تو اٹھایا نہیں سچائی کا

دل خوں گشتہ کسے جاکے دکھائیں یارو
شہر میں کام نہیں لالۂ صحرائی کا

لوگ کہتے ہیں ہوس کو بھی محبت، جیسے
نام پڑ جائے مجاہد کسی بلوائی کا

یہ نہیں ہے کہ نوازے نہ گئے ہوں ہم لوگ
ہم کو سرکار سے تمغہ ملا رسوائی کا

اُن کو ٹوٹا ہوا دل ہم بھی دکھائیں گے سلیم
کوئی پوچھ آئے وہ کیا لیتے ہیں بنوائی کا

Scanned by CamScanner

نہ پوچھو عقل کی، چربی چڑھی ہے اس کی بوٹی پر
کسی شے کا اثر ہوتا نہیں کم بخت موٹی پر

کفن سے دوسروں کے جو سلاتے ہیں لباس اپنا
وہ جذبے ہنس رہے ہیں عشق سادہ کی لنگوٹی پر

یہی عیش ایک دن اہلِ ہوس کا خون چاٹے گا
ابھی کچھ دن لگا رکھیں وہ اس کتے کو روٹی پر

نہ جانے کیسے نازک تار کو مضراب نے چھیڑا
کہ وجد آخر انہیں بھی آگیا نوچا کھسوٹی پر

محبت کچھ بڑی ہے عمر میں اور ہے ہوس چھوٹی
مگر دل ہے کہ ہے سو جان سے لہلوٹ چھوٹی پر

Scanned by CamScanner

شوق تھا ہم کو بہت قوم کی حمالی کا
عشق کو ترک کیا نام لیا حالیؔ کا

دار و منصور کے قصے ہوئے ہم سے تازہ
ہم نے چمکا دیا مضمون یہ قوالی کا

دل کی حالت یہ ہوئی درسِ خودی اپنا کر
مصرعہ خشک ہو جیسے کسی اقبالی کا

لایئے زہر بھی پی لیں مگر اتنا کیجئے
درس کم دیجئے سقراؔط کی نقالی کا

گُل و گلزار پہ اشعار تو لکھے ہیں سلیمؔ
اب یہ لازم ہے کہ پیشہ بھی کرو مالی کا

Scanned by CamScanner

اب ان کے ساتھ پھرتا ہے کیسا لگا ہوا
تھا دل کو خود نمائی کا ہوکا لگا ہوا

وہ دل نہیں جو باز رہے دستبرد سے
پگڑی کی تاک میں ہے اُچکا لگا ہوا

ایوانِ دل میں غم کی سجاوٹ کہاں رہی
بس اک کھنڈر میں رہ گیا جالا لگا ہوا

دُزدانِ شب سے کوئی یہ کہہ دے پُکار کے
ظلمت کی گھات میں ہے اُجالا لگا ہوا

تنہا کوئی ملے تو کریں دل کی بات بھی
ہر آدمی کے ساتھ ہے سایہ لگا ہوا

بوسیدہ ہوچکی ہے یہ جذبات کی قبا
حُسنِ غزل کا لاکھ ہو گوٹا لگا ہوا

بولی چھٹی ہے چاند کی اہلِ زمیں کے نام
بازارِ کہکشاں میں ہے پرچہ لگا ہوا

اہلِ ہوس کی بھیڑ بھڑکے میں کٹ گئی
ہے عشق اپنے کام سے تنہا لگا ہوا

آخر سلیم عشق نے رُسوا کیا ہمیں
تھا اپنے ساتھ ساتھ یہ شُہدا لگا ہوا

Scanned by CamScanner

نہ جانے کس کی آمد ہے کہ تارے
دو رویہ مشعلیں لے کر کھڑے ہیں

کوئی پوچھے سنے گا کون اِن کی
جنابِ عشق کیوں ضد پر اَڑے ہیں

نہ بولی عقل کچھ باتوں پہ دل کی
کہ حضرت عمر میں اُس سے بڑے ہیں

ہوس نے بارہا پٹی پڑھائی
اُنہی میں کون سے موتی جڑے ہیں

اِدھر بھی اک کرن اے ماہِ رخشاں
کہ سائے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں

جنہیں کل عشق بننا ہے وہ جذبے
نظر کی رشوتوں پر پل رہے ہیں

Scanned by CamScanner

تری جانب سے دل میں وسوسے ہیں
یہ کتے رات بھر بھونکا کیے ہیں

لباس درد بھی ہم نے اتارا
یہ کپڑے اب پرانے ہو چکے ہیں

اتاریں کینچلی اب تلخ جذبات
کہ وہ اپنے میں گھٹ کر رہ گئے ہیں

نہ ہو مایوس خشک آنکھوں سے اے دل
کہ صحراؤں میں بھی دریا بہے ہیں

سلیم اچھی غزل ہے تیری مانا
مگر یہ پھول گھورے پر کھلے ہیں

Scanned by CamScanner

ٹھپ ہوچکی ہے حُسنِ خیالات کی دکان
ایسے میں کیا چلے گی غزلیات کی دکان

اُترن پرانی فکر کی بکتی ہے شہر میں
سُونی پڑی ہے تازہ خیالات کی دکان

سودے میں حرفِ حق کے دوالہ نکل گیا
کھولیں گے ہم بھی کذب و خرافات کی دکان

ہاں اہلِ درد ساکھ بڑھانے کا وقت ہے
حکماً ہوئی ہے بند سوالات کی دکان

وہ بھیڑ اہلِ حق کی کہ اللہ تری پناہ
جیسے ہر ایک گام پہ آیات کی دکان

فہرست قیمتوں کی درِ دل پہ ٹانگئے
وہ جانچنے کو آئیں گے جذبات کی دکان

ہم چاندنی کا مول چکاتے ہی رہ گئے
دُزدِ سحر نے لوٹ بھی لی رات کی دکان

یہ سب بِکاؤ مال ہے خورشید ہو کہ ماہ
کھولی ہے کہکشاں نے بھی ذرات کی دکان

جس شے کو مَس کرو وہ بدل جائے دفعتاً
دنیا بنی ہوئی ہے طِلسمات کی دکان

Scanned by CamScanner

شاعر ہیں آپ افسرِ عالی مقام بھی
میں آپ کو کہوں گا کمالات کی دکان

گاہک کا کال دیکھ کے دھندا بدل دیا
کھولی تھی پہلے ہم نے بھی جذبات کی دکان

پہلو میں نقدِ دل ہے تو کیا غم تمہیں سلیم
آخر کہیں تو ہو گی مدارات کی دکان

Scanned by CamScanner

ہے ہوس کو بھی دعویٰ ایثار
چور کہتا ہے میں ہوں ساہوکار

اپنی ہستی سے جو رہیں سرشار
کام ان کا نہیں حیات سدھار

عشق کا زور دل پہ چلتا ہے
مرتے کو مارتے ہیں شاہ مدار

ہاتھ اک دوسرے کی جیب میں ہے
اِس تعلق پہ دوستی کا مدار

حالتِ یاس میں گنہ کا خیال
رات کی تیرگی میں دیدۂ مار

گوشۂ مصلحت میں بیٹھا ہوں
حق کا انکار ہے نہ ہے اقرار

عشق کے حال کا پتہ تو چلے
شہرِ دل سے نکالئے اخبار

بات اب بھی وہی محبت کی
بن کے شہری رہے سلیم گنوار

Scanned by CamScanner

کاٹ دی خار زارِ غم میں حیات
مرحبا اے جنونِ خوش اوقات

عشق صورت تو اپنی پہچانے
آئینہ لے کے آئے ہیں حالات

جان سی شے کا مول ایک نگاہ
دیکھ لی اہلِ حُسن کی اوقات

چست صدری پہن کے بیٹھے ہیں
دل کی مسند پہ عشق کے جذبات

ہم تو مرتے ہیں خوش قبائی پر
بھاڑ میں جائے عشقِ ذات و صفات

داغِ خورشید کھا کے چہرے پر
لوٹ آئی ہے دن کے بھیس میں رات

(ق)

اک نظر دیکھتے ہی بھانپ گیا
میں اسے وہ مجھے کہ ہے بدذات

اُس نے زلفوں کے دام پھیلائے
میں نے چھیڑی غمِ حیات کی بات

میں سناتا تھا اُس کو اپنے شعر
وہ دکھاتا تھا مجھ کو اپنی گات

چھیڑ تھی، کھیل تھا مگر بے رنگ
اس میں شامل نہ تھے کہیں جذبات

Scanned by CamScanner

تو کوئی اور ہے میں اور ہوں، ایسا کیوں ہے

یہ سوال آج محبت نے اٹھایا کیوں ہے

حال جب دل کا سنائیں کہ ذرا بات چلے

وہ تو ہر بات پہ کہتا ہے کہ ایسا کیوں ہے

دل لیا، کام یہ تیرا ہے مجھے کیا مطلب

میں نہ لینے میں نہ دینے میں، مکرتا کیوں ہے

کوچۂ یار میں ہم جیسے بہت کھیت رہے

نگہِ ناز پہ احساں کوئی دھرتا کیوں ہے

میں تو ہر قرض سے بے باق ہوں، آنہ، پائی

عشق نے کھولا مرے نام کا کھاتا کیوں ہے

تیرا پڑتا نہیں کھاتا تو نہ لے جنسِ وفا

گھوم پھر کے اسی اک مال پہ تکتا کیوں ہے

ہاں اُسے قدر نہیں وہ نہیں قائل دل کا

عشق پھر جاکے اُسی کوچے میں مرتا کیوں ہے

تو نہیں اور سہی جس سے تھا پیمانِ وفا

پھر نہ جانے مری نظروں کو یہ دھوکا کیوں ہے

اتنے خوش فہم نہیں جو اسے اپنا سمجھیں

لیکن اس بات کو سوچیں تو اکھرتا کیوں ہے

عشق میں تو یہی ہوتا ہے گلہ کیا مری جاں

دل کے مٹ جانے کا افسوس بھی کرتا کیوں ہے

نالہ بلبل کا جو سنتا ہے تو کھل اٹھتا ہے گُل

لیکن اس بات پہ تجھ کو یہ اچنبھا کیوں ہے

Scanned by CamScanner

دل کو ایسا بھی تعلق نہیں تجھ سے لیکن
نام بھی لے کوئی تیرا تو دھڑکتا کیوں ہے

حال کہہ دو گے مرا، لاؤ گے اس کو یارو؟
اور جو وہ سُن کے بگڑ جائے کہ مرتا کیوں ہے

ہے وہی بات "در ایامِ جوانی" والی
میں نے کیا ایسا کیا، شہر میں چرچا کیوں ہے

وہ بلاتے بھی نہیں اور بٹھاتے بھی نہیں
دل سے پوچھو کہ وہیں جاکے پسرتا کیوں ہے

حُسن سے شکوہ بھی کرتے ہیں تقاضہ بھی سلیم
عشق ایسا ترا دنیا سے نرالا کیوں ہے

Scanned by CamScanner

ہم ہیں اور راہِ کوئے بدنامی
مرحبا اے ہوائے خوش کامی

اس کا دل اپنے حق میں پارۂ سنگ
ختم ہے جس پہ نازک اندامی

ہم نے شکوہ کبھی کیا نہ کریں
شکوہ ہے اعترافِ ناکامی

(ق)

کلمۂ حق کہیں تو ہم جانیں
ورنہ کیا رستمی و بہرامی

پہلے مختون عقل کو کرلیں
زندگی پھر بنائیں اسلامی

سر منڈاتے ہیں ہم سے آ کے خیال
اپنا پیشہ ہوا ہے حجامی

Scanned by CamScanner

یوں بھی ہونا تھا اے دلِ ناکام
ہجر اور تجھ پہ عیشِ درد حرام

(ق)

ہو رہی ہے متاعِ دل نیلام
بولی چھوٹے گی جانے کس کے نام

دل کا سودا کہاں چکانے جائے
خود نہیں زلف کی گرہ میں دام

پھر اسی سے امیدِ دلداری
پھر وہی ہم وہی جنونِ خام

روشِ گمرہی مبارک باد
پھر وہی لغزشیں وہی انعام

پھر زمانے کی ساکھ بگڑی ہے
پھر محبت ہے موردِ الزام

تجھ کو چاہا تو شاعری بھی کی
آم کے آم گٹھلیوں کے دام

Scanned by CamScanner

عشق نے کب سے توقع پہ لگا رکھا ہے
روز کہتا ہے کہ بس کام بنا رکھا ہے

اور کیا چاہیے بے کیف ہیں کیوں حضرتِ دل
حُسنِ مطلق کو تو گھٹنے پہ بٹھا رکھا ہے

قرض مع سود وصولیں گے کسی دن تجھ سے
دل کے کھاتے پہ ترا نام چڑھا رکھا ہے

حُسن کے سینکڑوں انداز ہیں لیکن ہم کو
عشق نے ایک ہی ڈھرّے پہ لگا رکھا ہے

(ق)

منہ بسورے رہیں گو سینہ ہو غم سے خالی
وضع داری کا عجب ڈھونگ رچا رکھا ہے

منمناتی ہوئی آواز میں پڑھتے ہیں غزل
جسم فربہ ہے مگر دل کو گھلا رکھا ہے

اس سے کب بات ہوئی کس نے کیا عہدِ وفا
ہم نے بھی دل سے یہ مضمون بنا رکھا ہے

داستانِ غمِ دوراں پہ وہ کہتے ہیں سلیم
قصۂ ہجر کا عنوان نیا رکھا ہے

Scanned by CamScanner

خال و خط پر کروں غزل خوانی
ذوق میرا نہیں ہے ایرانی

جامہ زیبوں کو شرم آتی ہے
دیکھ کر آئینے کی عریانی

اب ہماری صفائی کون کرے
دل بنا ہے گواہِ سلطانی

کفر نے میرے کچھ تو کام کیا
بڑھ گیا ان کا ذوقِ ایمانی

مختصر یہ کہ دل گیا اپنا
ورنہ یہ داستاں ہے طولانی

وہ تو آزاد کر چکے ہیں سلیم
میں ہوں اپنی وفا کا زندانی

Scanned by CamScanner

خیر پھر دل کی آئے گی باری
چور جاتے رہے کہ اندھیاری

مہربانی کی کیا ضرورت ہے
کم نہیں آپ کی طرح داری

فیصلہ کیا ہے اے عدالتِ ناز
عشق مجرم ہے وہ بھی اقراری

رفتہ رفتہ یہاں تک آئے ہیں
چال میں آگئی ہے سرشاری

اب تو ہے حسن کے رفیقوں میں
کون کھائے گا عشق کی ماری

خواب کیا کیا وفا نے دیکھے ہیں
حُسن اور عشق کی طرف داری

اس پہ ثابت نہیں ہے کوئی ستم
سب گواہانِ دل ہیں انکاری

مدح خواں دورِ حُسن کے ہیں سلیم
شعر کہتے ہیں ہم بھی سرکاری

Scanned by CamScanner

عشق اور اتنا مہذب چھوڑ کر دیوانہ پن
بند اوپر سے تلے تک شیروانی کے بٹن

عشق کی دیوانگی وضع جنوں کے ساتھ تھی
چاکِ دل بھی سل گیا جب سے سیا ہے پیرہن

دل کو مژدہ ہو کہ وہ بھی خیر سے جاتی رہی
آہ سے پہلے جو کچھ محسوس ہوتی تھی دُکھن

اُن کو جلوت کی ہوس محفل میں تنہا کر گئی
جو کبھی ہوتے تھے اپنی ذات سے اک انجمن

شاخِ گُل بن کر لچکتے ہیں ہوس کی بزم میں
یہ وہی ہیں جن میں تھا تلوار کا سا بانکپن

؎ خوشنما لفظوں کی رشوت دے کے راضی کیجیے
روح کی توہین پر آمادہ رہتا ہے بدن

مرگِ شہرِ آرزو کا کر چکے ماتم سلیم
آؤ ان لاشوں کو اب لفظوں کا پہنائیں کفن

Scanned by CamScanner

یہ مانا اہلِ دل اُس پر نچھاور جان کرتے ہیں
وہ کہتا ہے کہ آخر مجھ پہ کیوں احسان کرتے ہیں

بُرا ہو وسوسوں کا غم پنپنے ہی نہیں پاتا
بہت کم بخت چوہے فصل کا نقصان کرتے ہیں

وہ آئیں یا نہ آئیں محفل دل کی صدارت کو
بہر صورت ہم اُن کے نام کا اعلان کرتے ہیں

ٹھہر بے تابیِ دل ان سے ملنے کی بھی ٹھیرے گی
مثل ہے جلد بازی کام میں شیطان کرتے ہیں

ہماری نکتہ چینی کو بھلا خاطر میں کیا لائیں
وہ ایسے ہیں کہ آئینے کو بھی حیران کرتے ہیں

جنابِ عشق ان پر آپ کا کچھ بس نہیں چلتا
ہمارے نام جاری روز اک فرمان کرتے ہیں

وہ ہم کو جاں نثاروں میں نہیں گنتے حقارت سے
ہم ان پر جان کیا ایمان تک قربان کرتے ہیں

جب ان کی یاد سے بھی رنجِ تنہائی نہیں جاتا
بلا کر بے خودی کو درد کا مہمان کرتے ہیں

ہمارے دعویٰ ایثار پر وہ ہنس کر کہتا ہے
یہ اچھے برہمن نکلے کہ الٹا دان کرتے ہیں

Scanned by CamScanner

محبت کا صلہ بھی مل رہے تو بات ہی کیا ہے
نظر انداز ہم فی الحال یہ امکان کرتے ہیں

یہ کیا کم ہے حرم سے کفر کا الزام تو پایا
چلو اب کفر ہی کو حاصلِ ایمان کرتے ہیں

سلیم اب کے رہا کیا حال دل کے نفع و نقصاں کا
سنا ہے اس گلی میں آپ بھی دوکان کرتے ہیں

Scanned by CamScanner

اتنا یاروں کو نہ سوجھا کہ لگا کر لاتے
یوں نہ آتا تو کوئی بات بنا کر لاتے

جانے کیا بول اٹھے دل کا ٹھکانہ کیا ہے
ایسے وحشی کو تو پہلے سے پڑھا کر لاتے

یوں بھی سنتا ہے کہیں کوئی فسانہ غم کا
ایسے مضموں کو ذرا اور بنا کر لاتے

ہم تو اس بزم میں اے دل رہے تیری خاطر
کچھ اشارہ بھی جو پاتے تو بُلا کر لاتے

رنگِ محفل کی بڑی دُھوم سنی ہے یارو
کیا بگڑ جاتا ہمیں بھی جو دِکھا کر لاتے

آج ہی تم کو نہ آنا تھا، چلو جاؤ سلیم
ورنہ ہم آج تمہیں اس سے مِلا کر لاتے

دیکھ رسوائی نہو بات بڑھاتا کیوں ہے
دل کو سمجھائیں گے ہم بھی کہ وہ آتا کیوں ہے

مجھ سے بیزار اگر ہے تو یہ پرسش کیسی
اور مائل بہ کرم ہے تو ستاتا کیوں ہے

جب یہ ذلت ہی اٹھانا ہے ہمارا منظور
روز ایما و اشارت سے بلاتا کیوں ہے

چپ رہوں میں تو جھلک اٹھتے ہیں کیوں آنکھ میں اشک
اور کہوں حال تو ہنس ہنس کے جلاتا کیوں ہے

جب سمجھتا ہے ہر اک بات میری انہونی
پھر اشاروں میں ہر ایک بات سُجھاتا کیوں ہے

دل لیا ہو تو چلو شرمِ تقاضہ سمجھیں
جب نہیں کچھ بھی تو پھر آنکھ چُراتا کیوں ہے

میں جسے بھول گیا اس کو بھی جو یاد نہیں
آنکھوں آنکھوں میں وہی بات جتاتا کیوں ہے

ہائے وہ حُسنِ تغافل کہ نہ پوچھا اک دن
روز یہ شخص مری بزم میں آتا کیوں ہے

خانہ آباد جنوں کا مگر اس موسم میں
مجھ کو ظالم ترے کوچے سے اٹھاتا کیوں ہے

Scanned by CamScanner

بزمِ اغیار سہی محفلِ پندار سہی
دل ہے خوددار تو اس بزم میں جاتا کیوں ہے

حُسنِ بیداد پہ جیتے ہیں محبت والے
جَور سے تُو مری جاں ہاتھ اٹھاتا کیوں ہے

ہاں وہ بیگانہ وفا سے ہے، کرم سے عاری
دل سے پُوچھو کہ اسے حال سناتا کیوں ہے

عشق کی اب تو بہت پوچھ ہے سرکاروں میں
آبرو پھر اسی کوچے میں گنواتا کیوں ہے

دل الہنا تو بہت دیتا ہے خواری کا سلیم
اس سے پوچھو مجھے لے کر وہاں جاتا کیوں ہے

Scanned by CamScanner

اب رہیں شاد یا رہیں ناشاد
کرلیا عشق ہرچہ بادا باد

حرف کیوں آئے نازِ شیریں پر
خونِ فرہاد برسر فرہاد

آشیاں ایک شاخ کا پابند
بجلیاں قیدِ ابر سے آزاد

جو اِدھر حال ہے وہی ہے اُدھر
ایک جیسے ہیں صید اور صیاد

(ق)

ایک ہی شاخ پر ہیں آسودہ
خار اور گل کہ ہیں بہم اضداد

کیا یہ ممکن نہیں کہ چشمِ کرم
تجھ سے ہو خانۂ وفا آباد

گُل کھلائے زمینِ کوچۂ غیر
اور مری مُشتِ خاک بھی برباد

کچھ تو ایسا ملا محبت میں
فکرِ دنیا سے ہوگئے آزاد

عاشقی بن گئی تھی رسمِ کہُن
ہم نے ڈالی مگر نئی بنیاد

ان کا رتبہ مجھے نہیں معلوم
ان کے خادم مگر ہیں ابنِ زیاد

Scanned by CamScanner

ہم گدایانِ عشق ہیں ہم پر
بھونکتے کیا سگانِ دنیا زاد

(ق)

گوشِ گُل پر گراں ہے نغمہ بھی
کیا سنے گا وہ درد کی روداد

کچھ تو ہوتی نگاہ میں تاثیر
رنگ لاتی کہیں تو کچھ فریاد

اُس کے دامن پہ داغ رہ جاتا
خونِ ناحق کی کچھ تو ملتی داد

(ق)

یوں نہ ہوگا جفا کا استحصال
یوں نہ مانے گا وہ ستم ایجاد

اب کے تیشہ چلے گا خسروؔ پر
جوئے خوں اب کے لائے گا فرہاد

شہر ہیں اور بھی سلیم بہت
ہے کراچی مگر عروسِ بلاد

Scanned by CamScanner

دھرا کیا ہے زبانی پیار کے رنگیں فسانوں میں
کھرے کھوٹے کا سب احوال کھل جائے گا رانوں میں
جواں بدمست راتیں سانس بھی آہستہ لیتی ہیں
لہو سرگوشیاں کرتا ہے سرشاری کے کانوں میں
سمٹ آتی ہے روحِ بے قراری ایک نقطہ پر
وہ نقطہ مثلِ ساعت پھیلتا جاتا ہے جانوں میں
مثالِ موج پیچیدہ بہم غلطیدہ و رقصاں
دھڑکتی ساعتیں پرواز کرتی ہیں زمانوں میں
سیہ ٹھہری ہوئی بے حس فضائیں چیخ اٹھتی ہیں
کہ ساری زندگی تحلیل ہوجائے گمانوں میں
سحر ہوتے یہ گونگا تجربہ محسوس کرتا ہے
کہ رچ کر رہ گیا ہے ذائقہ خوں کا زبانوں میں
ہوس آگے کی ہو جن کو سو اپنا کام وہ جانیں
ہمیں تو لطف سارا آگیا حیلے بہانوں میں
یقیناً تلخ گوئی سے ہوئے ہیں بے مزا لیکن
سمجھ بیٹھے تھے ہم کو وہ نرے افسانہ خوانوں میں
اگر دل چاہتے ہیں پھر ہمارے پاس آئیں گے
یہ شے وہ تو نہیں ہے جس کو پاجائیں دکانوں میں
کہاں تک نت نئی تاویل سے سمجھائیں ہم دل کو
بہت کم ربط ہوتا ہے سلیم ان کے بیانوں میں

Scanned by CamScanner

ہیں بد گماں سلیم کے حُسنِ بیاں سے ہم

غمہائے تازہ مانگتے ہیں آسماں سے ہم
رکھتے ہیں لاگ اپنے دلِ شادماں سے ہم

الجھے ہوئے نہ تھے کرم و جور اِس قدر
لائیں وہ سادگی تمنا کہاں سے ہم

اک رسمِ نالہ پر ہے مدارِ وفا ہنوز
واقف نہیں ہیں لذتِ دردِ نہاں سے ہم

ہر درد، دردِ عشق نہیں اے دلِ خراب
کتنے خجل ہیں اس کرمِ رایگاں سے ہم

جو دل کی بات ہے وہ زباں پر نہ آسکے
تنگ آگئے ہیں شیوۂ حُسنِ بیاں سے ہم

کتنا خلوص، کتنی خلش، کتنی آگ ہے
پہچانتے ہیں عشق کو طرزِ فغاں سے ہم

کیا ارتباطِ عشق یہی ہے کہ بے سبب
کچھ سرگراں سے وہ ہیں تو کچھ بدگماں سے ہم

بھٹکے پھریں گے دشت و بیاباں سے تا حرم
لے اٹھ چلے ہیں آج ترے آستاں سے ہم

باوصفِ اضطراب یہ فقرے تُلے تُلے
ہیں بدگماں سلیم کے حُسنِ بیاں سے ہم

Scanned by CamScanner

خود کو کہتے ہیں جو ناکامِ وفا کہتے ہیں
تُو وفا کیش سہی ہم تجھے کیا کہتے ہیں

رسم و رہ کیا ہے ترے شہر کرم کی اے دوست
پوچھتا ہے کوئی احوال تو کیا کہتے ہیں

حُسن کو کچھ نگہِ یاس سے پالا نہ پڑا
یہ وہ ظلمت ہے جسے جلوہ رُبا کہتے ہیں

اے گلِ تازہ تجھے رنگِ چمن کیا معلوم
بادِ صرصر کو یہاں لوگ صبا کہتے ہیں

کس کو معلوم ہے جز رمز شناسانِ غزل
ابر کیا چیز ہے اور کس کو ہوا کہتے ہیں

بات ہے تیری نگہ تیرے سخن کی ورنہ
کیا مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں

ہم وہ خوددارِ وفا ہیں کہ برنگِ غالبؔ
نگہِ لطف کو توہینِ وفا کہتے ہیں

Scanned by CamScanner

کیا رنگ تیرے جور میں لطفِ نہاں کے ہیں
لیکن بھرے ہوئے مرے حُسنِ گماں کے ہیں

اے قصہ گوئے حُسن ہمیں بھی ذرا ابھار
کردار ایک ہم بھی اسی داستاں کے ہیں

ہر انقلابِ تازہ تری بزم سے اٹھا
نام اس کا ہوگیا یہ نصیب آسماں کے ہیں

گم ہے تمام بزم کہ سحر و فسوں تمام
تیرے سکوت میں مرے حُسنِ بیاں کے ہیں

اک حسنِ تازہ کار سے ہے واسطہ سلیم
ورنہ وفا شعار ہم ایسے کہاں کے ہیں

Scanned by CamScanner

مائل پرسشِ غم چشمِ کرم ہو کہ نہ ہو
اور کبھی ہو تو خدا جانے یہ غم ہو کہ نہ ہو

آج جی بھر کے رُلا اے غمِ ہجراں مجھ کو
جانے پھر لمحۂ فرصت یہ بہم ہو کہ نہ ہو

ہم سے چھوٹی ہے نہ چھوٹے گی یہ رسمِ فریاد
تجھ سے پابندیِ آئینِ ستم ہو کہ نہ ہو

اے تصور اسی اک لمحہ کو دے شانِ ابد
کیا خبر پھر کوئی مائل بہ کرم ہو کہ نہ ہو

از فغاں تا بہ غزل فیض ہے اس کا جاری
وہ مرے دل کی خلش جو ترا غم ہو کہ نہ ہو

دیکھنا یہ ہے کہ تاثیر کہاں تک پہنچی
دل پہ جو کچھ بھی گزرتی ہے رقم ہو کہ نہ ہو

دیر سے چل کے ہر اک گام پہ تھی فکر سلیم
ہم سے کیا جانئے تکریمِ حرم ہو کہ نہ ہو

Scanned by CamScanner

ایک تو بزمِ خاص ہو اور وہ پھر بلائیں بھی
بات کبھی جو یوں بنے پھر تو سلیم جائیں بھی

میرے سوالِ شوق کی گونج کہاں کہاں گئی
چونک پڑی نگاہِ ناز جاگ اٹھیں فضائیں بھی

آگ تھی کچھ دبی دبی درد تھا کچھ تھما تھما
یاد مگر وہ آگئے چلنے لگیں ہوائیں بھی

آنے کا احتمال ہے یونہی سا کچھ خیال ہے
دل کا عجیب حال ہے اور جو کہیں وہ آئیں بھی

کوئی مقام بھی تو ہو دَیر سہی حرم سہی
اٹھ کے دیارِ ناز سے عمر کہیں گنوائیں بھی

لطف و کرم کی بات کیا آنکھ بھر آئی ہے سلیم
یاد کبھی جو آگئیں بھولی ہوئی جفائیں بھی

مری محرومیوں کا ہے ترے دل پر اثر پھر بھی
یہ مانا تجھ کو کچھ مطلب نہیں مجھ سے مگر پھر بھی

زمانہ ہوگیا راہِ وفا چھوڑے ہوئے لیکن
کھٹکتا ہے ان آنکھوں میں غبارِ رہگزر پھر بھی

وفا ہونے کی خوش فہمی تو کب تھی اہلِ فرقت کو
بہت یاد آیا تیرا وعدۂ نامعتبر پھر بھی

غنیمت ہے جو تیری آرزو میں دن گزر جائیں
مری قسمت میں ہے ہر چند محرومی مگر پھر بھی

انہیں لمحوں میں دنیا کو بدل دینا بھی ممکن ہے
یہ لمحاتِ جنوں ہوتے ہیں یوں تو مختصر پھر بھی

زمانہ ہوگیا ترکِ رہ و رسمِ محبت کو
مگر دھوکا سا دیتا ہے وہ اندازِ نظر پھر بھی

سلیم اس کی نگاہِ ناز کی باتیں بھی کرتا چل
یہ مانا داستانِ غم ہے تیری مختصر پھر بھی

Scanned by CamScanner

شوخ بھی ہے وہ جفا پرور خود آرا بھی بہت
اوّل اوّل اس پہ ریجھا دل ہمارا بھی بہت

یاس ہے آنے سے اس کے پھر بھی اے وعدہ کی یاد
دل کو اس عالم میں ہے تیرا سہارا بھی بہت

آزمایا ان کو پیہم تو نے وہ بھی جور سے
جن کو تھا تیرے کرم کا اک اشارہ بھی بہت

ان کے ترکِ عشق پر دل میں ترے شک بھی نہیں
ورنہ اہلِ غم کو تھا اتنا سہارا بھی بہت

کیجئے کیا دل کو بے مہری کے باوصف اے سلیم
وہ وفا ناآشنا لگتا ہے پیارا بھی بہت

Scanned by CamScanner

بے رُخی حد سے بڑھی اور صرف اتنا ہی نہیں
اب تو یہ عالم ہے گویا ربط کچھ تھا ہی نہیں
پوچھتی ہے وہ نظر کیا ہے محبت کا مآل
بے خودیٔ عشق کہتی ہے کہ سوچا ہی نہیں
حالِ دل ناگفتنی ہے ہم جو کہتے بھی تو کیا
پھر بھی غم یہ ہے کہ اس نے ہم سے پوچھا ہی نہیں
بزم یاراں میں ہیں کیا کیا تذکرے چپ ہیں تو ہم
جیسے وہ حُسنِ دل آرا ہم نے دیکھا ہی نہیں
شکوۂ بیگانگی جن کو ہے ان سے کیا کہیں
التفاتِ دوست کا مارا پنپتا ہی نہیں
حُسن کی ہر کج ادائی بے رخی، بے گانگی
سعیٔ ضبطِ آرزو تھی کوئی سمجھا ہی نہیں
کیا شکایت کیجئے اس بدگمانِ شوق سے
وہ ہمیں اپنے وفاداروں میں گنتا ہی نہیں
سارے شکوے سب گلے اپنی جگہ لیکن سلیم
کس طرح کہہ دوں کہ اس کو میری پروا ہی نہیں

Scanned by CamScanner

سوچ میں گم بیکراں پہنائیاں
عشق ہے اور ہجر کی تنہائیاں

رات کہتی ہے کہ کٹنے کی نہیں
درد کہتا ہے کرم فرمائیاں

بین کرتی ہے دریچوں میں ہوا
رقص کرتی ہیں سیہ پرچھائیاں

خامشی جیسے کوئی آہِ طویل
سسکیاں لیتی ہوئی تنہائیاں

کون تو ہے؟ کون میں؟ کیسی وفا؟
حاصلِ ہستی ہیں کچھ رسوائیاں

یاد سے تیری سکوں یوں آگیا
صبح دم جیسے چلیں پُروائیاں

Scanned by CamScanner

چھوٹ کر مجھ سے یہ رنگا رنگ بزم آرائیاں
تجھ کو بھی محسوس کیا ہونے لگیں تنہائیاں

حُسن نے خوئے تغافل سے توجہ ہی نہ کی
دید کے قابل تھیں ورنہ عشق کی رعنائیاں

صبح وعدہ شام ہونے آئی وہ آئے نہیں
دھوپ دیواروں پہ پہنچی بڑھ چلیں پرچھائیاں

ہر ادا میں اک تلون ہر نفس اک بے کلی
کیا توجہ کیا تغافل کیا کرم فرمائیاں

فصلِ گل یوں آئی، یوں رخصت ہوئی جیسے سلیم
ایک حیلہ تھا کہ ہوجائیں مری رسوائیاں

Scanned by CamScanner

نکل نہ آئے کہیں رخ تری شکایت کا
اگر کہوں کہ زمانہ نہیں محبت کا

غرورِ کم ہنراں دیکھ کر یہ راز کھلا
غرورِ سایۂ معکوس ہے ندامت کا

جفائے دہر کی تلخی بھی کچھ بیاں میں رہے
اسی میں رنگ ابھرتا چلے محبت کا

وہ لفظ آئے جو نشتر ہو اور مرہم بھی
معاملہ یہ نہیں ہے زباں پہ قدرت کا

سبھی پہ وار چلے گو کسی پہ وار نہو
کہ امتحاں یہی ہے خلوصِ ہمت کا

سمجھ سکو تو یہی ناز بھی ہے، عجز بھی ہے
ملا نہ دہر میں کوئی مری طبیعت کا

Scanned by CamScanner

نہ کی پرسش اگر اس نے گلہ کیا
وہ خود ہی جانتا ہے پوچھتا کیا
سہارا دے کوئی تو ڈوبتے کو
کوئی تو ہو خدا کیا ناخدا کیا
جسے ہم بھول بیٹھے تھے کبھی کے
وہی درد آج پھر دل میں اٹھا کیا
خبر ہے شہر بھر میں مرگِ دل کی
یہ قصہ آپ نے بھی کچھ سنا کیا
معمہ ہے کہ کھلتا ہی نہیں ہے
نگاہِ ناز نے ایسا کیا کیا
قیامت ہے کہ خود کو بھول بیٹھا
ہمیں تو خیر وہ پہچانتا کیا
اشارہ کیجئے ہم جان دیں گے
ذرا سی بات کا ہے سوچنا کیا
اسی کے ہیں ہوئے ہیں جب سے اپنے
وفا کی ابتدا کیا انتہا کیا
کبھی اتنی بھی بیگانہ نہیں تھیں
اُن آنکھوں کو سلیم آخر ہوا کیا

Scanned by CamScanner

دکھائے سادگی شوق نے سماں کیا کیا
رہے ہیں عشق میں رنجور و شادماں کیا کیا

صبا کی چاپ پہ ہوتے رہے گماں کیا کیا
نفس نفس پہ بڑھا اضطرابِ جاں کیا کیا

کسی کی سادہ قبائی کا دھیان آیا ہے
نگاہِ شوق میں جھلکے ہیں گلستاں کیا کیا

سرشک خوں، نگہِ یاس، نالۂ سوزاں
ملے ہیں اہلِ محبت کو ترجماں کیا کیا

بہت ہے فکرِ مدلل، پہ روبرو اس کے
کلام آتے ہیں بے ربط درمیاں کیا کیا

ملی نہ تھاہ سمندر کھنگالتے ہی رہے
مزاجِ حُسن کے ہیں یوں تو رازداں کیا کیا

اگر کہوں بھی کسی سے تو کون سمجھے گا
نگاہِ لطف میں نشتر بھی تھے نہاں کیا کیا

غرورِ تشنہ لبی نے سراب ہی سمجھا
نظر کے سامنے دریا رہے رواں کیا کیا

مجھے گماں بھی نہ تھا بات تھی زمانے کی
کلام آگئے بے لطف درمیاں کیا کیا

گداز شمع کو سمجھے کوئی نہیں اتنا
ملے ہیں گرمی محفل کے مدح خواں کیا کیا

سلیم کچھ بھی نہ تھی موج و تازیانہ و برق
نگاہِ ناز پہ ہوتے رہے گماں کیا کیا

Scanned by CamScanner

سلیم دل کو میسر سکوں ذرا نہ ہوا
اگرچہ ترکِ محبت کو اک زمانہ ہوا

وہ بے خودی تھی محبت کی بے رُخی تو نہ تھی
پہ اُس کو ترکِ تعلق کا اک بہانہ ہوا

اُسی سے داد کا طالب ہوں روبرو جس کے
بیانِ دردِ محبت بھی اک فسانہ ہوا

وہ چوبِ خشک ہوں محرومِ آتشِ سوزاں
کہ بن جلائے جسے قافلہ روانہ ہوا

نشاطِ درد میں فرصت کہاں کہ غور کریں
سلیم کیا ہوا الفت میں اور کیا نہ ہوا

Scanned by CamScanner

مرے دل کی کیفیت بھی نہ سمجھ میں میری آئی
اسے پا کے بھی ہے گویا وہی عالمِ جدائی

مجھے کچھ بتا کہ کیا ہیں تری الجھنیں کہ مجھ سے
کبھی اس قدر محبت کبھی اتنی کج ادائی

کبھی تیری شخصیت کا مجھے یوں بھی دھیان آیا
کہ ستم کی یاد آئی نہ کرم کی یاد آئی

مرے حالِ غم کو سن کر جو سلیم اتنا چپ ہو
چلو اب ہمیں بتا دو تمہیں کس کی یاد آئی

Scanned by CamScanner

امیدیں ہیں بہت دردِ جگر سے
یہ بدلی دیکھیے برسے نہ برسے

نہ جا کارِ جنوں کی وسعتوں پر
لیے جا کام عمرِ مختصر سے

خوشا یہ کاوشِ ضبطِ تمنا
نظر ملنے نہیں دیتے نظر سے

مری طبعِ تلون کیش کو ہے
سکوں اک وعدۂ نامعتبر سے

سلیم اس در سے پھر جیتے نہ پلٹے
نہ جانے کس گھڑی نکلے تھے گھر سے

Scanned by CamScanner

ابھی ہے حاملِ صد اضطراب میرا جنوں
کہاں سے ڈھونڈ کے لاؤں تری نگہ کا سکوں

جمالِ یار کا احساس کہہ گیا مجھ سے
سکون و صبر کی قدریں بھی کر شریکِ جنوں

جو خود وہ دیں تو جہنم بھی ہے قبول مجھے
ملے جو مانگ کے فردوس بھی تو ٹھکرا دوں

جو ہو سکے تو مجھے مضطرب ہی رہنے دے
کہ اضطراب سے بڑھتا ہے میرے دل کا سکوں

سلیم دیکھ کے احوال تیرا ڈرتا ہوں
خراب کر کے نہ رکھ دے ترا یہ زورِ جنوں

Scanned by CamScanner

حسرتِ پس ماندگاں کی یاد میں یوں کھو گئے
اہلِ منزل کارِ منزل سے بھی غافل ہو گئے

بزمِ فطرت میں بھی کوئی غم گسارِ دل نہیں
داستانِ غم کے چھڑتے ہی ستارے سو گئے

کیسا اِس نفرت کے سناٹے میں گھبراتا ہے دل
اے محبت کیا ترے ہنگامہ آرا سو گئے

قافلے لٹتے بھی ہیں، مٹتے بھی ہیں، بڑھتے بھی ہیں
حسرت ان پر ہے جو منزل پر پہنچ کر کھو گئے

سوز و سازِ عشق کو سمجھے کوئی اتنا نہیں
یوں تو حالِ عشق پر کچھ ہنس گئے، کچھ رو گئے

ہم نے سمجھا تھا بہل جائیں گے باتوں میں سلیم
وہ تو اس کے ذکر سے کچھ اور چُپ چُپ ہو گئے

Scanned by CamScanner

بن گئے خواب اس کے جور و کرم
اب نہ وہ شادمانیاں ہیں نہ غم

آئے جا آج اہلِ درد کو یاد
جانے پھر کب ملے یہ فرصتِ غم

دل کو کیا کیا گمان ہوتے ہیں
اُس کے انداز ہیں بہت مبہم

ہائے نیرنگِ آرزو کہ مجھے
لطف ہی راس آسکا نہ ستم

کیا قریب آگئی مری منزل
آج کیوں ڈگمگا رہے ہیں قدم

پھر سلیم اُس کے درپہ جا پہونچے
گو نہ جانے کی کھاچکے تھے قسم

Scanned by CamScanner

ستم کی یاد سے بھی جس کے دل تڑپ جائے
نہ جانے کیا ہو جو اُس کے کرم کی یاد آئے

بہت دنوں میں جو دیکھیں نوازشیں تیری
نہ جانے کیوں مری آنکھوں میں اشک بھر آئے

تری نگاہ سے کیا ان کا کچھ تعلق ہے
کہ مجھ کو بھُولے ہوئے غم پھر آج یاد آئے

ہزار بار نگاہوں نے تیری مجھ سے کہی
وہ بات جو مرے ہونٹوں پہ آئے، رک جائے

جنونِ بادیہ پیما کو سازگار نہیں
وہ عقل جو اسے ہر ہر قدم پہ سمجھائے

تری نگاہ کی بدمستیاں ارے توبہ
کہ چھپ کے جام میں موجِ شراب تھرائے

کسے خبر ہے کہ طوفاں بدوش ہوتا ہے
وہ ایک قطرہ جو پلکوں پہ آکے رک جائے

سلیم یہ بھی کوئی رُخ وفا کا ہے شاید
جبھی تو اُس کی محبت پہ آپ پچھتائے

Scanned by CamScanner

دل خراب نے فتنے اٹھائے ہیں کیا کیا
نگاہِ ناز پہ الزام آئے ہیں کیا کیا

خلوصِ عشق کے باوصف تیری غفلت پر
خیال اہلِ محبت کو آئے ہیں کیا کیا

کسی کو شک ہے کسی کو گماں کسی کو یقین
تری نظر نے فسانے سنائے ہیں کیا کیا

نگاہِ ناز بھی ہے کب سے گوش بر آواز
سکوتِ غم نے فسانے سنائے ہیں کیا کیا

سلیمؔ تیری غزل میں وہ سوزِ عشق نہیں
اگرچہ عشق کے پہلو دکھائے ہیں کیا کیا

Scanned by CamScanner

وضع اپنی چھوڑ کر یوں مہرباں ہونا نہ تھا
تجھ کو اس درجہ بھی ہم سے سرگراں ہونا نہ تھا

تیرے غم سے اب کہاں وہ رونقِ بزمِ جنوں
جور میں تجھ کو حریفِ آسماں ہونا نہ تھا

عذر کیوں کیجئے کہ تھی دشوار وضع احتیاط
شکوہ کیا کیجئے کہ اتنا سرگراں ہونا نہ تھا

ایک بھی دھوکا نہ کھا پائے بنامِ آرزو
یوں بھی عمر رائیگاں کو رائیگاں ہونا نہ تھا

مثلِ گردِ راہ سمجھے چل کے آخر رہ گئے
اپنی قسمت میں شریکِ کارواں ہونا نہ تھا

Scanned by CamScanner

مدتوں بعد یادِ زلف آئی
دُور کے اُن سے سلسلے نکلے

ترکِ الفت کے بعد بھی اُن سے
وہی دل کے معاملے نکلے

جن پہ دھوکا تھا قُربِ منزل کا
دور کوسوں وہ قافلے نکلے

سخت جانی ہماری کام آئی
کچھ تو قاتل کے حوصلے نکلے

یادِ منزل بھی ہوگئی دشوار
ہر قدم پر وہ مرحلے نکلے

دیدنی ہے اب اس کی ویرانی
آپ دل سے مرے بھلے نکلے

Scanned by CamScanner

دیدنی ہے ہماری زیبائی
ہم کہ ہیں حُسن کے تمنائی
بس یہ ہے انتہا تعلق کی
ذکر پر اُن کے آنکھ بھر آئی

تو نہ کر اپنی محفلوں کو اُداس
راس ہے ہم کو رنجِ تنہائی
ہم تو کہہ دیں سلیم حال ترا
کب وہاں ہے کسی کی شنوائی

اور تو کیا دیا بہاروں نے
بس یہی چار دن کی رسوائی
ہم کو کیا کام رنگِ محفل سے
ہم تو ہیں دُور کے تماشائی

وہ جنوں کو بڑھائے جائیں گے
اُن کی شہرت ہے میری رسوائی
معتقد ہیں ہماری وحشت کے
شہر میں جس قدر ہیں سودائی

عشق صاحب نے دل پہ دستک دی
آیئے مرشدی و مولائی
یہ زمانے کا جبر ہے کہ سلیم
ہو کے میرؔی بنے ہیں سودائی

سلیم دشتِ تمنا میں کون ہے کس کا
یہاں تو عشق بھی تنہا ہے حُسن بھی تنہا

بنے وہ بات کہ اہلِ وفا کے دن پھر جائیں
مزاجِ یار کی صورت بدل چلے دنیا

اُڑا کے لے ہی گئیں بُوئے پیرہن! تیرا
سبک خرام ہواؤں پہ کوئی بس نہ چلا

مزاجِ عشق ہو مانوسِ زندگی اتنا
کہ مثلِ خلوتِ محبوب ہو بھری دنیا

مثالِ صبح مری خلوتوں میں کون آیا
وہ روشنی ہے کہ پلکیں جھپک رہی ہے فضا

ہمیں پہ جب نہ توجہ ہوئی تو ہم کو کیا
بلا سے آپ کسی کے لیے ہوں قہر و بلا

وہ تو ہے، یاد ہے تیری کہ میری حسرت ہے
یہ کون ہے مرے سینے میں سسکیاں لیتا

کڑھے تو اپنی جگہ، خوش رہے تو اپنی جگہ
سلیم ہم نے کسی سے کچھ کہا نہ سنا

Scanned by CamScanner

ترک ان سے رسم و راہِ ملاقات ہوگئی
یوں مل گئے کہیں تو کوئی بات ہوگئی

دل تھا اُداس عالمِ غربت کی شام تھی
کیا وقت تھا کہ تجھ سے ملاقات ہوگئی

رسم جہاں نہ چھوٹ سکی ترکِ عشق سے
جب مل گئے تو پرسش حالات ہوگئی

خو بو رہی سہی تھی جو تجھ میں خلوص کی
اب وہ بھی نذرِ رسمِ عنایات ہوگئی

وہ دشتِ ہول خیز وہ منزل کی دھن وہ شوق
یہ بھی خبر نہیں کہ کہاں رات ہوگئی

کیوں اضطراب دل پہ تجھے آگیا یقیں
اے بدگمان شوق یہ کیا بات ہوگئی

دلچسپ ہے سلیم حکایت تری مگر
اب سو بھی جا کہ یار بہت رات ہوگئی

Scanned by CamScanner

خدا کرے کہ رہے اہلِ درد سے آباد
جہاں فغاں بھی ہے نغمہ وہ محفلِ فریاد

وہی ہجومِ تمنا وہی دلِ برباد
مسافروں سے کہیں دشت بھی ہوئے آباد

غمِ جہاں سے رہے وقفِ نالہ و فریاد
سلیمؔ دے نہ سکے ہم وفائے حُسن کی داد

چمن میں کون سی راحت تھی اے دلِ ناشاد
نجانے کیوں تجھے رہتا ہے شکوۂ صیاد

بشرطِ ضبط غزل کوئی ہو ہی جائے گی
سلیمؔ آج طبیعت ہے مائلِ فریاد

Scanned by CamScanner

کیا جھوٹ کیا سچ اللہ جانے
تیری نگہ کے لاکھوں فسانے

دیوانہ مانے تو کس کی مانے
جتنی زبانیں اتنے فسانے

انداز اُس کا احوال میرا
کچھ میں نہ سمجھوں کچھ وہ نہ جانے

میری وفا کا وہ معترف ہے
اپنی جفا کو مانے نہ مانے

چاہو تو آؤ چاہو نہ آؤ
دونوں کے آساں حیلے بہانے

اللہ اتنی خود اعتمادی
دل اب چلا ہے ان کو بھلانے

گم کردہ منزل کیا سوچتا ہے
چھوڑ آیا پیچھے کتنے ٹھکانے

آخر سلیم ان باتوں کا حاصل
کس کو چلا ہے تو آزمانے

Scanned by CamScanner

تری نگاہ کا مفہوم کوئی کیا جانے
تراشتی ہے تمنا ہزار افسانے

ازل سے گوش بر آوازِ پا ہیں ویرانے
جنوں کی کونسی منزل میں اب ہیں دیوانے

ترے سلوک کو سمجھا نہیں ہے دنیا نے
ابھی تو عام ہیں جور و کرم کے افسانے

گزر چکے ہیں مقامِ جنوں سے دیوانے
تری نگاہ اب اٹھی ہے کس کو سمجھانے

وہ جن کو راس نہ آئی تھی تیری قربت بھی
ہیں تجھ سے چھوٹ کے کس حال میں خدا جانے

یہاں نہ ڈھونڈا نہیں اب کہ کوئے جاناں سے
چلے گئے ہیں تلاشِ سکوں میں دیوانے

جو اہلِ دل پہ ہیں الزام سب بجا لیکن
تری نظر سے بھی منسوب کچھ ہیں افسانے

سلیم تو ہی سمجھ لے مزاجِ دنیا کو
ترا مزاج تو سمجھا نہیں ہے دنیا نے

Scanned by CamScanner

بندگی بے اثر نہ ہوجائے
کعبہ بھی تیرا گھر نہ ہوجائے

اے شبِ غم کہیں ترے ہاتھوں
زندگی کی سحر نہ ہوجائے

حالِ دل کہہ نہ دیں کہیں نظریں
ضبط بھی بے اثر نہ ہوجائے

اے تغافل شعار دیکھ کہیں
مجھ کو میری خبر نہ ہوجائے

اتنا غم اور اس پہ ایسا ضبط
مجھ کو میری نظر نہ ہوجائے

ذوقِ سجدہ سے اپنے ڈرتا ہوں
سر کہیں وقفِ در نہ ہوجائے

تیری مسرور زندگی پہ کہیں
میرے غم کا اثر نہ ہوجائے

Scanned by CamScanner

جھوم کر اٹھی گھٹائیں دورِ پیمانہ چلا
خیر مقدم کو ہمارے سارا میخانہ چلا

کل اسی محفل میں ہم تشنہ لبوں کی دھوم تھی
ظرف اپنا دیکھنے کو آج پیمانہ چلا

جاگتے تاروں کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہوئیں
آخر شب تک تری آنکھوں کا افسانہ چلا

خوش گمانی کا بھلا ہو ہم اسی کے ہو رہے
وہ جو اپنا بن کے آیا اور بے گانہ چلا

کون پُرساں تھا ہمارا بزمِ ساقی میں مگر
وہ نظر اٹھی تو میخانے کا میخانہ چلا

مصلحت اندیشیوں کی آنکھ سے بچ کر سلیم
پھر اُسی محفل کی جانب شوق دُزدانہ چلا

Scanned by CamScanner

جس کو ٹھکرا کے چلا تھا وہ مسرت مل جائے
کیا یہ ممکن ہے کہ پھر مجھ کو محبت مل جائے

نازِ خونی کفنی جاں کا عوض ہے لیکن
اس کی بخشش ہے اگر عجز ندامت مل جائے

ہوسِ جاہ کی راہوں میں بھٹکنا کب تک
اب تو کوچہ میں ترے کنجِ قناعت مل جائے

دیکھ ایسا نہ ہو اے دل کہ وفا نبھ نہ سکے
اور اس کو کوئی پہلوئے شکایت مل جائے

تنگیٔ جیب و گریباں سے ہوا ہوں دل تنگ
پھر وہی چاک گریباں وہی وحشت مل جائے

Scanned by CamScanner

حُسنِ بیاں وہ دے کہ صداقت کہیں جسے

اِس عرصۂ طلب میں قناعت کہیں جسے
وہ کام ڈھونڈتا ہوں کہ فرصت کہیں جسے

اے کاش ربطِ جور میں پیدا نہ ہو کبھی
وہ رنگِ بے رخی کہ عنایت کہیں جسے

جاری ہے رزم گاہِ دل و جاں میں مستقل
پیکارِ آرزو کہ محبت کہیں جسے

صد شُکر اس کے جور سے قائم ہے آج تک
وہ ایک ربطِ خاص، شکایت کہیں جسے

تا عمر تلخ کام رہے اور نہ پاسکے
وہ غم کہ زندگی کی حلاوت کہیں جسے

تنگ آگیا ہوں جھوٹے نگینوں کے کام سے
حُسنِ بیان وہ دے کہ صداقت کہیں جسے

Scanned by CamScanner

یہ بزمِ کہکشاں یہ انجم و مہتاب اپنے ہیں
حقیقت ہو نہ ہو پر آنکھ اپنی خواب اپنے ہیں

خدا رکھے یہ میری چشمِ تر جب تک سلامت ہے
امیرِ شہر کی کیا فکر ہے سیلاب اپنے ہیں

یہ کہہ کر میری تنہائی مری ہمت بڑھاتی ہے
جہاں میں جس قدر بھی لوگ ہیں بیتاب، اپنے ہیں

دلِ زندہ کی جتنی داستانیں ہیں، ہماری ہیں
کتابِ عشق میں شامل ہیں جتنے باب، اپنے ہیں

مری آنکھوں نے رونے کو مجھے رکھا کراچی میں
نہ ہو پنجاب تو کیا غم مرے دو آب اپنے ہیں

جا کے پھر لوٹ جو آئے وہ زمانہ کیسا
تیری آنکھوں نے یہ چھیڑا ہے فسانہ کیسا

آنکھ سرشارِ تمنا ہے تُو وعدہ کرلے
چال کہتی ہے کہ اب لوٹ کے آنا کیسا

مجھ سے کہتا ہے کہ سائے کی طرح ساتھ ہیں ہم
یوں نہ ملنے کا نکالا ہے بہانہ کیسا

اس کا شکوہ تو نہیں ہے نہ ملے تم ہم سے
رنج اس کا ہے کہ تم نے ہمیں جانا کیسا

خود بھی سوچا تھا بہت اس نے بھی پوچھا تھا بہت
حال جب خود ہی نہ سمجھے تو سنانا کیسا

تجھ کو پانے کی ہوس تھی سُو کسے تھا معلوم
اپنے ہی آپ کو کھو بیٹھیں گے، پانا کیسا

Scanned by CamScanner

تیرے پیراہنِ رنگیں کی پھبن ہو جیسے
رنگِ دنیا مری آنکھوں میں سمایا کیسا

سائے کو سائے میں گم ہوتے تو دیکھا ہوگا
یہ بھی دیکھو کہ تمہیں ہم نے بھلایا کیسا

لوگ کہتے ہیں کہ دنیا میں ہے کیسا اندھیر
سوچتا میں ہوں کہ زلفوں کا ہے سایہ کیسا

تو نے گلزار کھلائے چمن آباد کیے
یہ تو سب کچھ ہے مگر عشق ہے تنہا کیسا

اپنی رفتار پہ آجائیں تو کیا موجِ ہوا
اور تھم جائیں تو ٹھہرا ہوا دریا کیسا

نقشِ لرزاں میں کوئی شکل ہے جانی بوجھی
شمع کی لو کا ہے دیوار پہ سایہ کیسا

Scanned by CamScanner

بجا یہ رونقِ محفل مگر کہاں ہیں وہ لوگ
یہاں جو اہلِ محبت کے جانشیں ہوں گے

کہاں سے آج مری روح میں چمک اٹھے
وہ تیرے دکھ جو تجھے یاد بھی نہیں ہوں گے

زمانہ گرمِ سفر ہے کہیں تو پائے گا
وہ دل جو مہر و محبت کی سرزمین ہوں گے

میں کر رہا ہوں تری چشم نم سے اندازہ
کہ آنے والے زمانے بہت حسیں ہوں گے

سلیم گھر سے نکل کر نہ جاؤ صحرا میں
ہوا کے راگ بہت درد آفریں ہوں گے

Scanned by CamScanner

دل تھا کہ لاکھ رنگ سے محوِ جمال تھا
یہ ان دنوں کی بات ہے جب بے خیال تھا

چپ چاپ دُکھ سے پُورنگہ کے تپاک میں
تُو جس کو پوچھتا ہے وہ میرا سوال تھا

وہ دن نہو کہ مجھ سے وفا ترک تُو کرے
اور میں کہوں کہ مجھ کو یہی احتمال تھا

تیرے کرم سے دُور یہ حالت نہ تھی سدا
وہ دن بھی تھے کہ دکھ مرے دل پر وبال تھا

کیوں ضبط اس قدر کہ لبوں پر وبال ہو
بوسے میں کیا دھرا ہے، وہ عجزِ سوال تھا

اس بیکراں سکوں میں جو رشکِ جنوں بنا
اک اضطراب تھا کہ بہ حدِ کمال تھا

Scanned by CamScanner

اس نے کہا سلیم ابھی پیار مت جتاؤ
مہکیں گے خود ہی پھول انہیں عطر مت لگاؤ

ہر لمحہ اک بہار نئی ہے نیا ہے پیار
بوسے تمام پچھلی بہاروں کے بھول جاؤ

موجِ گریز پا بھی ہے ساحل سے باوفا
پر مجھ سے کوئی عہد نہ لو، خود قسم نہ کھاؤ

یہ مت کہو کہ حُسن ترا لازوال ہے
ہے چودھویں کے چاند پہ اک رات کا بناؤ

میں، 'تم' یہ رات، ہائے کوئی جاوداں نہیں
جلدی سلیم پیار کرو، لفظ مت گنواؤ

Scanned by CamScanner

آج گو گردشِ دوراں سے ہیں مانندِ غبار
اک نئے عہدِ محبت کی بنا ہیں ہم تم

عشق کے پیرہنِ جاں میں مہک ہے اپنی
گو پریشاں ہیں مگر بوئے وفا ہیں ہم تم

نفس تازہ زمانے کو ملے گا ہم سے
جس سے تازہ ہوں دل وجاں وہ ہوائیں ہم تم

چونک اٹھا ہے زمانہ کہ سنا ہو جیسے
کسی بھولے ہوئے نغمے کی صدا ہیں ہم تم

لوگ گو کفر کہیں اپنا تو ایمان ہے یہ
ایک ہوجائیں اگر مل کے خدا ہیں ہم تم

Scanned by CamScanner

گلشن میں کہاں بہار آئی
چھوڑی ہے صبا نے یہ ہوائی

ہر برگ زبانِ التجا ہے
ہر پھول ہے کاسۂ گدائی

دامن بھی کہیں صبا نہ چھولے
اللہ رے کلی کی پارسائی

شبنم کا ہے آئینہ شکستہ
ہوتی نہیں گل کی رونمائی

سوسن نے زبان تک نہ کھولی
لٹتی رہی باغ کی کمائی

کچھ کم نہیں جرمِ چشم پوشی
نرگس نے نگاہ کیوں چرائی

سبزہ کو ملے چمن نکالا
کیوں گھر میں ہو غیر کی سمائی

بیگانوں کی طرح کچھ نہ بولا
سب بھول کے رسمِ آشنائی

سُن گُن بھی صبا نے لی نہ ہرگز
بنتی تھی بہار کی کھلائی

پہرے پہ کھڑے ہوئے تھے شمشاد
اوپر کی بلا کہاں سے آئی

کہکشاں اک ہجومِ شعلہ و شاں
چاند شہزادۂ سمن اندام
مشتری کو ملا ہے خلعتِ زر
زہرہ کہتی ہے، "اور مرا انعام؟"
حکم مریخ کو یہ پہونچا ہے
ہاتھ سے رکھ دے تیغِ خوں آشام
ہے عطارد حساب پر مامور
لکھتا جاتا ہے جمع و خرچ تمام
قطب کو حکم ہے ٹلے نہ کہیں
خواہ کتنا بھی ہو ضروری کام
دیدنی تھا شفق کی تزئیں سے
رات سے پہلے اہتمامِ شام
ڈوبتے آفتاب کو حسرت
"میں نہ جاؤں، یہیں رہوں اس شام!"
جاتے جاتے شفق بھی پوچھ گئی
"محفل خاص ہے کہ مجمع عام؟"

Scanned by CamScanner

تجھے یقین نہیں ہے مگر سن اے مری جاں
تری نظر سے ہے وابستہ میرے دل کا قرار

تجھے یقین نہیں ہے پہ اے سکونِ حیات
رہا ہوں تیرے لیے میں ازل سے سینہ فگار

تجھے یقین نہیں ہے پہ ایک عمر کے بعد
کھلا یہ راز کہ تجھ بن جیا ہوں میں بے کار

کھلا یہ راز کہ چاہا تجھی کو تھا میں نے
اگرچہ تجھ سے کیا میں نے بارہا انکار

تُو چند روز شرف دے کے ہمکلامی کا
بنادیا دلِ سوزاں کو خطہِ گلزار

سو چند روز جو ہمراہیوں میں گزرے ہیں
تمام عمر کروں گا انہی دنوں کا شمار

خدا کرے تری آنکھیں ہمیشہ ہنستی رہیں
خدا کرے چمنِ لب رہے یونہی گلبار

وہ آنکھ جو کبھی اٹھتی نہیں ہے میری طرف
رہوں گا اس کے تصور سے عمر بھر سرشار

وہ لب جنہیں میں تصور میں چھو نہیں سکتا
رہوں گا ان کے تصور سے عمر بھر میخوار

Scanned by CamScanner

تمام عمر ترے خواب ہی میں گزرے گی
تمام عمر رہوں گا ترے لیے بیدار

تمام عمر دہکتی رہے گی روح میں آگ
تمام عمر نہ آئے گا دل کو صبر و قرار

خدا کرے مرے غم کا اثر نہ تجھ پہ پڑے
ہزار ہوں مرے جیسے ترے سکوں پہ نثار

Scanned by CamScanner

دیکھ کر پہلے پہل تجھ کو عجب عالم ہوا
ان دنوں حساس بھی تھا دل بہت معصوم بھی

مجھ سے بڑھ کر کون خوش ہوگا کہ تو میرا ہُوا
کوئی اندر سے یہ کہتا ہے رہو مغموم بھی

کب تلک الجھے ہوئے دھاگوں کو سلجھاتا رہوں
زندگی دی ہے تو دے اس کو کوئی مفہوم بھی

مجھ سے بیگانہ رہا، تنہائیوں کے دکھ سہے
حُسنِ بے پروا ترا ظالم بھی ہے مظلوم بھی

خندۂ گُل سب نے دیکھا، زخمِ گُل دیکھے گا کون
تم ہی کہہ دو حالِ دل ہے کچھ تمھیں معلوم بھی

Scanned by CamScanner

درکار اک حسین ہے جو پارسا بھی ہو
کھل کھیلنے میں طاق بھی ہو باحیا بھی ہو

ویسے تو یوں رہے کہ تعلق نہ واسطہ
لیکن نظر چرا کے ہمیں دیکھتا بھی ہو

ہر چند ناز و غمزہ پہ مائل نہ ہو مگر
ڈھب دل کو مار رکھنے کے سب جانتا بھی ہو

کچھ سادگی مزاج میں ہو، کچھ بناؤ بھی
بھولا لگے مگر ذرا چیتا ہوا بھی ہو

دن رات کی تمیز اٹھا دے جب آ ملے
پھر ان میں امتیاز کرے اور جُدا بھی ہو

وہ سب صفات ہوں جو حسینوں میں عام ہیں
اور پھر بطور خاص کچھ اُن کے سوا بھی ہو

ایسا تو ایک یارِ خداداد ہو سلیم
پھر وہ ہزار جان سے ہم پر فدا بھی ہو

Scanned by CamScanner

فیضِ موسم ہے کہ دُزدیدہ نگاہی کا اثر
یہ جو اک مستی سی میرے خون میں صہبا کی ہے

حُسن سر تا پا کرم ہے اپنے دل کو کیا کروں
دل کے ہاتھوں تجھ پہ تہمت رنجشِ بیجا کی ہے

میں پرستار آئینہ کا ہوں کہ تُو ہے خود پرست
لوگ کہتے ہیں بہت خواہش مجھے دنیا کی ہے

کیسی لالچ، کیا قناعت آج میری روح میں
تشنگی صحرا کی ہے آسودگی دریا کی ہے

Scanned by CamScanner

حُسن ہے ایک محفلِ خنداں
عشق اک کاروانِ نوحہ گراں

میں ہوں ساحل کی طرح افتادہ
ہے تری موجِ اِلتفات کہاں

اجنبی ہوں دیارِ غربت میں
زندگی انتظارِ ہم نفساں

جانے کن منزلوں میں لے آیا
مجھ کو اک کاروانِ عمرِ رواں

تو نہ سمجھے مرے سکوت کی بات
میں نہ جانوں ترے جہاں کی زباں

آسماں صد ہزار آنکھوں سے
کس کی جانب ازل سے ہے نگراں

وہ بھی تھے جن کی تشنہ کامی کو
راس آیا ہجومِ شُعلہ رخاں

میں نہیں اِلتفات کے قابل
اے مرے سوزِ حسرتِ پنہاں

دل پہ کیا کیا گھٹا برستی ہے
آج ہے کون اس طرف نگراں

داستانیں بنا گیا کیا کیا
میرا الجھا ہوا سا طرزِ بیاں

عشق ہے انتظارِ صُبحِ ابد
حُسن ہے ایک عالمِ اِمکاں

Scanned by CamScanner

زور اتنا بھی عبث فکرِ پریشاں باندھا
بیتِ ابرو کو فقط مطلعِ دیواں باندھا

یہ نہ لکھا کہ نہیں حُسن کا روکش کوئی
مفت میں آئینے کو دیدۂ حیراں باندھا

اس پہ جھومے ہیں کہ زلفوں کو گھٹائیں لکھا
اس پہ پھولے ہیں کہ لب کو گلِ خنداں باندھا

جیسے تازہ ہی رہے گی گل مضموں کی بہار
اِس تکلف سے ترے رخ کو گلستاں باندھا

ایسے چلتے ہوئے مضموں پہ کیا نازِ سخن
قدِ بالا کو ترے سرو خراماں باندھا

یادِ رخ سے نہ گیا جاتے ہوئے وقت کا غم
بہتے پانی پہ عبث نقشِ گلستاں باندھا

حرم و دَیر پہ تاریک گھٹائیں چھائیں
تارِ گیسو سے دِل گبرو مسلماں باندھا

حاصلِ عمر مرا نیم نگاہی اس کی
سعی بے حدا سے اچٹتا ہوا پیکاں باندھا

عہد یہ دل سے کیا تھا کہ نہ چاہیں گے انہیں
عہد کو توڑ کے پھر اک نیا پیماں باندھا

Scanned by CamScanner

شاخِ بے رنگئ مطلق سے جسے دل کہیے
چند گل توڑ کے گلدستۂ امکاں باندھا

خود نمائی بھی رہی عجزِ وفا میں شامل
سر پہ دستار کی صورت ترا احساں باندھا

عشق کے بازوئے قدرت میں ہے کس بَل، کس کا
رسنِ جادۂ وحشت سے بیاباں باندھا

Scanned by CamScanner

متفرق اشعار

اشعار کا چسکا ہے سبب ترکِ عمل کا
پڑھوائیں ہوس کو کوئی دیوان غزل کا

عشق کے نام پہ کب ہم نے اٹھایا گھاٹا
صبح تک بھول گئے رات کا چوما چاٹا

وہ دن گئے جب خیر سے تھا شوقِ نگارش
اب اپنی غزل گوئی ہے جذبات کی خارش

ہم نے اے ملکۂ دل تجھ سے چھپا رکھا ہے
اپنے سینے میں جو آباد ہے چاکیواڑہ

Scanned by CamScanner

تاج کانٹوں کا پہن کر سنگ و آہن جھیل کر
حضرتِ دل آئے ہیں الفت کا ناٹک کھیل کر

ہمیں پودا سمجھ رکھا ہے قومی باغبانوں نے
کہ ہر موسم میں خوشخبری سناتے ہیں بہاروں کی

وہ انساں ہیں مگر ہے شوق ان کو شمع بننے کا
سو ہم بھی ایک شب ان کو شبستاں میں سجالینگے

ہے چوٹ برابر کی ہوس اور وفا میں
دیکھیں تو سہی آپ یہ جذبات کا دنگل

قدم قدم پہ گنہ سے ہمیں ڈراتے ہیں
میاں ضمیر ہیں گویا خدا کے ٹھیکے دار

ہمارے خون سے پل کر سماج کے گن گائے
سلیم میں تو کہوں گا ضمیر کو غدار

Scanned by CamScanner

دل ہے شاید درد سے خالی سلیم
آپ کا لہجہ بہت غمناک ہے

عشق میں اور تو کیا ہونا تھا
ایک مجموعہ کی تالیف ہوئی

وہ نہ سمجھے ہزار سمجھایا
روح اور جسم کچھ جدا تو نہیں

ریاکاری لبوں نے سیکھ لی ہے
کوئی حالت ہو یہ ہنستے رہیں گے

سو جتن سے بھی مرض جاتا نہیں
شاعری اپنے لیے سوزاک ہے

جنہیں کل عشق بننا ہے وہ جذبے
نظر کی رشوتوں پر پل رہے ہیں

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

اِنتساب

طاہرہ بیٹی کے نام

Scanned by CamScanner

وہ دن جو بیت گئے، زندگی کا حاصل تھے

یکم ستمبر ۱۹۸۳ء کی شام کو، جب سلیم احمد کے جسد خاکی کو زیر زمین آرام کرنے کے لیے قبر میں اتارا جارہا تھا تو معاً میں نے محسوس کیا کہ ماضی کے دریچے کھل گئے ہیں اور گزرے دنوں کے منظر ایک ایک کر کے تیزی کے ساتھ نظروں کے سامنے آرہے ہیں۔ میں نے اور سلیم احمد نے اپنے ادبی سفر کا آغاز میرٹھ نامی بستی میں کم و بیش ایک ساتھ کیا تھا۔ میرٹھ جس کی طویل تاریخ ماضی کے دھندلکوں میں گم ہے، میرٹھ جہاں راون کی سسرال تھی۔ میرٹھ جسے اندر پرسٹھ کی تعمیر کے صلے میں پانڈوؤں کے سب سے بڑے بھائی یدھسٹر نے، ماہی نامی معمار کو جاگیر کے طور پر دیا تھا اور جہاں اس نے اپنا محل تعمیر کیا تھا۔ اس محل کے آثار آج تک اندر کوٹ نامی محلے میں پائے جاتے ہیں۔ جاٹوں کی روایت کے مطابق یہاں مہاراٹھ گوت آباد تھی اور یہی مہاراٹھ بگڑ کر میرٹھ ہوگیا۔ آج بھی اس پورے علاقے میں جاٹ کثرت سے آباد ہیں۔ یہ وہی میرٹھ ہے جو اس زمانے میں غزنویوں کی سلطنت میں شامل تھا، جب لاہور ان کا دارالحکومت تھا۔ فتح دہلی کے بعد قطب الدین ایبک نے غیاث الدین بلبن کو میرٹھ کا حاکم مقرر کیا تھا جس کی ایک مسجد کے آثار گڑھ مکھنیشر میں آج بھی موجود ہیں۔ اسی میرٹھ میں میری اور سلیم احمد کی ملاقات ہوئی۔ ہم دونوں فرسٹ ائیر کے طالب علم تھے اور ادب کی دنیا میں کچھ کر گزرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔ دن رات یہی

Scanned by CamScanner

اوڑھنا بچھونا تھا۔ یہی موضوعِ سخن تھا اور یہی مقصدِ زندگی تھا۔ ہم دونوں نئی نئی کتابیں پڑھتے، تبادلہ خیال کرتے اور گھنٹوں انہی مسائل میں گم رہتے تھے۔ سلیم احمد اس وقت میرٹھ کے نوجوان شعراء میں سب سے ممتاز تھے۔ ہنرؔ تخلص کرتے تھے اور اقبال کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ "دائرہ ادبیہ" کے ایک جلسے میں جو ہر ہفتے فیضِ عام کالج میں ہوتا تھا، سلیم احمد نے ایک نظم سنائی جس کا ٹیپ کا مصرع "انقلاب، اے انقلاب، اے انقلاب" تھا۔ یہ نظم اتنی پسند کی گئی تھی کہ ساری محفل مجسم واہ واہ، سبحان اللہ بن کر رہ گئی تھی۔ مجھے یاد ہے کہ "دائرہ ادبیہ" کے ایک اور جلسے میں سلیم احمد نے جب ایک غزل سنائی تو لوگ حیرت زدہ رہ گئے اور اس شعر پر تو وہ بے ساختہ داد ملی کہ آج بھی وہ آوازیں میرے وجود کا حصہ ہیں:

زمین والوں کی مشکلوں کو سمجھ سکیں گے نہ عرش والے
کہ آسماں سے زمیں کے اوپر نگاہ پڑتی ہے طائرانہ

اس زمانے میں سلیم احمد اور میں بے قرار روحوں کی طرح سارے میرٹھ شہر کے گلی کوچوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ میرٹھ کالج کے ہوسٹل سے بھیا وحید الدین کی لال کوٹھی تک، وہاں سے بیگم پل، خیر نگر، کمبوہ دروازہ، رشید چائے والے کی دکان، کبھی کوٹھی جنت نشان کی طرف، کبھی نواب اسماعیل خاں کی کوٹھی کی طرف، کبھی رزمی صدیقی کے ہاں پُروا فیاض علی، جہاں لیلیٰ مجنوں والے ماسٹر روبی سے ملاقات ہوتی اور اکثر بھینسالی گراؤنڈ اور نادر علی بلڈنگ جہاں حکیم فرخ آبادی کا مطب تھا اور جہاں سلیم احمد کا گھر بھی تھا۔ کبھی سی پٹ بازار یا ویلی بازار سے ہوتے گزری سے گزرتے قاری محمد یونس کے گھر۔ اس تمام عرصے میں کسی نہ کسی ادبی موضوع پر گفتگو ہوتی رہتی اور یوں معلوم ہوتا کہ ہم جلد ہی کائنات کے رازہائے سربستہ دریافت کر لیں گے۔ اسی اثناء میں کام کے منصوبے بنتے، نئی تحریروں پر بات ہوتی۔

گرمیوں کے موسم میں ہم جہاں سے گزرتے، چنبیلی، موتیا اور بیلے کی خوشبوؤں سے گلی کوچے مہکے ہوتے۔ چاندنی راتوں میں رات کی رانی کی مہک قدم قدم پر تازہ دم کرتی۔ یہ خوشبوئیں آج بھی مشامِ جاں کو معطر کیے ہوئے ہیں۔ ادب اور شعر و شاعری اس شہر کی روح میں اسی طرح شامل

Scanned by CamScanner

تھے، جس طرح زر پرستی آج ہماری روح میں شامل ہے۔ اسی ادب پرور ماحول اور اسی تخلیقی فضا کا اثر تھا کہ فرزندانِ میرٹھ نے اردو ادب میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آج ان کے نام تاریخ ادب کا حصہ ہیں۔ اسماعیل میرٹھی، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر خلیق احمد نظامی، پروفیسر کرار حسین، انتظار حسین سلیم احمد، شمیم احمد، عالمتاب تشنہ، احمد ہمدانی، امید فاضلی، قیصر زیدی، ڈاکٹر صفدر حسین، حفیظ میرٹھی، نخشب جارچوی، بوم میرٹھی، حامد اللہ افسر، ساغر نظامی، ندرت میرٹھی وہ چند نام ہیں جن کے کاموں سے ہم سب واقف ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ اپنی زندگی کے اسی زمانے میں سلیم احمد اور میں روز ایک افسانہ لکھتے۔ کبھی کرشن چندر کے رنگ میں، کبھی عصمت چغتائی، منٹو کے رنگ میں اور کبھی ناصر علی دہلوی کے رنگ میں ادبِ لطیف تخلیق کرتے۔ روزانہ شام کو سڑکوں پر بے مقصد گھومتے ہوئے کسی پیڑ کے نیچے یا کمپنی باغ کے سرسبز و شاداب لان پر بیٹھ کر اپنے اپنے افسانے پڑھتے، اُن پر تبادلہ خیال کرتے اور اگلے افسانے کی تیاری میں لگ جاتے۔ دو تین سال کے عرصے میں ہم نے سینکڑوں افسانے لکھے اور بے شمار کتابیں پڑھیں۔ اس کاوش سے لکھنے کی مشق ہو گئی اور ادب کا ذوق سنور گیا۔

سلیم احمد کی وفات نے ماضی کے نہاں خانے میں جو دریچہ کھولا ہے، اس سے یادوں کی برات اتر آئی ہے۔ بہت سے دھواں دھواں چہرے صاف نظر آ رہے ہیں۔ گم شدہ واقعات کے سرے دوبارہ ہاتھ آ گئے ہیں۔ اسی زمانے میں تحریک پاکستان نے زور پکڑا۔ سلیم احمد نے خاکساروں کا بیلچہ سنبھال لیا اور میں لیاقت علی خاں کے الیکشن میں مصروف ہو کر قرب و جوار کے گاؤں دیہات کے دوروں پر نکل گیا۔ اس دور میں تصورِ پاکستان نے ادب کی جگہ لے لی تھی۔ میں نے ایک پمفلٹ لکھا جس میں دو قومی نظریے کی وضاحت کے ساتھ پاکستان کی معاشی خوشحالی کو بیان کیا گیا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بن گیا اور ہم میرٹھ سے بچھڑ کے جب دوبارہ ملے تو کراچی میں تھے۔ وہ کراچی جو پاکستان کی شہ رگ ہے۔ جہاں ہم نے اپنی تعلیم پوری کی اور زندگی کا باقاعدہ آغاز کیا اور وہ بنے جو آج ہم نظر آتے ہیں۔

سلیم احمد اب ہم میں نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنا سفر ہم سب سے پہلے طے کر لیا۔ میرٹھ میں

Scanned by CamScanner

تھے، جس طرح زر پرستی آج ہماری روح میں شامل ہے۔ اسی ادب پرور ماحول اور اسی تخلیقی فضا کا اثر تھا کہ فرزندانِ میرٹھ نے اردو ادب میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ آج ان کے نام تاریخ ادب کا حصہ ہیں۔ اسماعیل میرٹھی، محمد حسن عسکری، ڈاکٹر شوکت سبزواری، پروفیسر خلیق احمد نظامی، پروفیسر کرار حسین، انتظار حسین سلیم احمد، شمیم احمد، عالمتاب تشنہ، احمد ہمدانی، امید فاضلی، قیصر زیدی، ڈاکٹر صفدر حسین، حفیظ میرٹھی، نخشب جارچوی، بوم میرٹھی، حامد اللہ افسر، ساغر نظامی، ندرت میرٹھی وہ چند نام ہیں جن کے کاموں سے ہم سب واقف ہیں۔

مجھے یاد ہے کہ اپنی زندگی کے اسی زمانے میں سلیم احمد اور میں روز ایک افسانہ لکھتے۔ کبھی کرشن چندر کے رنگ میں، کبھی عصمت چغتائی، منٹو کے رنگ میں اور کبھی ناصر علی دہلوی کے رنگ میں ادبِ لطیف تخلیق کرتے۔ روزانہ شام کو سڑکوں پر بے مقصد گھومتے ہوئے کسی پیڑ کے نیچے یا کمپنی باغ کے سرسبز و شاداب لان پر بیٹھ کر اپنے اپنے افسانے پڑھتے، اُن پر تبادلۂ خیال کرتے اور اگلے افسانے کی تیاری میں لگ جاتے۔ دو تین سال کے عرصے میں ہم نے سینکڑوں افسانے لکھے اور بے شمار کتابیں پڑھیں۔ اس کاوش سے لکھنے کی مشق ہو گئی اور ادب کا ذوق سنور گیا۔

سلیم احمد کی وفات نے ماضی کے نہاں خانے میں جو دریچہ کھولا ہے، اس سے یادوں کی برات اتر آئی ہے۔ بہت سے دھواں دھواں چہرے صاف نظر آ رہے ہیں۔ گم شدہ واقعات کے سرے دوبارہ ہاتھ آ گئے ہیں۔ اسی زمانے میں تحریک پاکستان نے زور پکڑا۔ سلیم احمد نے خاکساروں کا بیلچہ سنبھال لیا اور میں لیاقت علی خاں کے الیکشن میں مصروف ہو کر قرب و جوار کے گاؤں دیہات کے دوروں پر نکل گیا۔ اس دور میں تصورِ پاکستان نے ادب کی جگہ لے لی تھی۔ میں نے ایک پمفلٹ لکھا جس میں دو قومی نظریے کی وضاحت کے ساتھ پاکستان کی معاشی خوشحالی کو بیان کیا گیا تھا۔ پھر یہ ہوا کہ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان بن گیا اور ہم میرٹھ سے بچھڑ کے جب دوبارہ ملے تو کراچی میں تھے۔ وہ کراچی جو پاکستان کی شہ رگ ہے۔ جہاں ہم نے اپنی تعلیم پوری کی اور زندگی کا باقاعدہ آغاز کیا اور وہ بنے جو آج ہم نظر آتے ہیں۔

سلیم احمد اب ہم میں نہیں ہیں۔ انہوں نے اپنا سفر ہم سب سے پہلے طے کر لیا۔ میرٹھ میں

Scanned by CamScanner

بھی وہ مقبول اور ہر دل عزیز تھے اور کراچی میں بھی وہ سارے شہر کے محبوب تھے۔ زندگی ہی میں برادرم مظہر یوسف صاحب نے کہا تھا کہ وہ ان کا مجموعۂ کلام شائع کریں گے، لیکن کسے معلوم تھا کہ وہ کام، جس کا آغاز مظہر یوسف صاحب نے سلیم احمد کی زندگی میں کیا تھا، ان کی وفات کے بعد پورا ہوگا۔ اکائی "تنظیمِ احبابِ میرٹھ" کی طرف سے شائع کی جا رہی ہے، لیکن دامے، درمے، قدمے اس کی اشاعت کا سہرا مظہر یوسف صاحب کے سر ہے۔ "تنظیمِ احباب میرٹھ" دراصل میرٹھ کالج اور فیضِ عام کالج کے ان سابق طلبہ کی ویسی ہی ایک انجمن ہے جیسی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اولڈ بوائز ایسوسی ایشن ہے۔ یہ ایک ثقافتی انجمن ہے جو علم و ادب اور تعلیم و تہذیب کی اس شمع کو روشن رکھنا چاہتی ہے جو ہمیشہ سے فرزندانِ میرٹھ کا طرۂ امتیاز رہا ہے تاکہ یہ روشنی اسی طرح پاکستان کے در و بام کو بھی منور کرتی رہے جس طرح کبھی میرٹھ کے در و بام کو روشن کرتی تھی۔

سلیم احمد کا تخلیقی سفر جو میرٹھ میں شروع ہوا تھا، کراچی میں اس وقت انجام کو پہنچا جب ان کی تخلیقی قوت اپنے شباب پر تھی۔ سلیم احمد نے شاعری میں، ڈرامے میں، فکر و تنقید میں، صحافت میں وہ کارنامے انجام دیے ہیں جن کا اثر عہدِ حاضر پر گہرا پڑا ہے اور جن کا رشتہ آنے والے زمانے سے بھی گہرا ہے۔ "اکائی" سلیم احمد کی شاعری کا ایک اہم مجموعہ ہے جس میں ان کی غزل کا منفرد لہجہ اور آہنگ و اسلوب متعین ہو جاتا ہے۔ یہ وہ مخصوص لہجہ ہے جس نے غزل کی روایت میں اضافہ کیا ہے اور جو تاریخِ غزل میں سلیم احمد کی پہچان ہے۔

"اکائی" کی اشاعت پر میں "تنظیمِ احباب میرٹھ" کے سب اراکین کو فرداً فرداً مبارک باد دیتا ہوں۔ "اکائی" کی اشاعت سے دراصل انہوں نے اس روایت کا آغاز کیا ہے جو نہ صرف ان کا عظیم ورثہ ہے بلکہ انہیں ہمیشہ سے عزیز بھی رہی ہے۔

۱۲ دسمبر ۱۹۸۴ء

ڈاکٹر جمیل جالبی

Scanned by CamScanner

شیروانی کے بٹن سے خاک لالہ و گل تک

سلیم احمد کی غزل گوئی میں شیروانی کے بٹن سے خاکِ لالہ و گل تک کئی نوع کی پیکاریں کئی سمتوں کی جستجو، اضطراب و سکون کے دائرے کسی ایک نکتہ سے مراجعت کا گمان کسی ایک اٹھتے ہوئے اگلے قدم کے احساس کے مراحل پے در پے ملتے ہیں۔ وہ اس دور جدید کے پر مغز بالغ اور بے تاب غزل گو ہیں جو روایات و جدت فکر کو اپنے کمال فن میں سمیٹ سکتے ہیں

عشق اور اتنا مہذّب چھوڑ کر دیوانہ پن
بند اوپر سے تلے تک شیروانی کے بٹن

اردو کا جدید ادب عہد فرنگ کے آغاز سے اس کے انجام بخیر تک کا پیدا کردہ ہے۔ اس دور نے ہمارے معاشرے میں، ہماری نفسیات میں، ہماری نامیاتی اور سیاسی زندگی میں بے شمارے تغیرات برپا کیے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں از سر نو اپنے تاریخی شعور کو اپنے معاشرتی ادراک کو بار بار نئی کسوٹیوں پر پرکھنا پڑا۔ اس امتحان میں شکست و ریخت کے جن لرزہ خیز ہنگاموں سے گزرنا پڑا، وہ آزادی کے پینتیس سال بعد بھی ہمارے لیے ایک سانحے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان ساری تہذیبی مناسبتوں کے بدلنے کا اولین احساس یوں تو غالبؔ کے یہاں پہلے بھی ملے گا، مگر غالبؔ کے یہاں اس کی وضاحت ہے۔ کمشنر صاحب بہادر سے لے کر ملکہ وکٹوریہ کے قصائد تک تو غالبؔ کا فریضہ رزق تھا، مگر

Scanned by CamScanner

سر سید احمد خاں کی کتاب پر تقریظ میں یہ کہنا کہ صاحبانِ انگلستان را نگر۔ تغیر کا ایک صاف اشارہ تھا۔ یہ تغیر کئی معرکوں سے ہوتا ہوا فکری محاذ پر پورے عروج میں اقبال کے ہاں ملتا ہے۔ اقبال کی بانگ درا سے لے کر پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق تک پوری توانائی، جلال و عظمت سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، وہی ہمارا سرمایہ ہے۔

بات یہ ہے کہ اشیائے محرک و جامد، صدیوں کے جماؤ سے ایک ہی چکر میں لگی رہتی ہیں۔ جب وہ دائرہ ٹوٹتا ہے تو معاشرتی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ذہن کا سارا ساز و سامان بدل جاتا ہے۔ تمدن اور تہذیب کے ایک قوس سے نکل کر انسانی ذہن جب جستجو کا نیا رخ اختیار کرتا ہے تو نئی تہذیبی قدریں، نظام فکر، نئے تجربات کی بنا پر چیزوں کو دیکھنے کا انداز بدل جاتا ہے۔ اس کی بدلتی ہوئی ماہیت نئی حرارتوں سے منسلک ہوتی ہے۔ وہی ایک جغرافیائی حدود میں پرورش پانے والی روایت جو ذہن کو یکے بعد دیگرے نسل در نسل روکے ہوئے تھی، ایک ٹھہراؤ پیدا کیے ہوئے تھی، نئی ہواؤں نئے اجزاء کی آنچ سے ایک اور قالب ڈھونڈنے لگتی ہے۔ موضوعِ سخن بدلنے لگتا ہے۔ لب و لہجہ کچھ اور ہو جاتا ہے۔ دوسرے شعبہ ہائے فکر کی بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔ صرف مشرق کی سب سے زیادہ معروف صنفِ سخن غزل کو ہی لیجئے، جس کا دورِ اول ہماری روایات شعری میں عہدِ غلاماں سے عہدِ عالمگیری تک آیا۔ خسرو، نظیری، عرفی، فیضی اور کئی اساتذۂ سخن (آخری فارسی گویانِ ہند غالب، شبلی اور اقبال) عہدِ عالمگیری جب بکھرنے لگا اور خلفشار ہر مد میں جاری و ساری تھا تو پہلی بار یہ شعور جاگ اٹھا کہ فارسی ہمارے احساسات، ہمارے ذہنی کرب کا ساتھ نہیں دے رہی۔ ہم کسی دوسری زبان میں کراہ رہے ہیں، فریاد کر رہے ہیں، ہمیں نئے سانچوں کی ضرورت ہے۔ اس انتشار کے نشاط و غم کے مساوی ایک نئی زبان، ایک نئے محاورے کی تلاش، جو عوام میں پیدا ہو کر شرفاء کا امتیاز ہو گئی۔ زندگی اپنے وجود کا نیا اعتراف چاہتی تھی۔ میر اور میر کے دور میں دو بڑے کام ہوئے۔ ایک یہ کہ ساری تبدیلیوں کو جو ایک جان لیوا کرب میں لپٹی ہوئی تھیں، زبان و بیان کا ایک نیا قالب ملا جو ہماری شعری روایات بن گیا۔ دوسرے یہ کہ بڑے شعراء نے نجی، ذاتی، سماجی، نفسیاتی تجربوں کی گہرائی میں صداقتوں کا ایک سلسلہ قائم کر کے نئے آنے والوں کے تجربات کے لیے ایک راہ، ایک جان کاری کے در کھول دیئے۔

Scanned by CamScanner

فارسی سے اردو غزل کی طرف آنا ایک معاشرتی ضرورت تھی۔ دانتے نے "ڈوائن کمیڈی" لکھی تو اس کو کہنا پڑا کہ میں اپنے خیالات کے لیے Vulgar زبان استعمال کر رہا ہوں۔ لاطینی عوام سے دور ہو چکی تھی۔ میر صاحب نے "ذکرِ میر" تو فارسی میں لکھی، مگر درد و غم جمع کیے تو دیوان اردو ہی میں لکھا۔ شاعری میں معاشرتی ضرورت بنیادی بات ہے۔ اردو غزل میرؔ و سوداؔ، آتشؔ و ناسخؔ، غالبؔ و ذوقؔ، مومنؔ، دردؔ، انشاءؔ، مصحفیؔ، داغؔ و میرؔ، جلالؔ و امیرؔ سے ہوتی ہوئی حسرت موہانی تک پہنچی۔ یہ سفر تھکا دینے والا تھا۔ تھک جانے کو ہمارے نقاد، زبان و بیان پر طنز اور اعتراض سمجھیں گے مگر Inertia ست پیاں فسردگی ذہن کے بے سکت ہونے پر محمول ہوتی ہے۔ بڑے انقلابات تھے۔ ان کو سمیٹنے کی طاقت کی آزمائش الگ تھی۔ غزل کے اس رچاؤ میں نئے شعور کی تازگی لے کر یگانہ اور فراقؔ آئے۔

۱۸۵۷ء سے اب تک مشرقی مفکرین کے ساتھ جان اسٹیورٹ مل، لاک، ہیوم ہیگل، کانٹ تا عہد حاضر، ہر نام کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔ ادھر ادب میں براؤننگ سے ایلیٹ تک، بودلیر سے لوئی آراگون تک انگریزی، فرانسیسی، اطالوی، ہسپانوی ادب کے پارکھی اور قاری موجود ہیں۔ بہر کیف ہر فکری موڑ پر ایک نیا ذہن پیدا ہوتا ہے۔ فراقؔ کا ذہن نیا تھا، فیض کا ذہن نیا تھا، راشدؔ کا ذہن نیا تھا۔ بنیادی بات ایک نئے عہد کی آمد اور اس کی قدروں کی پیکار میں مبتلا معاشرے کی ہوتی ہے اور جس کے کام میں یہ ساری جھلکیاں ہوں، اس کا ذہن نیا ہوتا ہے۔ سلیم احمد کا ذہن نیا ہے۔ اس میں جو اضطراب و جستجو ہے، وہ خواہ تنقید ہو یا تمثیل ہو، گفتگو ہو یا شعر ہو، اس میں کسی چیز کے پانے کا شدید کرب موجود ہے۔ ہو سکتا ہے کہ منظر ان کی آنکھ کو پتھر کر دیتا ہو، مگر یہ لہر کہ یہ سب کیا ہے او رکیوں ہے؟ ان کے کلام میں آپ کو برابر ملے گی۔

سلیم احمد کی غزل کا اعتبار اس میں ہے کہ وہ خود چپ چاپ کڑی جھیل کے جذبات کو ایسے سانچے میں ڈھال دیں جو پورے سماج کی سمجھ کے برابر ہو، اس کام کی نیو ذرا گہری ہوتی ہے۔ اس کی شرط یہ ہے کہ غزل کے فن کی تہوں میں جہاں پورے سماج کی سمجھ نتھر کر جمع ہو رہی ہو، اس سوتے کی خبر غزل گو رکھتا ہو اور سلیم احمد اس سے آشنا تھے۔ آزمائش یہ ہوتی ہے کہ کیا وہ ساری اُلجھنیں جو معاشی، سیاسی اور تہذیبی بکھراؤ کی اڑتی ہوئی دھول لے کر فکر کے گھیرے میں داخل ہو رہی ہیں،

Scanned by CamScanner

اس کے بس کی ہیں۔ منہ زور ہوا کے لگا تار وار میں ڈھال تو الفاظ ہی ہوتے ہیں۔ اگر شاعر ان کی پرکھ نہ رکھتا ہو اور یہ بھی چاہے کہ اپنے زمانے کی نبض پر اس کا ہاتھ ہو تو اس کے جذبے اس کی فکر اور اس کے الفاظ کا سر چشمہ ایک ہی ہونا چاہیے۔ اس کسوٹی پر سلیم احمد کی غزل زمین سے ابلتے ہوئے سوتے کی طرح اپنی لہر میں مسلسل تازگی رکھتی ہے۔ اس کی حرارت ''اکائی'' میں متوازن ہے۔ میں ان کی شخصیت کے کئی پہلوؤں پر بات کر سکتا ہوں، مگر موضوعِ سخن ان کا ذہن اور ان کی غزل ہے۔

سلیم احمد کی غزل جذباتی غزل گوئی سے انحراف ہے۔ غم و غصہ میں معاشرے پر طنز ضرور ہے مگر اس کی بنیاد بھی ایک معیارِ زندگی کی طلب ہے۔ ان کی غزل کچھ سوالات، کچھ زیرِ لب جوابات اور اندیشوں کی غزل ہے۔ یہ سارے سوالات اور اندیشے وہی ہیں جو نظم و نثر میں آج کی دنیا میں اٹھائے جا رہے ہیں۔ انہوں نے بھی تیس بتیس سال اردو کی ادبی زندگی کی منجدھار میں رہ کر گزارے ہیں اور ایسی تائیدی اور تنقیدی ہواؤں میں ان کی غزل اپنا رخ بدلتی رہی:

مجھے سمیٹو تو میرے اندر نئے معانی ہیں نقش بستہ
کتابِ خود آگہی ہوں لیکن ورق ورق بکھر گیا ہوں میں

مجھ کو بے تابیوں میں سکوں کب ملا، جلتی آنکھیں ہیں بیداریوں کا صلہ
عمر اس کی تلاش و طلب میں کٹی، ایک دنیا نظر آئی تھی خواب میں

خود اپنی ذات میں پیکارِ کفر و دیں ہوں میں
گماں ہوں وہم ہوں تشکیک ہوں یقیں ہوں میں

زہر ہے میرے جام میں ہونٹوں پہ آ گئی ہے جاں
ذائقہ حیات سے اینٹھ گئی مری زباں

جانکاہیوں میں عمر کو اپنی بسر کیا
جینا کہ عیبِ عشق تھا ہم نے ہنر کیا

صرف اس ردیف کو دیکھئے جو سماجی شعور کی پوری اشاریت رکھتی ہے۔ ان کی بے تاب روح

Scanned by CamScanner

حالات مقابلے کے لیے ہمیشہ تڑپتی رہتی۔ غالباً یہ اِس صدی کا مقدر ہے اور ایسی معرکہ آرائیوں کا مرکز اب نیم بیدار مشرق، مغرب سے زیادہ ہے۔ عہد حاضر کے انسان کی دیومالا کا اہم ترین باب اس کے ذہن کی آزادنہ جستجو کی صلاحیت ہے۔ یہی نئے انسان یا نئے ذہن کی متھ Myth ہے اور اس جگہ یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے۔ کہ غنودگی اور خواب کے علاقوں کے ادھر جو ہوا سر پٹکتی رہی، اس کی مدت تین چار سو سال ہے۔ اس مدت میں تہذیب حاضر تک پہنچا ہوا یہ اضطراب ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ہوا یہ کہ جب گیلیلیو نے یہ کہا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نکالا گیا کہ انسان ایک نئی آگہی کے لیے اپنی روح تک گرو رکھنے کو تیار ہے۔ یہ دور بھی ایک ایسی عہد آفریں مساوات E=mc2 کا ہے۔ وہی فاؤسٹ والا قصہ نکل آیا۔ چونکہ سلیم احمد خود بہت اچھے ڈرامہ نگار ہیں۔ ان کی غزلیں دیکھتے ہوئے عہد حاضر کے اضطراب کی معرفت سے میرے ذہن میں سولہویں صدی کا ایک ڈرامہ سامنے آگیا ہے۔ ڈرامہ ہے:

"The Tragical History of Life and Death of Dr. Faustus."

ڈرامہ نگار ہے، کرسٹفر مارلو۔ منظر ہے:

انسان ساری کائنات کو اپنے نئے اوزاروں سے پرکھ رہا ہے۔

فاؤسٹ کہتا ہے:

"ایک دنیائے سود مند شادماں
طاقت آبروئے نام اور بے کراں اختیارات کی
جانفشاں ہنرمندوں کا انعام ہے!
وہ ساری چیزیں جو قطبین کے درمیان گرم رفتار ہیں
اب میری دسترس میں ہے، بادشاہوں اور شہنشاہوں کی حکمرانی
ان کے علاقوں تک ہوتی ہے، مگر اس کا دائرہ اختیار ان علاقوں سے کہیں زیادہ
اس کی سرحد وہاں تک جاتی ہیں، جہاں انسانی ذہن مصروفِ کار ہے۔"

ہماری صدی اور اس کا اضطراب بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ گوئٹے اور اقبال نے اپنے اپنے رنگ میں

Scanned by CamScanner

حالات مقابلے کے لیے ہمیشہ تڑپتی رہتی۔ غالباً یہ اس صدی کا مقدر ہے اور ایسی معرکہ آرائیوں کا مرکز اب نیم بیدار مشرق، مغرب سے زیادہ ہے۔ عہد حاضر کے انسان کی دیومالا کا اہم ترین باب اس کے ذہن کی آزادانہ جستجو کی صلاحیت ہے۔ یہی نئے انسان یا نئے ذہن کی متھ Myth ہے اور اس جگہ یہ بات بھی کہی جاسکتی ہے۔ کہ غنودگی اور خواب کے علاقوں کے ادھر جو ہوا سر پٹکتی رہی، اس کی مدت تین چار سو سال ہے۔ اس مدت میں تہذیب حاضر تک پہنچا ہوا یہ اضطراب ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ہوا یہ کہ جب گیلیلیو نے یہ کہا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے تو ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ نکالا گیا کہ انسان ایک نئی آگہی کے لیے اپنی روح تک گرو رکھنے کو تیار ہے۔ یہ دور بھی ایک ایسی عہد آفریں مساوات E=mc2 کا ہے۔ وہی فاؤسٹ والا قصہ نکل آیا۔ چونکہ سلیم احمد خود بہت اچھے ڈرامہ نگار ہیں۔ ان کی غزلیں دیکھتے ہوئے عہد حاضر کے اضطراب کی معرفت سے میرے ذہن میں سولہویں صدی کا ایک ڈرامہ سامنے آگیا ہے۔ ڈرامہ ہے:

"The Tragical History of Life and Death of Dr. Faustus."

ڈرامہ نگار ہے، کرسٹفر مارلو۔ منظر ہے:

انسان ساری کائنات کو اپنے نئے اوزاروں سے پرکھ رہا ہے۔

فاؤسٹ کہتا ہے:

"ایک دنیائے سود مند شادماں
طاقت آبروئے نام اور بے کراں اختیارات کی
جانفشاں ہنرمندوں کا انعام ہے!
وہ ساری چیزیں جو قطبین کے درمیان گرم رفتار ہیں
اب میری دسترس میں ہے، بادشاہوں اور شہنشاہوں کی حکمرانی
ان کے علاقوں تک ہوتی ہے، مگر اس کا دائرۂ اختیار ان علاقوں سے کہیں زیادہ
اس کی سرحد وہاں تک جاتی ہیں، جہاں انسانی ذہن مصروفِ کار ہے۔"

ہماری صدی اور اس کا اضطراب بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ گوئٹے اور اقبال نے اپنے اپنے رنگ میں

Scanned by CamScanner

اس اضطراب اور تلاشِ سکون کو ایک لباس دیا، اس اضطراب کا لازمی طور پر مترشح ہونا اور ہمارے ادب میں جگہ پانا کوئی تعجب انگیز بات نہیں۔ اس کی بڑی اور چھوٹی مثالیں موجود ہیں اور میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "اکائی" کی وحدت میں یہ اضطراب جھلک اٹھتا ہے:

نیا مضمون کتابِ زیست کا ہوں
وہ رن مجھ میں پڑا ہے خیر شر کا
کہ اپنی ذات میں اک کربلا ہوں
خود اپنی دید سے اندھی ہیں آنکھیں
خود اپنی گونج سے بہرا ہوا ہوں

خود اپنی آگ سے تو جی اٹھے شرر کی طرح
یہ معجزہ ابھی اے کائنات باقی ہے

"اکائی" میں تثلیث نما قطعات بھی ہیں، باقاعدہ قطعات بھی ہیں، نثری نظمیں بھی ہیں۔ ان سب میں یہی ایک کیفیت ہے۔ میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے اس ۳۰۔ ۳۲ سال میں جو کچھ پڑھا ہے، خصوصاً اردو غزل میں، اس میں نئے ذہن کی نمائندگی کے لیے سلیم احمد کا نام میرے سامنے آتا ہے۔ وہ اشعار جن کی ساکھ پر میں یہ بات کہہ رہا ہوں، کچھ آپ نے سن لیے، کچھ اور سن لیجئے۔

حیات نو یونہی صورت پذیر ہو شاید
ہزار طرح کا امکاں انتشار میں ہے

یہ کونپلیں مری حیرت کی تہہ سے پھوٹی ہیں
نمو یقیں کی ہوئی ہے گماں کے موسم سے

مری شکست سے تو بھی بکھر نہ جائے کہیں
مجھے سنبھال کے رکھ تیرا آئینہ ہوں میں

سلیم احمد کی "اکائی" "بیاض" "نئی نظم اور پورا آدمی" جب آپ پڑھ چکیں یا ان کی دوسری

کتابیں، تو ان کی شخصیت کے تین پہلو اجاگر ہوں گے۔ اولاً تو یہی کہ ان کا ذہن نیا اور اپنے اضطراب میں سوالوں سے پُر ہے، دوسرے یہ کہ وہ مشرقی تہذیب کی روایات میں عشق و تعلقات، معاشرے اور تمدن کی ساخت کو پنپتا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں، تیسرے کسی گوشے میں ایک ایسا سایہ ہے جو حریفانہ ان کے سامنے آجاتا ہے۔ یہ اشعار جس زاویے سے آتے ہیں وہ ان کی نرم مزاجی کے ساتھ چوکنا رہنے کی خبر دیتے ہیں۔

ہر ایک سے مرا انداز دوستی ہے الگ
مرا حریف بھی شامل مری قطار میں ہے

کیا دور ہے سلیم کہ چلتا نہیں ہے کام
توہینِ اعتبارِ شرافت کیے بغیر

تم تو دشمن بھی نہیں ہو کہ ضروری ہے سلیم
میرے دشمن کے لیے میرے برابر ہونا

ان کی شخصیت کے تین پہلوؤں کی یک بستگی ان کے کلام میں ایک اور تلاش کی طرف لے جاتی ہے جو اس کا روحانی پہلو ہے۔ مشرق تصوف کی سرزمین ہے۔ اس کے ہر مکتبۂ خیال کی الگ شرح کی جاسکتی ہے۔ بہر کیف وحدت الوجود اور وہ آگہی جو انسان کو اپنی تشنگی میں بھی سیراب رکھتی ہے کوئی قابل بحث مسئلہ نہیں ہے۔ اس آگہی کی شرط کوئی نہیں ہوتی، منطق کوئی نہیں ہوتی۔ یہ یا تو انسان میں ہوتی ہے یا نہیں ہوتی۔ سلیم کے یہاں یہ آگہی اور یقین انہیں اجازت دیتا ہے کہ وہ دنیا کے علائق اور اس کے رشتوں سے وابستہ رہیں۔ ان کا تصوف اور ان کی حقیقت پسندی یک دگر ہو کر سامنے آتی ہے۔ ان کے یہاں فطرت بر تر میں گزراں واقعات کی معنویت جذب ہوتی چلی جاتی ہے۔ یہ چند تاثرات تھے جو ان کی کتاب ''اکائی'' سے میرے ذہن پر مرتب ہوئے۔ تنقید و تقریظ کے صاحبان کرام کو ان کی کتابوں پر تفصیل سے لکھنا چاہیے۔ موجودہ دور کے شعراء میں ایسا ذہن، ایسی ہمہ گیر شخصیت کا فقدان ہے اور یہ شعر صرف ذاتی تعلق کا نہیں بلکہ تاریخی شعور کا سراغ ہے:

Scanned by CamScanner

تجھے میں تیری محبت سے ہٹ کے دیکھ سکوں
یہاں تک آنے میں مجھ کو کئی زمانے لگے

یہ عہد نئے مسئلے اٹھانے لگا۔ غزل کو اس طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کی اشاریت، علامتیں فارسی اور اردو کے بہترین ذہنوں کا دیا ہوا ذخیرہ ہمارے سامنے ہے، لیکن زمانہ بہت تیز ہواؤں کا ہے مگر محض غزل سرائی یا نغمہ میں غوغائے عالم کو ڈبو دینا ہر چند کہ اہم کام ہے، مگر زمانے کے تقاضے کو کسی طرح بھی رد نہیں کیا جاسکتا۔ غزل کی اس صلاحیت کو کہ وہ اپنے اندر سب کچھ سمیٹ لیتی ہے، سلیم اچھی طرح جانتے ہیں اور ان سے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ جہاں ان کی غزل کی نغمگی کبھی کبھی خواب آفریں ہوگی، اس میں بیداری کی وہ رو ضرور ہوگی جو ان کے یہاں ہے۔ ان کے خواب آفریں اشعار اس بات کی دلیل ہیں کہ نغمہ جو ان کے لب پر ہے، دل سے نکلا ہوا ہے۔

اس آنکھ میں خوابِ ناز ہو جا
اے ہجر کی شب دراز ہو جا

اسرار تمام کھل رہے ہیں
تو اپنے لیے بھی راز ہو جا

اے نغمہ نوازِ آخرِ شب
آہنگِ شکستِ ساز ہو جا

شاعری آج بڑا مشکل فن ہو گئی ہے۔ اس پر کئی ذمہ داریاں اپنا پر تو ڈال رہی ہیں۔ آدمی کی ذات میں کئی پیچ پڑ گئے ہیں۔ معاشرہ جس کی بنیاد اقتصادی امتیازات پر ہے، اپنے تصرف میں رہنے والے اداروں کو زندگی پر مسلط کیے ہوئے ہے۔ ایک طرف الفاظ کی قیمت بازار میں صحافت کے علاوہ ادب میں نہیں ہے۔ پبلی کیشن کی دقتیں بھی ابھی تک حل نہیں ہوئیں۔ بیسیوں شعبے ایسے ہیں جن سے نمٹتے ہوئے سلیم احمد نے اردو غزل کو ایک توانائی دی جو آپ اپنی مثال ہے۔

عہدِ فرنگ کے آخری دور میں بلکہ پہلی جنگِ عظیم سے آزادی تک جس پیمانے تک ناول نگار،

نقاد، شعراء گزرے ہیں انہوں نے کیا بحیثیت فرد اور کیا بحیثیت گروہ ادب کے معیار کو، اس کی فکر کو، اس کی لغت و محاورے کو ایسی نیرنگیاں، ایسی جستجو کی روح دی ہے جو ادب کے تاریخ نویسوں کے لیے عہد آفریں مواد فراہم کرے گی۔ اس دور کی پرچھائیاں آج بھی ہمارے ادب پر پڑ رہی ہیں۔

موجودہ دور جو آزادی کے بعد آیا ہے، اپنے تہذیبی اور ثقافتی مسائل میں پیچیدہ تر ہے۔ ایشیا کی قدیم و جدید روایات کی آمیزش سے کیا کچھ پیدا ہوگا، اس کی پیش گوئی مشکل ہے۔ ہمارے مفکرین، ہمارے دانشور، ہمارے سائنس دان کیا سوچ رہے ہیں۔ یہ واضح طور پر ذہنوں میں ہونا چاہیے اور اس فکر کی روشنی نئے شاعروں میں صاف نظر آنی چاہیے۔ یہ تصور شاعر کی آگہی و ادراک کے کام آتا ہے اور اس سلسلے میں یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ سلیم ایک معتبر شاعر ہیں جنہیں اس کا احساس ہے۔

اب "بسیار خوباں دیدہ ام" کے بعد ان کی دلآویز شخصیت اور ان کے مزاج کی نرمی سے محرمانہ واقفیت رکھنے کے بعد مجھے ان سے معتبر تر ہونے کی امیدیں وابستہ ہیں۔ ان کے گھر کے سینکڑوں شامیں جو رات گئے تک آتشیں بحثوں میں گزر چکی ہیں، یاد آرہی ہیں۔ ان شاموں میں مرحوم پروفیسر محمد حسن عسکری صاحب، پروفیسر مجتبیٰ حسین صاحب، سلیم اور میں ہوتے تھے اور اندر سے آپا جان اور ان کی والدہ محترمہ کی آواز آتی تھی کہ چائے تو پی لو۔ ان ہاتھوں کا جو چائے کی پیالیاں بڑھا کر مصروفِ دعا ہو جاتے تھے، دل پر ایک ایسا قرض ہے جو کبھی نہیں اتر سکتا۔

ما قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر و وفا مپرس

یہ نشستیں نجی، ذاتی ایک ایسے دور میں، ایک ایسے موڑ پر ہوئی تھیں جب فکر کے نئے جادے بن رہے تھے۔

آدمی کی ذات، کسی آدمی کی ذات، اس کے رومال یا اس کے لباس کی طرح ذاتی سرمایہ نہیں ہوتی۔ وہ بیشتر ان اجزاء سے مرکب ہوتی ہے جو غیر شعوری طور پر پورے معاشرے کی اجتماعیت سے پیدا ہوتے ہیں اور آدمی اپنی ذات کو اس اجتماعیت کے سپرد کر دیتا ہے۔ ایک اپنی نفی کے بعد معاشرے کا مثبت پہلو پیدا ہوتا ہے۔ شاعری کی یہی خصوصیت ہے جس کی طرف کیٹس (Keats) نے اپنے خطوط میں اشارہ کیا ہے۔ اسے وہ Negative Capability کہتا ہے۔ ویسے شاعر کا ایک

Scanned by CamScanner

وجدانی ادراک اس کا امتیازی پہلو ہے۔ اس لحاظ سے سلیم احمد کے یہاں آپ کو ہر غزل میں کچھ کیفیت کے اشعار مل جائیں گے۔ انہی دنوں ان کا تالیف و تخلیق کردہ ایک ڈرامہ "شاہین" ناظرین کے سامنے ہے۔ مجھے پھر Dr. Faustus کا آخری سین یاد آرہا ہے۔

میں پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں کہ یہ صدی آتشیں اضطراب کی صدی ہے۔ اس کے سپید و سیاہ میں ہم مجبوروں کو جو دخل ہے، سو چند سوالات اٹھا لینے کا ہے۔ بہرکیف فاؤسٹ کرسٹو فر مارلو کی تمثیل کا یہ آخری منظر ہے۔ روح تو گرو ہو چکی ہے، تلاش جاری ہے مگر بے سود۔ فاؤسٹ عالم نزع میں ہے تو کہتا ہے۔

میں اپنی کتابیں جلا دوں گا، وہ سانپ جس نے
حوا کو بہکایا تھا، اسے نجات دی جائے مگر فاؤسٹ کو نجات نہ ملے۔

سلیم کا وژن کس رخ سے کام کر رہا تھا، ان کے سامنے اس تلاش کا انجام یا جدید انسان کا مقدر کس طرح آیا تھا۔ انہوں نے بھی کہا

اسے سنبھال کے رکھو خزاں میں لو دے گی
یہ خاکِ لالہ و گل ہے کہیں ٹھکانے لگے

عزیز حامد مدنی

۶ جون ۱۹۸۳ء

Scanned by CamScanner

حمد

ابھرتے سورج کی نرم کرنیں
فصیلِ شب کے حصار میں رقص کر رہی ہیں
یہ رقص آغازِ زندگی ہے
ابھرتا سورج نئے زمانے کی آگہی ہے
نیا زمانہ کہ عہدِ انکار سے گزر کر حیاتِ اثبات بن رہا ہے
خدائے گم کردہ پھر سے آفاق کی حدوں پر ابھر رہا ہے
خدائے زندہ معاف کر دے
گناہ میرے جو سب کریں گے
وہ لفظ میرے جو سب کہیں گے
وہ درد میرے جو سب سہیں گے

Scanned by CamScanner

نیا اِمکان

نئے امکاں کو صورت دے رہا ہوں
گرا کر خود در و دیوار اپنے
میں اپنے گھر کو وسعت دے رہا ہوں

رات

میں جہاں ہوں فقط وہاں تک ہے
یا مکاں سے یہ لامکاں تک ہے
ہر دیا سوچتا ہے ساری عمر
رات کا سلسلہ کہاں تک ہے

Scanned by CamScanner

اِکائی

روشنی ہے چراغ میں زندہ
نشۂ مے ایاغ میں زندہ
جسم و جاں کی اکائی ٹوٹ گئی
میں فقط ہوں دماغ میں زندہ

خوئے مصلحت

یہ کشتی رفتہ رفتہ بھر رہی ہے
مجھے روکا تھا طوفانوں سے جس نے
وہ خوئے مصلحت اب مر رہی ہے

Scanned by CamScanner

کونپل

کوئی شے مضطرب ہے میرے دل میں
نئے سانچے میں ڈھلنا چاہتی ہے
کہ جیسے توڑ کر مٹی کی تہہ کو
کوئی کونپل نکلنا چاہتی ہے

چراغِ نیم شب

وہی گریہ وہی موجِ طرب ہے
یہ آدھی عمر اور اُس کی محبت
وہی میرا چراغِ نیم شب ہے

Scanned by CamScanner

دیا

مرے چاروں طرف ہیں میرے سائے
خود اپنی تیرگی میں گھر گیا ہوں
دیئے کی طرح آدھی رات کو میں
کسی خالی مکاں میں جل رہا ہوں

کیوں

کیا ملا ہے بنا کے صید مجھے
چھین کر لامکاں کی وسعت کو
جسم میں کیوں کیا ہے قید مجھے

Scanned by CamScanner

بیج

میں اُس کے جسم کا ہوں ایک ذرّہ
مری کُل عمر اس کی اِک گھڑی ہے
شجر جیسے ذرا سے بیج میں ہو!
کوئی شے مجھ میں مجھ سے بھی بڑی ہے

ایک ہی صُورت

سِل گیا ہوں میں، کفن میں جی اٹھوں
زندگی کی ایک ہی صورت ہے اب
ذہن میں مر کر بدن میں جی اٹھوں

Scanned by CamScanner

دریا

عدم کی سمت بڑھتا جا رہا ہوں
جو لمحہ آ رہا ہے کٹ رہا ہے
بڑھاتا جا رہا ہے پاٹ دریا
یہ ساحل رفتہ رفتہ گھٹ رہا ہے

اکھوا

بدن میں روح کا در پھوٹتا ہے
نہیں ہوتی محبت بالا بالا
یہ اکھوا تہہ کے اندر پھوٹتا ہے

Scanned by CamScanner

آفاق

بدن سُن ہو گیا ہے بیٹھے بیٹھے
میرے قد سے بھی چھوٹا یہ مکاں ہے
میں اپنے پاؤں کچھ پھیلا تو لیتا
مگر آفاق میں وسعت کہاں ہے

میری ذات

اتنی بے مصرف نہیں ہے میری ذات
ایک ذرہ بھی اگر کم ہو گیا
تاابد ماتم کرے گی کائنات

Scanned by CamScanner

گُذر گاہ

سلسلے ہیں کبھی جوابوں کے
ہیں قطاریں کبھی سوالوں کی
قافلے آتے جاتے رہتے ہیں
میں گذرگاہ ہوں خیالوں کی

شریکِ غم نہیں

ابھی چُپ ہوں ابھی محوِ فغاں ہوں
کوئی میرا شریکِ غم نہیں ہے
میں اپنی لاش پر نوحہ کناں ہوں

Scanned by CamScanner

دروازہ

گھٹا جاتا ہوں اپنی ذات میں میں
یہاں آب و ہوا تازہ نہیں ہے
نکلنا چاہتا ہوں خود سے باہر
مگر اِس گھر کا دروازہ نہیں ہے

چھلنی

مسرت جو ابھی تازہ کلی تھی
ابھی اک پل میں باسی ہوگئی ہے
کیا ہے روح کو آسودہ جتنا
یہ چھلنی اور پیاسی ہوگئی ہے

Scanned by CamScanner

رُوح کا پھل

عجب نسبت ہے باہم جان و تن کی
بجا ہے روح کا پھل ہے محبت
یہ پھل پکتا ہے گرمی سے بدن کی

دریا کا شور

دور سے آواز دیتا ہے کوئی
جب کبھی سنتا ہوں میں دریا کا شور
میرے اندر موج لیتا ہے کوئی

Scanned by CamScanner

نقطہ

ہر طرف سے انفرادی جبر کی یلغار ہے
کن محاذوں پر لڑے تنہا دفاعی آدمی
میں سمٹتا جا رہا ہوں ایک نقطہ کی طرح
میرے اندر مر رہا ہے اجتماعی آدمی

گھر کا سناٹا

سارا دن انتظار میں کاٹا
دوست آکر چلے گئے سرِ شام
بڑھ گیا اور گھر کا سناٹا

Scanned by CamScanner

لوٹ آیا

لوٹ آیا پھر جوانی کا مزا
جس طرح تیرے لب شیریں کا لمس
یوں لگا کچھ آج پانی کا مزا

آدھی عُمر

کونسی شب نیند آئی چین کی
کون سے دن غم کی شدت گھٹ گئی
لمحہ تیرے ہجر کا کٹتا نہیں
عمر آدھی سے زیادہ کٹ گئی

Scanned by CamScanner

گفتگو

خود اپنے خار میں الجھا ہوا ہے
خود اپنے پھول چُنتا چاہتا ہے
یہ مقصد گفتگو کا ہے کہ ہر اک
خود اپنی بات سننا چاہتا ہے

شاید

لاکھ ہنگامے ہیں میری بات میں
پھر بھی میں چپ ہوں کہ شاید سُن سکوں
گفتگو جو ہو رہی ہے ذات میں

Scanned by CamScanner

اندازہ

داغ ہوں سینۂ عدم کا میں
غم نہ ہونے کا مجھ سے ہے تازہ
جیسے تنہا دیے سے ہوتا ہے
رات کی وسعتوں کا اندازہ

گہرائیاں

یہ بزم آرائیاں تنہائیاں ہیں
سمٹ آئی ہیں تیری گفتگو میں
سکوتِ شب میں جو گہرائیاں ہیں

Scanned by CamScanner

وہ لفظ

وقت کی گود میں پائندہ ہیں
تو جنہیں بھول گیا ہے کہہ کے
تیرے وہ لفظ ابھی زندہ ہیں

کب تک

کہاں تک ہوگی غم کی پاسداری
لہو اپنا بھلا کب تک پئیں گے
کیے تھے جب کسی سے عہد و پیماں
یہ اندازہ نہ تھا اتنا جئیں گے

Scanned by CamScanner

روشنی

پیرہن کی تیرے یہ گلکاریاں
جلد کی تہہ میں وہ ہلکی روشنی
پھول کی پتی پہ جیسے دھاریاں

فاصلہ

تخیل نے اُسے پھیلا دیا ہے
جو غم ہے وہ ترا غم ہوگیا ہے
ہمارے درمیاں جو فاصلہ تھا
نہ ملنے سے ترے کم ہوگیا ہے

Scanned by CamScanner

ہم

ہنگاموں پر مرتے ہیں
تنہائی سے گھبراتے ہیں
خاموشی سے ڈرتے ہیں

میری محبت

زمانہ نوکری گھر فکرِ دنیا
یہ رنگینی کا افسانہ نہیں ہے
تجھے چاہا ہے پورے جسم و جاں سے
محبت کا الگ خانہ نہیں ہے

Scanned by CamScanner

دل کی وسعتیں

مزا چائے میں سگریٹ کے کشوں میں
مزا دفتر میں گھر میں فائلوں میں
تجھے چاہا تو دنیا کی ہر اک شے
سمٹ آئی ہے دل کی وسعتوں میں

میں اور وہ

اسیر اپنا کیا کتنے جتن سے
اسے آتا تھا کیسا دم دلاسا
میں اپنی ذات میں سیراب شبنم
وہ خواہش کا سمندر اور پیاسا

Scanned by CamScanner

بدن

بدن ہی گو جدائی کا سبب ہے
بدن ملنے سے جانیں مل رہی ہیں
یہی خط دائرے کے درمیاں ہے
اِسی خط پر کمانیں مل رہی ہیں

رنجِ تنہائی

وہ جو بکھری ہوئی تھی محرومی
ایک احساس میں سمٹ آئی
آج اک دوست کی تواضع سے
بڑھ گیا اور رنجِ تنہائی

Scanned by CamScanner

وُہ دِن

کتنے بھرپور وہ دن تھے اپنے
کتنی سرشار تھیں راتیں اپنی
چڑھتے نشے کی طرح موج بہ موج
ختم ہوتی نہ تھیں باتیں اپنی

لے چلو

کوئی منظر نہیں ایسا کہ جو روکے مجھ کو
کوئی لمحہ نہیں ایسا کہ جو ٹوکے مجھ کو
بے تعلق رہا ایسا تو میں مر جاؤں گا
لے چلو اپنی محبت میں سمو کے مجھ کو

Scanned by CamScanner

سچائی

نہ بچوں سی خوشی مجھ کو میسر
نہ رو سکتا ہوں میں اُن کی طرح سے
نہ سچائی ہے میرے جاگنے میں
نہ سو سکتا ہوں میں اُن کی طرح سے

بات وہ ہے

درد وہ ہے جسے چبھن سوچے
ہے وہ منزل جسے تھکن سوچے
فکر وہ ہے جو خون میں حل ہو
بات وہ ہے جسے بدن سوچے

Scanned by CamScanner

بس کا اِنتظار

تھا جو احساسِ دوریٔ منزل
عمر کو وقفِ رہگذار کیا
یوں سمجھئے کہ چل دیئے پیدل
دیر تک بس کا انتظار کیا

سننے والا

کوئی الجھا ہوا ہے خار و خس میں
تو کوئی پھول چننا چاہتا ہے
کوئی کچھ بھی کہے پر سننے والا
وہ سنتا ہے جو سننا چاہتا ہے

Scanned by CamScanner

ذائقہ

تم کو کیا یاد کبھی آتا ہے
شام کو چائے پیا کرتے تھے
تھا کبھی ذائقہ زندہ اپنا
ایک اک گھونٹ جیا کرتے تھے

آواز

مرے سینے کی دھڑکن بن گئی ہے
یہ تنہائی میں ہے دمساز میری
خلا میں ایک ہنگامہ مچا کر
پلٹ آئی ہے پھر آواز میری

Scanned by CamScanner

نئی دنیا

پرانے لفظ بوسیدہ ہوئے ہیں
جو سنتے تھے وہ باتیں مر رہی ہیں
نئی دنیا کی پیدائش کا دن ہے
پرانی کائناتیں مر رہی ہیں

Scanned by CamScanner

ہمراہی

دو ہمراہی
سورج اور میں
شام کو منزل پر پہنچے
دونوں بہت تھکے ہوئے تھے
مٹی کے بستر میں سوئے
اگلی صبح کو سورج جاگا
مجھ کو سوتا چھوڑ کے
تنہا چلا گیا

Scanned by CamScanner

دُکھ کی بات

وہ دن بھی کیسے دن تھے
جب تری پلکوں کے سائے
شام کی گہری اداسی بن کے
میری روح میں جادو جگاتے تھے
مری آنکھوں میں نیندیں
تیرے بالوں کی طرح، ایسے سبک سے جال بُنتی تھیں
کہ جو حلقہ بہ حلقہ، خواب اندر خواب
ان جانے زمانوں کی گریزاں ساعتوں پر
ابر کی صورت برستے تھے
بدلتے موسموں کی طرح تیرے جسم پر عالم گزرتے تھے
مری جاں تو بہارِ جاوداں کا ایک موسم تھی
جو میری روح میں آیا
مجھے کیوں یاد آتے ہیں
وہ دن

Scanned by CamScanner

جو اَب نہ آئیں گے

نہ آئیں گے تو پھر کیوں یاد آتے ہیں

وہ دن بھی کیسے دن تھے

جب مری بیداریوں کی سرحدیں خوابوں سے ملتی تھیں

وہ باتیں جو کہ ناممکن ہیں، ممکن تھیں

جہاں بس سوچ لینا اور ہو جانا برابر تھا

تجھے کیا یاد ہے وہ دن

کہ جب حرفِ شکایت کی گرہ سی پڑ گئی تھی

میرے سینے میں

میری آزردگی سے شام کے چہرے پہ زردی تھی

میں تیرے پاس بیٹھا سوچتا تھا

جانے کیا کیا سوچتا تھا

تجھے کیا یاد ہے

تُو نے کہا تھا

میں دل کی بات اگر اُس سے بھی

کہہ سکتی تو کہہ دیتی

کہ میرے جسم میں دو دل دھڑکتے ہیں

تمہارے واسطے بھی

اور اُس کے واسطے بھی

جو تمہارا دشمنِ جاں ہے

Scanned by CamScanner

جِن

بچپن میں بوڑھوں سے سُنا تھا
کچھ لوگوں پر جِن آتے ہیں
جو اُن کو بھگائے پھرتے ہیں
وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں
اپنے آپ نہیں کہتے ہیں
جن اُن سے کہلاتے ہیں
اب اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے
کچھ لوگوں پر لفظ آتے ہیں
جو اُن کو بھگائے پھرتے ہیں
وہ جو کچھ بھی کہتے ہیں
اپنے آپ نہیں کہتے ہیں
لفظ اُن سے کہلاتے ہیں

Scanned by CamScanner

راکھ

مرے دونوں ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں راکھ ہے
امیدوں کی جو آخری ساعتوں تک دھواں دے رہی تھیں
اور آنسو۔۔۔۔
لہو۔۔۔۔
اور بچپن کے دن
یہ سب راکھ ہیں
میں اِس راکھ کو اپنے چہرے پہ مل کے کھڑا ہوں

آنسو

یہ آنسو کہ جن میں شفق پھولتی ہے
کئی آنے والی بہاروں کی سوغات ہیں

Scanned by CamScanner

ایک خط

سمندر نے یہ خالی سیپیاں
کیسے اُگل دیں
آ کے ساحل پر
میں پہلے بھی کہا کرتا تھا
(تجھ کو یاد ہو شاید)
کہ تیری روح کے گہرے سمندر میں
میرا دل ایک سیپی ہے
مگر میں نے کبھی تیری محبت کو نمائش میں نہیں رکھا
میں ان لوگوں سے چڑتا تھا
جو افسانے کہا کرتے ہیں یاروں سے محبت کے
مگر ویسے بھی دنیا میں کسی کی کون سنتا ہے
(سناتا ہے کوئی جب اپنی باتیں
سننے والے اپنی باتیں یاد کرتے ہیں)
مگر یہ کیسی راتیں ہیں
کہ اکثر سوتے سوتے چونک اٹھتا ہوں
(مجھے تو نیند بھی اک قرضِ چشم غیر ہے)
میں سوتا جاگتا رہتا ہوں
اک ایسے مسافر کی طرح
جس کو کسی چھوٹے سے اسٹیشن پہ

Scanned by CamScanner

گاڑی سے اُترنا ہو

ترے ہلتے ہوئے ہاتھوں سے

یہ کیسی ہوا آئی

مری جاں تجھ سے رخصت ہو کے

میں کتنا اکیلا تھا

یہ دنیا سو رہی تھی جب

کسی دل کی طرح

جس نے ابھی رونا نہ سیکھا ہو

کوئی کونپل

کبھی زورِ نمو میں

سنگ بستہ خاک سے لڑتی ہوئی

باہر نکلتی ہے

کہ جیسے شوخ بچے

ہاتھ اور دامن چھڑا کر

گھر سے باہر بھاگ جائیں

اور گزر گاہوں پہ سو جائیں

گزر گاہوں سے بچوں کو اٹھا کر لاؤ

اور گہوارۂ جاں میں سُلا دو

وہ جاگیں گے تو ان کے خواب پورے ہو چکے ہوں گے

سو آخر یوں ہوا

امید کی شاخوں پہ ایسے برگ و بار آئے

مری جاں

Scanned by CamScanner

تیرا ملنا تشنگی کے دشت میں

وہ آبِ تازہ تھا

جو شبنم بھی ہے دریا بھی ہے

اور روح میں نم ہو تو آنسو بھی

مجھے آنسو نہیں ملتے، نہیں ملتے، نہیں ملتے،

وہ شب بھی کیسی شب تھی

جس کا نقدِ صبح اب تک قرض ہے مجھ پر

جو مجھ سے پوچھتا ہے

اب محبت کو کہاں لے جاؤ گے

کس دل میں رکھو گے

میں چُپ تھا

تُو بھی چُپ تھی

اور خاموشی کے لمحوں کے

گزرتے قافلے

سانسوں کی آوازِ جرس پر جا رہے تھے

ایک منزل کی طرف

جو نصف جنت نصف دوزخ تھی

میں کتنا سنگ دل ہوں

جو تیری جنت پہ خوش ہوتا نہیں

دوزخ پہ ہنستا ہوں

Scanned by CamScanner

سفر

کئی سرزمینیں صدا دے رہی ہیں کہ آؤ
کئی شہر میرے تعاقب میں ہیں، چیختے ہیں نہ جاؤ
کئی گھر لبِ حال سے کہہ رہے ہیں
کہ جب سے گئے ہو
ہمیں ایک ویران تنہائی نے ڈس لیا ہے
پلٹ آؤ پھر ہم کو آباد کر دو
وہ سب گھر
وہ سب شہر۔۔۔۔سب سرزمینیں
محبت کی چھوڑی ہوئی رہگزر بن گئی ہیں
کبھی منزلیں تھیں مگر آج گردِ سفر بن گئی ہیں
محبت سفر ہے
مسلسل سفر ہے
سو میں تجھ سے تیری ہی جانب سفر کر رہا ہوں

Scanned by CamScanner

ایک رات

ابھی میں سوتے سوتے چونک اٹھا ہوں
آئینہ میں جھلملاتی روشنی
پلکیں جھپک کر بول اٹھی ہے
کوئی آیا ہے
وہی تنہائی
جو سمٹی ہوئی سوتی ہے
گہری سانس لیتی ہے
مجھے وہ شب نہ بھولے گی
کہ میں نے جب دعا مانگی
(خدا میری بھی تجھ کو عمر دے دے)
دعا مانگی تھی میں نے تیرے مرنے کی

Scanned by CamScanner

محبت

ایسی قوت جو صرف نہیں ہوتی ہے

۔۔۔۔اذیت بن جاتی ہے

میرے دل میں کتنی محبت تھی

جس کو زمانے کی بے مہری اور سرد طبیعت نے

اظہار میں بھی آنے نہ دیا

آخر میں نے سارا درد سمیٹا

اور تیری آنکھوں پر وار دیا

دنیا میرے لیے تیری صورت میں

پیمانہ حسن و خیر بنی

یوں تو محبت فرد سے فرد کو ہوتی ہے

لیکن تجھ سے میری محبت

وہ نقطہ ہے جس کے چاروں طرف

آفاق کی گردش ہوتی ہے

Scanned by CamScanner

الجھی سانسیں

اس نے لکھا تھا کسی کو

مرے بچے

خاکِ زرگر میں چھپے ذرے ہیں

جن کو میں جاں کے عوض سونپ رہی ہوں تم کو

مجھ کو کچھ زندہ کھلونوں سے محبت تھی

جیسے عینی کسی ہمسایہ سہیلی

کے کھلونوں کو اٹھا لاتی ہے

اور سو جاتی ہے

سینہ سے لگا کر ان کو

داغ جو روح میں ہیں

جسم پہ ہوتے تو مجھے

لوگ اک جلتا ہوا شہر سمجھتے

میں راکھ میں کیا ڈھونڈ تا ہوں

تُو نے جلتے ہوئے دیکھا تھا اُسے

Scanned by CamScanner

داغ تھے جسم پہ اُس کے جیسے
تیز جلتا ہوا موم
شمع کے جسم پر جم جاتا ہے
جل بجھی
جل بجھی اور مجھے پھونک گئی
رشتے اُلجھی ہوئی سانسیں ہیں مگر
اُس کی سانسیں تو کسی اور کا سرمایہ تھیں
اُس کے جلنے سے مری راکھ کا رشتہ کیا تھا
مجھ کو خوابوں نے کبھی چین سے سونے نہ دیا
اس کے ہونٹوں نے جگایا تھا مری آنکھوں کو
داغ بوسوں کے
لبوں پر نہیں رہتے
لیکن۔۔۔۔
روح پر زخم سا بن جاتے ہیں
تو جدا ہو گئی ملتے ہوئے ہونٹوں کی طرح
(یہ مرا خط تجھے اک بوسۂ نادیدہ ہے)

ہاتھ

ہاتھ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے ہیں
اور ہاتھوں کی زباں کوئی سمجھتا بھی نہیں
لیکن آغازِ محبت کا وہ پہلا پیغام
(ایک تپتے ہوئے صحرا کی وہ پیاس جس پہ ہے لفظ حرام)
اُس کے ہاتھوں نے دیا تھا مجھ کو

حق

روٹی پر کتے لڑتے ہیں
میں روٹی کے حق پر لڑتا ہوں

Scanned by CamScanner

اب

وہ ایک لمحہ جو "اب" نہیں ہے
گزر چکا ہے
وہ ایک لمحہ جو "اب" نہیں ہے
ہے آنے والا
گزر چکا ہے جو ایک لمحہ وہ میں نہیں ہوں
ہے آنے والا جو ایک لمحہ وہ تُو نہیں ہے
کہ ایک لمحہ ہیں
دونوں ہم تم
وہ ایک لمحہ جو صرف "اب" ہے
یہی ازل ہے
یہی ابد ہے

Scanned by CamScanner

ایک دروازے پر

میرے گھر کے دروازے پر۔۔۔۔

دستک دینے والے نے پوچھا!!

اندر کون ہے

میں ہوں

میں ہوں

میں ہوں

چند صدائیں آئیں

یہ سب جھوٹے ہیں

میں تو شہر سے باہر گیا ہوا ہوں

میرے پیچھے!

گھر کے نوکر "میں" بن بیٹھے ہیں

Scanned by CamScanner

میں ایسا کیوں ہوں

کیوں تھا؟ ایسا کیوں تھا؟ میں ایسا کیوں تھا؟
میرے باہر باخبری کی کیسی کیسی آوازیں تھیں
میرے اندر بے خبری کی خاموشی تھی
(گونگی، بہری، اندھی تاریکی تھی)
میرے لہو میں ایک تناور تنہائی کی
پہلی کونپل پھوٹ رہی تھی
جسم کے روئیں روئیں میں اِک سرگوشی سی جاری تھی
میری آنکھیں جھوٹے، سچے، ان دیکھے خوابوں سے الجھ گئی تھیں
لیکن یہ سب کچھ کیوں ہے؟ کیا ہے؟
یہ بھی مجھے معلوم نہیں تھا
میں ایسا کیوں تھا؟
جو چاہوں تو۔۔۔
اور پاگل پن کی حد تک چاہوں
لیکن یہ بھی نہ جانوں۔۔۔
تُو کیا ہے؟
اور خواہش کیا ہے؟

Scanned by CamScanner

سورج کی بیماری

تو آؤ اب گھر چلتے ہیں

دن کی تھکن اب شام ہوئی ہے

سورج کو اپنے گہوارے میں سو جانے دو

وہ بہت تھکا ہوا ہے

سورج کی بیماری نے ہم سب کو تھکا دیا ہے

کیا جانے کل کیا ہو گا

کل تو اک اندیشے کو کہتے ہیں

دیکھو ہم کتنے اندیشوں سے گزرے اور زندہ ہیں

اس نے کہا تھا۔۔۔۔زندہ رہو

اٹھارہ برس

اٹھارہ برس جو نیند کی سانسیں بن کر گزر گئے

اور اب جلتی آنکھوں کی بیداری

وہ حاصل ہے

جو لاحاصل ہے

Scanned by CamScanner

میں اپنی ساری نیندیں بھول گیا ہوں
ہم سب اپنے خوابوں کا سودا کر کے جینا بھول گئے ہیں
وہ بھی میرے خوابوں کا اک حصہ تھی
اور اس نے کہا تھا۔۔۔۔زندہ رہو
جیسے زندہ رہنا میرے بس میں ہے
وہ سچی تھی
ٹھہرو مجھ کو دروازہ کھولنے دو
گھر کی دیواروں پر ویرانی ہوتی ہے
میں آج تمہارے ساتھ سحر تک جاگوں گا
دونوں کھانا کھا کر گپیں ہانکیں گے
میری میز پہ فاقہ کش امیدیں
وہ روکھی سوکھی کھاتی ہیں
جو مایوسی سے بچ جاتی ہے
میرے بستر پر بے خوابی کروٹیں لیتی ہے
اس نے کہا تھا زندہ رہو
کیا زندہ رہنا میرے بس میں ہے
میں تو سانسیں گن گن کر
اپنی گم گشتہ نیندوں کی نوٹ بُکوں میں لکھتا ہوں

Scanned by CamScanner

آنکھیں

جینے کے معنی آنکھیں ہیں
تیری آنکھیں جینا بھی ہیں جینے کا اسلوب بھی ہیں
آنکھوں سے آنکھوں کے ملنے میں جو لذت ہے
وہ جینے کی لذت ہے
میں نے تیری آنکھوں سے دکھ سہہ کر بھی جینا سیکھا
جب سے ان آنکھوں سے دور ہوا ہوں
میں جینا بھول گیا ہوں
اپنا رستہ بھول گیا ہوں

Scanned by CamScanner

خواب

سچ بولوں تو کوئی نہ مانے
دیکھنے والا اور دیکھا جانے والا
دونوں مجھ میں ایک ہوئے ہیں
میں وہ سب کچھ ہوں، جو میں دیکھتا ہوں
کرنوں کا یہ روپہلا دریا میرا بدن ہے
یہ ننھی کلی جو کھلنے سے پہلے کملائی ہے
مری خواہش ہے
دور افق پر ہنسنے والے تارے میری امیدیں ہیں
یہ جو غار ہے
جس سے میں ابھی نکلا ہوں
کچھ بھی نہیں ہے
میری لاعلمی ہے
یہ سب چیزیں خواب میں مجھ سے جدا ہوئی ہیں
اور دیکھنے اور دیکھے جانے کی حد بن بیٹھی ہیں
جب میں جاگوں گا تو دیکھوں گا
کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔
میں ہی میں ہوں۔۔۔

Scanned by CamScanner

دس برس

رات جاگی ہوئی

قہقہے جیسے کرنوں کی رنگیں پھواریں

اور ہلکی ہنسی چاندنی کی طرح

اور باتوں کا دریا سبک رو ہواؤں کے ہلکے جھکولوں پہ بہتا ہوا

لہر چڑھتی ہوئی اور اُترتی ہوئی

قربتیں فاصلوں میں سموتی ہوئی

کوئی آیا تو سب کی نگاہیں اٹھیں

خیر مقدم ہوا

اور پھر رات کا بے اماں سحر ہر چیز پر چھا گیا

میں نے سوچا کہ جب

تیری اس محفلِ شب میں، میں ہی نہیں ہوں تو پھر۔۔

تیرے دل کے دھڑکنے کے انداز، آنکھوں کے جھکنے کی اِس کیفیت

اور میٹھی ہنسی کی حلاوت کو یوں یاد کرنے سے کیا فائدہ

وقت میرا نہیں

اور زخمِ تغیر کا کوئی مداوا نہیں

Scanned by CamScanner

بھولا بسرا نغمہ

صبح کو "بھولے بسرے نغمے" میں
پنکج کی چڑھتی دھوپ کی مانند
روشن اور گرم آواز
مرے دل کے آنگن میں اُتری
اور جانے کتنی یادوں کی چمکیلی کرنیں لے آئی
تم صوفے پر اکیلی بیٹھیں ننگ کر رہی تھیں
اور نہ جانے کیوں
تمہارے ہونٹوں پر ہلکی سی ہنسی تھی
جیسے کوئی کلی اپنے آپ ہی کھلتی جائے
پیا ملن کو جانا، جانا پیا ملن کو جانا
بجھے دیے اندھیری رات
آنکھوں پر دونوں ہاتھ
دھیرے دھیرے دبے دبے
یونہی پاؤں بڑھانا۔۔۔

Scanned by CamScanner

پنکج گا رہا تھا

میں نے تم کو دیکھا اور اُن لمحوں کے بارے میں سوچا

جو تم نے مجھ سے ملنے سے پہلے بسر کیے تھے

مجھ کو اُن لمحوں پر رشک آیا

تم سے پہلے میرا جینا جینا نہیں تھا لیکن

تم مجھ سے پہلے جینا سیکھ چکی تھیں

میں نے تم سے کہا

تمہیں پیا ملن کو جانے کا سندیسہ کیسا لگتا ہے

تمہاری ہنسی کچھ اور چمک اٹھی

تم نے اپنی گہری چھاؤں والی پلکیں اٹھا کر مجھ کو دیکھا اور کہا

اس گانے میں پیا ملن کو آنا، ہوتا تو یہ کچھ اور بھی اچھا ہوتا

یہ کہہ کر تم میرے پاس آ کر بیٹھ گئیں

میں نے سوچا تم کو اک لمحے میں خوش کرنے کا کیسا اچھا فن آتا ہے

جھوٹی باتیں بھی تمہارے منہ سے کتنی سچی لگتی ہیں

کانٹے بکھرا کے چلوں۔۔پانی ڈھلکا کے چلوں

سکھ کے لیے سیکھ رکھوں پہلے دکھ اٹھانا

پنکج کی زخمی لے میں کتنی سنبھلی ہوئی کیفیت کا مرہم ہے

میں نے دکھ تو بہت اٹھائے لیکن۔۔۔۔

سکھ کے لیے

کوئی زخم نہیں کھایا ہے

میرا دشمن

اس نے جو ضرب لگائی مجھے بھرپور لگی
میں نے جب وار کیا اس کی جگہ خالی تھی
تھک گیا، چُور ہُوا، ہار گیا
وہ مرا دشمنِ عیار مجھے مار گیا
آخری وقت میں دیکھا تو وہ دشمن میرا
اور تو کچھ بھی نہ تھا میری ہی پرچھائیں تھا

وجُود

عدم کی سیہ رات میں
ایک جگنو کی مانند اُڑتا ہوا
جلتا بجھتا ہوا
میں کہاں جا رہا ہوں

Scanned by CamScanner

تنزیہہ

خدائے زندہ تُو میرے وہم و خیال کی حد سے ماوراء ہے
خدائے معلوم کی پرستش میں آدمی خود کو پوجتا ہے
تجھے اگر "ہے" کہوں تو حق ہے
اگر "نہیں ہے" کہوں تو "ہے" کا ہونا ہے اِس میں شامل
یہ "ہے"۔۔ "نہیں ہے" کی بحث باطل
تو "ہے" کی تہمت سے ماوراء ہے
"نہیں" کے الزام سے بری ہے

Scanned by CamScanner

گونگا تجربہ

مرے فن کی یہ کاوش ہے
کہ گونگے تجربے
جن کی خموشی اک اذیت ہے
نیا اظہار پا جائیں
میں اُن چیزوں کا جویا ہوں
جو اندھی اور ننگی ہیں
بہت جھوٹی ہیں اور اندر سے خالی ہیں
وہ آئینہ تراشوں میں
یہ سب چیزیں
نیا معیار پا جائیں

Scanned by CamScanner

میرا ہمسفر

ہم دونوں ہمراہی ہیں
ہم دونوں میں منزل اور زنجیر کا رشتہ ہے
میں زندہ ہوں
وہ مردہ ہے

کہاں

دھویں کی فصیلوں میں
لپٹے ہوئے شہر کی
شاہراہیں
کہاں جارہی ہیں

Scanned by CamScanner

کھیل

شام کو دفتر کے بعد
واپسی پر گھر کی سمت
میں نے دیکھا میرے بچے
کھیل میں مصروف ہیں
اتنے سنجیدہ کہ جیسے کھیل ہی ہو زندگی
کھیل ہی میں سارے غم ہوں کھیل ہی ساری خوشی

اے خدا!
میرے فن میں دے مجھے
تو میرے بچوں کی طرح
کھیل کی سنجیدگی

Scanned by CamScanner

زندگی

اذیت

جو مری رگ رگ میں نشتر سی کھٹکتی ہے

مجھے مژدہ سناتی ہے

کہ میں جو بے حسی سے مر چکا تھا

آج زندہ ہوں

شُکر

شُکر کرو

اے ہم نفسو!

ہم مردہ ہیں

پر آنکھیں اب بھی زندہ ہیں

Scanned by CamScanner

گراموفون

میرے گھر میں ایک پرانا گراموفون ہے
بچے اُس سے کھیلا کرتے ہیں
میں کبھی بیکاری کے لمحوں میں اس کو بجایا کرتا ہوں
اکثر اس کی سوئی اٹک جاتی ہے
اور وہ ایک لفظ پر رک کر
"میں" ہی "میں" دہرایا کرتا ہے

Scanned by CamScanner

لکیریں

میری بیٹی عینی نے

کاغذ پر کچھ ٹیڑھی میڑھی

لکیریں بنائی ہیں

اور پوچھتی ہے

ابو یہ کیا ہے

مرے گاؤں سے ریل کی پٹڑیاں دور تھیں

میں نے

پگڈنڈیوں سے گزرتے ہوئے

کچھ ہرے بُوٹ توڑے

مجھے اپنے بچپن کے مرنے کی پہلی خبر مل چکی تھی

میں اگر روؤں گا

تو پھر تعزیت کرنے والوں کے جھوٹے

ریاکار چہرے

کہاں جائیں گے

قبر پر گھاس دو دن میں اُگ آئی تھی

Scanned by CamScanner

میں نے مٹی سے کانٹوں پہ چلنے کی رخصت طلب کی

اور رویا نہیں

میں نے چلتے ہوئے تم سے مڑ کر کہا

دائرے سے نکل کر کہاں جاؤ گی

تمہیں یاد ہے

تم مجھے اپنے بچپن کا ایسا کھلونا سمجھتیں

جو بند الماریوں میں سجا ہو

تمہارے کھلونے کہاں ہیں

اُلجھنیں

اُلجھنوں سے

مری زندگی

ہونی ان ہونی باتوں کا ایسا معمہ بنی

جس کا حل

تم بھی نہیں تھیں

تمہارے لیے

کبھی میں خدا تھا

مگر پاؤں کی ٹھوکریں

سر کی ٹھوکر سے کچھ مختلف تھیں

جسے دیوتا جانتے ہیں

مری بیٹی عینی نے

کاغذ پر کچھ ٹیڑھی میڑھی

لکیریں بنائی ہیں

Scanned by CamScanner

میرا چہرہ

ایک قیافے کے ماہر نے مجھ سے کہا
گہری چالیں چلنا
اور دنیا کو دھوکے میں رکھنا
آسان نہیں ہے
لیکن تو چاہے تو یہ کر سکتا ہے
تیرا چہرہ
اک ہنس مکھ
احمق
کا چہرہ ہے

Scanned by CamScanner

پاگل

صبح کو بستر سے اٹھا
ہوٹل میں جانے کے لیے
بازار میں آیا
دیکھا
سب اُلٹے ہیں
سب مجھ کو دیکھ کے ہنستے تھے
آوازے کستے تھے
تُم الٹے ہو
تُم الٹے ہو

Scanned by CamScanner

مسز ایکس کی ڈائری

عصمت ایسا لفظ ہے
جو پڑھنے میں
اچھا لگتا ہے
رہی وفا
تو
موڑ اور حالات بدلنے تک
میں بھی کرتی ہوں
کبھی کبھی میں سوچتی ہوں
اے کاش کبھی میں
ایسی محبت کر سکتی
جو افسانوں میں ہوتی ہے
لیکن میری اک مجبوری ہے
میں، تنہائی
اور خالی بستر سے
گھبراتی ہوں
گھر میں "ایکس" نہیں ہوتا ہے
تو
اور کسی کو لے آتی ہوں

Scanned by CamScanner

سُورج

میرے اندر نور و ظلمت جدا جدا آہنگ نہیں ہیں
ایک ہی نغمے کے دو سُر ہیں
طاق میں رکھا دیا
جب تک جلتا ہے
نُور ہے
بجھا دیا تو ظلمت ہے
میں بھی جلتے بجھتے دیے کی مانند
نور اور ظلمت
دونوں سے گزرتا رہتا ہوں
لیکن آدھا نور اور آدھی ظلمت
سورج کی وحدت میں نہیں ہے

Scanned by CamScanner

چاند پر نہ جاؤ

۳+۶+۱۲+۲۴+۴۸+۳

دیکھو اس کو یوں سمجھو

"مطلق" تو اک وحدت ہے

انا، ارادہ اور آگاہی

ایک میں تین اور تین میں ایک

یہ ایک شجر ہے

جس سے کچھ شاخیں پھوٹی ہیں

(ہر شاخ پہ بندھن بڑھتے جاتے ہیں)

اور آخری شاخ قمر ہے

بیچ میں جو کچھ ہے یوں ہے

کل دنیائیں۔۔۔۔ تین

سارے سورج۔۔۔۔ چھ

اپنا سورج۔۔۔۔ بارہ

اپنی زمین۔۔۔۔ اڑتالیس

اس کے بعد وہی ویرانہ ہے

جس میں ہونا اور نہ ہونا دونوں یکساں ہیں

اس ویرانے میں جانے سے بہتر اپنی زمیں پہ مر جانا ہے

Scanned by CamScanner

آئینہ

یہ چہرہ کتنا کالا اور بھدا ہے
یہ صورت اچھی ہے لیکن اس کی آنکھوں میں عیاری ہے
یہ ہونٹ بہت ہنستے ہیں لیکن ان پر جھوٹ اور بد چلنی کی
مہریں لگی ہوئی ہیں
افسوس کہ مجھ کو چیزیں ویسی نظر آتی ہیں جیسی وہ ہیں

Scanned by CamScanner

آخری تسلی

بالآخر تسلی کے ہر لفظ کو بے اثر دیکھ کر
اُس نے مجھ سے کہا
مری زندگی میں تمہارے لیے
مجھے بھول جانا تو ممکن نہیں ہے
پھر بھی شاید تمہیں
صبر آجائے گا
مجھے یاد کرنا
مگر یہ سمجھنا
کہ میں مر چکی ہوں

Scanned by CamScanner

ندامت

تم سچائی کی دیوانی تھیں
جو مجھ میں نہیں تھی
میں جھوٹا اُس سچ سے ڈرتا تھا
جو روحوں کو پتھر کر دیتا ہے
اب دونوں جھوٹے سچے
اپنے اپنے جھوٹ اور سچ پر نادم ہیں

Scanned by CamScanner

اِنٹیوشن

اس نے کہا میں انٹیوشن سے کہتا ہوں
اِن ہنگاموں سے کچھ نہ ہو گا
جمہور تو اندھے ہوتے ہیں
اور ان کے لیڈر اندھوں میں کانے ہیں
آئین کا بننا مشکل ہے
بن جائے تو معطل ہو گا
اور اِس ملک میں پھر اک آمر آئے گا
نوکر شاہی کھل کھیلے گی
اور ہم جیسے باتیں کرنے والے
چائے خانوں میں
یونہی گپ شپ کرتے جائیں گے
میں اُس کی باتیں خاموشی سے سنتا رہا
اُن میں سچائی تو تھی پر منفی سچائی تھی
میں نے اپنی کاپی پر لکھا
کچھ لوگوں کو "انٹیوشن" کا دعویٰ ہوتا ہے
اور "ٹیوشن" کی ضرورت ہوتی ہے

Scanned by CamScanner

دُعا

خداوندا

مجھے نانِ شبینہ دے

شکم کے دوزخی آزار سے مجھ کو بچالے

روح کو تابندہ تر کر دے

کہ میں زندہ رہوں اس حرفِ شیریں سے

جو تو خود ہے

Scanned by CamScanner

کسی دشت کا لبِ خشک ہوں جو نہ پائے مژدہ آب تک
کبھی آئے بھی مری سمت کو تو برس نہ پائے سحاب تک

میں طلب کے دشت میں پھر چکا تو یہ راز مجھ پہ عیاں ہُوا
مری تشنگی کے یہ پھیر ہیں کہ جو آب سے ہیں سراب تک

تجھے جان کر یہ پتا چلا تو مقامِ دید میں اور تھا
کئی مرحلے ہیں فریب کے مری آنکھ سے مرے خواب تک

میں وہ معنیِ غمِ عشق ہوں جسے حرف حرف لکھا گیا
کبھی آنسوؤں کی بیاض میں کبھی دل سے لے کے کتاب تک

نیا مضمون کتابِ زیست کا ہوں
نہایت غور سے سوچا گیا ہوں
میری سیرابیوں میں تشنگی ہے
کہ میں دریا ہوں لیکن ریت کا ہوں
وہ رن مجھ میں پڑا ہے خیر و شر کا
کہ اپنی ذات میں اک کربلا ہوں
خود اپنی دید سے اندھی ہیں آنکھیں
خود اپنی گونج سے بہرا ہوا ہوں

Scanned by CamScanner

غم ہے پہ فسردگی کہاں ہے
غم میرے چراغ کا دھواں ہے

وہ آنکھ ہے اور لمحہ لمحہ
غمخواریٔ عمرِ رائیگاں ہے

سایہ سا ہے تیرے چشم و لب پر
یہ کون ہمارے درمیاں ہے

دریائے طلب کے دونوں جانب
اک ریت کا ساحلِ رواں ہے

اب میرے لیے مرے سفر میں
خود میرا وجود کارواں ہے

Scanned by CamScanner

بزم آخر ہوئی شمعوں کا دھواں باقی ہے
چشمِ نم میں شبِ رفتہ کا سماں باقی ہے

کٹ گئی عمر کوئی یاد نہ منظر نہ خیال
ایک بے نام سا احساس زیاں باقی ہے

کس کی جانب نگراں ہیں مری بے خواب آنکھیں
کیا کوئی مرحلہ عمرِ رواں باقی ہے

آج بھی تو وہی اندازِ نظر ہے اُس کا
اب بھی اک سلسلۂ وہم و گماں باقی ہے

سلسلے اس کی نگاہوں کے بہت دور گئے
کارِ دل ختم ہوا کارِ جہاں باقی ہے

آج اک عمر میں اُس آنکھ نے پوچھا ہے سلیم
اب بھی کیا پہلی سی بیتابی جاں باقی ہے

Scanned by CamScanner

وہ لوگ بھی ہیں جو موجوں سے ڈر گئے ہوں گے
مگر جو ڈوب گئے پار اتر گئے ہوں گے

لگی یہ فکر نئی دل کو آکے منزل پر
کہاں بھٹک کے مرے ہم سفر گئے ہوں گے

چلے تو ایک ہی رستے پہ ہم مگر نہ ملے
کہیں قریب سے ہو کر گزر گئے ہوں گے

پلٹ کے آنکھ میں وہ موجِ خوں نہیں آئی
چڑھے ہوئے تھے جو دریا اتر گئے ہوں گے

جو مل گیا ہے تو اب مجھ سے حالِ ہجر نہ پوچھ
کسی طرح سے وہ دن بھی گزر گئے ہوں گے

Scanned by CamScanner

بہت غم سے مکدر ہو گیا ہوں
میں آئینہ تھا پتھر ہو گیا ہوں

غرورِ تشنگی سے رفتہ رفتہ
بجائے خود سمندر ہو گیا ہوں

بہت کم تھا میں اپنی آگہی سے
سو اب اپنے برابر ہو گیا ہوں

گریں اندھی امیدوں کی فصیلیں
میں ہر زنداں سے باہر ہو گیا ہوں

کسی نے جس کو دیکھا ہی نہیں ہے
میں وہ نادیدہ منظر ہو گیا ہوں

Scanned by CamScanner

اس آنکھ میں خوابِ ناز ہو جا
اے ہجر کی شب دراز ہو جا

اسرار تمام کھل رہے ہیں
تو اپنے لیے بھی راز ہو جا

اے نغمہ نوازِ آخرِ شب
آہنگِ شکستِ ساز ہو جا

دیوار کی طرح بند کیوں ہے
دستک کوئی دے تو باز ہو جا

اب دن تو غروب ہو رہا ہے
سائے کی طرح دراز ہو جا

یاں فتح سبب ہے سرکشی کا
تو ہار کے سرفراز ہو جا

تو شیشہ بنے کہ سنگ، کچھ بن
اندر سے مگر گداز ہو جا

اس آنکھ سے سیکھ رازِ عصمت
کھل کھیل کے پاکباز ہو جا

کیسا لمحہ تھا وہ کیا وقتِ سفر آیا تھا
میں تری بزم سے بادیدۂ تر آیا تھا

تری شاخوں پہ کسی طائرِ وحشی کی طرح
میں گھنی چھاؤں میں دم لینے اتر آیا تھا

وہ تری یاد تھی دل میں کہ مسافر کوئی
ایک شب کے لیے پردیس سے گھر آیا تھا

اس کو منزل نہ کہوں وہ میری واماندگی تھی
راہ میں مرحلۂ ترکِ سفر آیا تھا

ایک تتلی کی طرح لمس کی لذت سے سلیم
رنگ اُس کا مرے ہاتھوں پہ اتر آیا تھا

Scanned by CamScanner

یہ خواب اور بھی دیکھیں گے رات باقی ہے
ابھی تو اے دلِ زندہ حیات باقی ہے

مرے لہو میں ابھی ترکِ عشق کے باوصف
وہ گرمیٔ نگہِ التفات باقی ہے

ابھی تو ذوقِ طلب میں کمی نہیں آئی
ابھی مرا سفرِ بے جہات باقی ہے

جو ہو سکے تو شہادت گہہِ نظر میں آ
یہ دیکھ عشق میں کتنا ثبات باقی ہے

یہ کائنات ابھی ایک انتظار میں ہے
کہ ہونے والی کوئی واردات باقی ہے

خود اپنی آگ سے تُو جی اُٹھے شرر کی طرح
یہ معجزہ ابھی اے کائنات باقی ہے

شبِ وصال میں دن بھی ملا نہ لیں اے دوست
کہ رات ختم ہوئی اور بات باقی ہے

ہوئی ہے شاخِ ہنر میں نئی نمو اب کے
سلیم برگِ خزاں سے نجات باقی ہے

Scanned by CamScanner

جدائی کب تھی کہاں ہوئی تھی میں اِس سے بھی بے خبر گیا ہوں
تو سایہ آسا تھا ساتھ میرے میں تجھ سے چھٹ کر جدھر گیا ہوں

مجھے سمیٹو تو میرے اندر نئے معانی ہیں نقش بستہ
کتابِ خود آگہی ہوں لیکن ورق ورق میں بکھر گیا ہوں

مری طبیعت کے ساحلوں پر ہے مرگ آسا سکوت طاری
یہ پیش خیمہ ہے آتے طوفاں کا جس کی شدت سے ڈر گیا ہوں

وہی شب و روز زندگی کے ہنسی بھی اشکوں کے سلسلے بھی
مگر یہ محسوس ہورہا ہے کہ جیسے اندر سے مر گیا ہوں

مرے سوا کون ہے کہ جس نے معاشِ غم اختیار کی ہے
میں ایک الزامِ زندگی تھا سو آج اپنے ہی سر گیا ہوں

اسی کو ترکِ وفا کا گماں ستانے لگے
جسے بھلاؤں تو کچھ اور یاد آنے لگے

اسے سنبھال کے رکھو خزاں میں لو دے گی
یہ خاکِ لالہ و گل ہے کہیں ٹھکانے لگے

تجھے میں اپنی محبت سے ہٹ کے دیکھ سکوں
یہاں تک آنے میں مجھ کو کئی زمانے لگے

بہار آئی وہ موجِ طرب لہو میں اُٹھی
کہ روح رقص میں آجائے جسم گانے لگے

یہ اُس کا جسم ہے یا ہے طلسمِ خواب کوئی
ادھر نگاہ اٹھاؤں تو نیند آنے لگے

وہ حرفِ تازہ کہ گل سا کھلے کہاں سے ملے
کہ زخم بھر گئے اور درد سب پرانے لگے

وہ لمحے بھول کے جن کو کوئی کمی بھی نہ تھی
جو یاد آئے تو کچھ اور دل دُکھانے لگے

کسی بہار سے تسکینِ آرزو نہ ہوئی
جو پھول صبح کھلے شام کو پرانے لگے

نویدِ دوریٔ منزل ثبات دے مجھ کو
کہ قرب سے تو قدم اور ڈگمگانے لگے

وفا بھی حل ہو تو ایسا نہ ہو سلیم کہ پھر
دلِ خراب نئے مسئلے اٹھانے لگے

Scanned by CamScanner

کسی نے بھی مجھے سمجھا نہیں ہے
یہ شکوہ ہے کوئی دعویٰ نہیں ہے

تجھے چاہا ہے جس ساعت میں، مَیں نے
وہ ساری عمر ہے لمحہ نہیں ہے

ابھی ہوں ایک مبہم سا تصور
ابھی اُس نے مجھے سوچا نہیں ہے

سکوں اِس راہ میں کیا ڈھونڈتے ہو
یہ صحرا ہے یہاں سایہ نہیں ہے

لکیروں میں چھپی ہیں صورتیں کچھ
مصور نے جنہیں دیکھا نہیں ہے

چلی ہے موج میں کاغذ کی کشتی
اسے دریا کا اندازہ نہیں ہے

Scanned by CamScanner

میں سر چھپاؤں کہاں سایۂ نظر کے بغیر
کہ تیرے شہر میں رہتا ہوں اور گھر کے بغیر

مجھے وہ شدتِ احساس دے کہ دیکھ سکوں
تجھے قریب سے اور منتِ نظر کے بغیر

یہ شہر ذہن سے خالی نمو سے عاری ہے
بلائیں پھرتی ہیں یاں دست و پا و سر کے بغیر

نکل گئے ہیں جو بادل برسنے والے تھے
یہ شہر آب کو ترے گا چشمِ تر کے بغیر

کوئی نہیں جو پتادے دلوں کی حالت کا
کہ سارے شہر کے اخبار ہیں خبر کے بغیر

میں پاؤں توڑ کے بیٹھا رہا کہیں نہ گیا
سلیم منزلیں طے ہوگئیں سفر کے بغیر

Scanned by CamScanner

کس کو فرصت کہ ٹھٹک جائے ٹھہرنے کے لیے
منزلیں راہ میں آتی ہیں گزرنے کے لیے

موجِ دریا وہ محبت کے سفینے ہوں گے
جو کہیں ڈوب گئے پار اترنے کے لیے

رات کو خالی مکانوں میں دیے جلتے ہیں
جانے کون آتا ہے شب بھر کو ٹھہرنے کے لیے

جن کو گہرائی سے نسبت ہے وہ موجوں کی طرح
تہہ نشیں ہوگئے کچھ اور اُبھرنے کے لیے

ہم تو دیوانے ہیں اقرارِ محبت کے سلیم
جو کیا جاتا ہے پل بھر میں مکرنے کے لیے

Scanned by CamScanner

یہ خاک مرے رزق کی ضامن ہے امیں ہے
جس خاک کا میں رزق ہوں وہ اور کہیں ہے

جس نے تجھے دُکھ سہنے کی توفیق نہیں دی
وہ اور کوئی شے ہے محبت تو نہیں ہے

ٹُوٹے ہوئے تاروں کی لکیریں مری یادیں
تُو بھی کوئی ٹوٹا ہوا تارا تو نہیں ہے

یہ لمحۂ موجود ہی وہ روزِ جزا ہے
جس پر تجھے کس درجہ یقیں تھا کہ نہیں ہے

تو منکرِ قانونِ مکافاتِ عمل تھا
لے دیکھ ترا عرصۂ محشر بھی یہیں ہے

Scanned by CamScanner

سلیم کس کو بتاؤں ابھی سے کیا ہوں میں
ابھی تو کارِ تمنا کی ابتدا ہوں میں

تری کشش سے ترے گرد رقصِ شوق میں ہوں
جو قُرب سے نہیں گھٹتا وہ فاصلہ ہوں ہو

مری شکست سے تو بھی بکھر نہ جائے کہیں
مجھے سنبھال کے رکھ تیرا آئینہ ہوں میں

نشاط و درد کے ہر حال میں ہُوا محسوس
کہ جیسے دُور کھڑا خود کو دیکھتا ہوں میں

تو یاد ہے تیرا کوئی حوالہ یاد نہیں
وفا جفا کے وہ قصے بھلا چکا ہوں میں

Scanned by CamScanner

سلیم کس کو بتاؤں ابھی سے کیا ہوں میں
ابھی تو کارِ تمنا کی ابتدا ہوں میں

تری کشش سے ترے گرد رقصِ شوق میں ہوں
جو قُرب سے نہیں گھٹتا وہ فاصلہ ہوں میں

مری شکست سے تو بھی بکھر نہ جائے کہیں
مجھے سنبھال کے رکھ تیرا آئینہ ہوں میں

نشاط و درد کے ہر حال میں ہُوا محسوس
کہ جیسے دُور کھڑا خود کو دیکھتا ہوں میں

تو یاد ہے تیرا کوئی حوالہ یاد نہیں
وفا جفا کے وہ قصے بھلا چکا ہوں میں

ہے تیری طرح مشکل مجھ کو بھی بدل جانا
تقدیرِ محبت نے دونوں کو اٹل جانا

یاں ترکِ سفر ہی سے منزل نئی ملتی ہے
رستے میں ٹھہر جانا اور دور نکل جانا

پروانوں کے جینے کا اسلوب پسند آیا
شب رقصِ جنوں کرنا اور صبح کو جل جانا

میں گل تو نہیں لیکن نازک ہوں سوا گُل سے
اے بادِ صبا میری کروٹ تو بدل جانا

میں اُس کو بھول گیا تھا وہ یاد سا آیا
زمیں ہلی تو میں سمجھا کہ زلزلہ آیا

پھر اس کے بعد کئی راستے کئی گھر تھے
وہ موڑ تک مجھے رُک رُک کے دیکھتا آیا

میں اس کو ڈھونڈنے نکلا تو میرے جانے کے بعد
گلی گلی مجھے گھر تک وہ پوچھتا آیا

جدا ہوئے تو زماں و مکاں کے بُعد کے ساتھ
جو راہ میں تھا دلوں میں وہ فاصلہ آیا

میں آئینہ تو نہیں ہوں پہ ایک سوچ میں ہوں
تُو خود نمائی کے جوہر کہاں چھپا آیا

سلیم ترکِ رہ و رسم ترکِ عشق نہیں
جدھر سے گزرے ادھر اُس کا راستا آیا

Scanned by CamScanner

عشق جبرِ حال کا پابند ہے
گھر میں رہیے راہِ صحرا بند ہے

دامنِ مژگاں بھی نم ہوتا نہیں
آنکھ میں آشوبِ دریا بند ہے

اس پہ کیا پگھلیں کہ دل پتھر ہوا
اس پہ کیا روئیں کہ رونا بند ہے

ایک اک پتی میں گلشن ہے اسیر
ایک اک ذرے میں صحرا بند ہے

شہر ناپُرساں ہے شہر ادراک کا
کوئے آگاہی کا رستا بند ہے

ایک قطرہ خشک آنکھوں کی سبیل
اور اِس قطرے میں دریا بند ہے

بند رہنے دو تصور میں انہیں
اِن اُجاڑ آنکھوں میں دنیا بند ہے

Scanned by CamScanner

تُو دن کی طرح نکل رہا تھا
سورج تھا کہ آنکھ مل رہا تھا

جنگل میں لگی ہو آگ جیسے
یوں میرا وجود جل رہا تھا

تو برف کی طرح رفتہ رفتہ
حدت سے مری پگھل رہا تھا

موسم کی طرح ہوا کی صورت
ہر آن میں تو بدل رہا تھا

پرچھائیں کی طرح گھٹتا بڑھتا
میں بھی ترے ساتھ چل رہا تھا

دنیا پہ نگاہ پڑ رہی تھی
میں غم سے ترے سنبھل رہا تھا

ہرچند ہوائیں تیز تر تھیں
پر میرا چراغ جل رہا تھا

اب جس کا اُتار ہیں دو عالم
وہ نشہ تو ایک پل رہا تھا

Scanned by CamScanner

بے نگاہی کا ترے دل پہ اثر ہو شاید
دل کی تسکین یہی ترکِ نظر ہو شاید

تیری آنکھوں نے مناظر کو کیا ہے زندہ
میری جانب بھی کبھی تیری نظر ہو شاید

کوئی رستہ نظر آئے تو ٹھٹک جاتا ہوں
سوچتا ہوں کہ تری راہگزر ہو شاید

میری منزل جسے سمجھی ہے شکستہ پائی
پھر یہیں سے کوئی آغازِ سفر ہو شاید

آگے بڑھتا ہوں ٹھٹکتا ہوں پلٹ آتا ہوں
جس کو چھوڑ آیا ہوں پیچھے مرا گھر ہو شاید

Scanned by CamScanner

قضا لیتی ہے ہر شے کا حساب آہستہ آہستہ
اُترتے ہیں زمینوں پر عذاب آہستہ آہستہ

سبب یا مصلحت کھلتی نہیں لیکن یہ حیرت ہے
جرائم تیز تر اور احتساب آہستہ آہستہ

کسی کو کیا دلوں کو بھی خبر ہونے نہیں پاتی
بدل جاتی ہے چشمِ انتخاب آہستہ آہستہ

تو اے محوِ نظر یہ رازِ خدوخال کیا جانے
کہ بن جاتا ہے ہر چہرہ نقاب آہستہ آہستہ

یہ تیرے اہلِ دنیا صرف بیداری کے قائل ہیں
بنادے ان کو بھی مانوسِ خواب آہستہ آہستہ

پتا چلتا نہیں اب کون سا ٹکڑا کہاں کا ہے
کہ گڈمڈ ہوگئے تعبیر و خواب آہستہ آہستہ

کشش گھر کی بُلائے گی تو کوئے نامرادی سے
پلٹ کر آئیں گے خانہ خراب آہستہ آہستہ

طلب نے خود ہی پیدا کی ہے یہ دنیا سوالوں کی
طلب ہی ڈھونڈ لے گی خود جواب آہستہ آہستہ

زمیں سے دور تر ہو کر کہیں تارا نہ بن جائے
بلندی کی ہوس میں آفتاب آہستہ آہستہ

جو بات دل میں تھی وہ کب زبان پر آئی
سُنا رہا ہے فسانے فریب گویائی

نئے چراغ سرِ رہگزر جلا آئی
ہوائے نگہتِ گل تھی کہ میری بینائی

تو گرم رات میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا تھا
ذرا قریب سے گزرا تو نیند سی آئی

وہ یاد آئے تو دل اور ہوگیا ویراں
وہ مل گئے تو بڑھا اور رنجِ تنہائی

بہت دنوں سے مرا دل اُداس بھی تو نہیں
بہت دنوں سے تری یاد بھی نہیں آئی

جو بات تجھ میں ہے وہ دوسروں میں کیا ملتی
جو بات مجھ میں ہے تو نے بھی وہ کہاں پائی

سلیم قُرب سے بھی تشنگی نہیں جاتی
یہ بات ساحل و دریا نے مجھ کو سمجھائی

Scanned by CamScanner

نایاب ہیں اتنے کہ جہاں میں نہیں ملتے
ہم کارِ گہہِ سود و زیاں میں نہیں ملتے

دیکھا ہے ہر اک حرف کے سینے میں اُتر کر
وہ معنی ناگفتہ زباں میں نہیں ملتے

سینہ میں وہ کچھ اور تھا لفظوں میں ہے کچھ اور
غم کے کئی انداز بیاں میں نہیں ملتے

صورت سے جو ظاہر ہے وہ دل میں نہیں تیرے
جو رنگ بدن میں ہیں وہ جاں میں نہیں ملتے

مجھ تک نہیں آئے تو ہدف کون تھا ان کا
جو تیر تھے ترکش میں کماں میں نہیں ملتے

خود میں نے بنائے کہ بہل جائے مرا دل
کچھ ایسے کھلونے جو دکاں میں نہیں ملتے

لے آیا ہوں میں توڑ کے شاخوں سے وفا کی
یہ پھول ترے صحنِ مکاں میں نہیں ملتے

Scanned by CamScanner

پرسش التفات سے اور قلق سوا ہُوا
حرفِ تپاکِ حُسن میں زہر سا تھا ملا ہُوا

یوں بھی ہزار کاہشیں باعثِ اضطراب تھیں
اور تری جدائی کا زخم بھی تھا لگا ہوا

موت کی طرح دفعتاً ساعتِ ہجر آئی تھی
جیسے چراغ جل بُجھے مجھ سے وہ یوں جدا ہُوا

میرا ملالِ بے سبب تجھ پہ کہیں گراں نہ ہو
آج نہ مل کہ آج تو دل ہے بہت دُکھا ہُوا

آئینہ خانۂ جہاں میرے لیے وبال ہے
نکلا تری تلاش میں اپنا ہی سامنا ہُوا

زرد تمام برگ تھے سارے نشانِ مرگ تھے
ایسی گھٹا برس پڑی باغ مرا ہرا ہوا

بادِ بہارِ شوق نے پھول نئے کھلا دیے
روح کی تازگی نہ پوچھ سارا بدن نیا ہُوا

Scanned by CamScanner

خون میں کچھ تو شرافت کا اثر بھی چاہیے
تیرے سرمائے میں میراثِ پدر بھی چاہیے

بے نیازی ڈھونگ ہے تجھ کو طلب ہی کچھ نہیں
زخم مجھ میں ہے تو مجھ کو چارہ گر بھی چاہیے

دیکھنا ہے کچھ تو اپنی آنکھ کا منکر نہ ہو
دیدِ منظر کے لیے تیری نظر بھی چاہیے

رنج سے افلاس کے تُو زر کا منکر ہو گیا
ورنہ جینے کے لیے تھوڑا سا زر بھی چاہیے

صرف منزل کے تعین سے نہیں چلتا ہے کام
ہر سفر کے واسطے رختِ سفر بھی چاہیے

تو نے گھر چھوڑا مگر گھر سے تعلق کو نہ توڑ
گاہے گاہے وحشتیں کم ہوں تو گھر بھی چاہیے

صرف باتوں سے جیو گے تم بھلا کب تک سلیم
زندہ رہنا ہے تو پیارے کچھ ہنر بھی چاہیے

Scanned by CamScanner

وصل و فصل کی ہر منزل میں شامل اک مجبوری تھی
تجھ سے ملتے تو کیا ملتے خود سے بھی مہجوری تھی

وصل کے سارے لمحے جھوٹے ملنا قرضِ جُدائی تھا
ساتھ ہمارے پہلو بہ پہلو قرب کے بھیس میں دوری تھی

آہوں کی تعمیریں کی تھیں صبر کے باغ لگائے تھے
شہرِ وفا میں محنتِ جاں کی روز نئی مزدوری تھی

باتیں لاکھوں کچھ بھی کہیئے لیکن اس کے بعد یہ فکر
جانے کیا کہنا بھولے ہیں کوئی بات ضروری تھی

قصہ چھیڑا مہر و وفا کا اول شب اُن آنکھوں نے
رات کٹی اور عمر گزاری پھر بھی بات ادھوری تھی

بعد میں کیا انجام ہوا یہ آگے پڑھنے والے بتائیں
اُس کی کتابِ دلداری کی پہلی جلد تو پوری تھی

Scanned by CamScanner

کون ہوتا ہے ہمارے دلِ تنہا کی طرف
شہر کا شہر ہے اُس انجمن آرا کی طرف

تُو وہ بادل کہ برس جائے تو جل تھل کر دے
میں وہ پیاسا کہ نہ دیکھوں کبھی دریا کی طرف

ایک آواز تعاقب میں رہا کرتی ہے
کوئی آسیب صدا دیتا ہے دنیا کی طرف

قافلے روز چلے جاتے ہیں گرد اُڑتی ہے
شہر آباد ہوا ہے کوئی صحرا کی طرف

لوگ مرتے ہیں فائدے پہ جہاں
میں نے کھولی وہاں دکانِ زیاں

شبِ آفاق کا چراغ ہے یہ
یہ مرا دل یہ شعلۂ رقصاں

دوستی، دشمنی، وصال، فراق
ایک لمحہ میں ہیں کئی امکاں

شہر میں تیرے روشنی ہے بہت
گھر سے نکلے تو رات جائے کہاں

ساحلوں پر سکوت ہے کتنا
آج کی رات آئے گا طوفاں

لوگ کچھ دیر آکے ٹھہرے تھے
یہ جگہ اور ہوگئی ویراں

اے حرفِ اعتبار میں سچ بولتا رہوں
بچوں کی طرح نازِ صداقت کیے بغیر

میں آئینہ نہیں ہوں پہ آئینہ کی طرح
دنیا کے رُوبرو ہوں رعایت کیے بغیر

آسودۂ بہار ہوں مانندِ بوئے گل
لالچ کیے بغیر قناعت کیے بغیر

یہ زندگی بھی کیا ہے کہ زندہ ہے آدمی
نفرت کیے بغیر محبت کیے بغیر

میں چاہتا ہوں صبر کی قوت کو جاننا
دنیا تو کیا خدا سے شکایت کیے بغیر

کیا دور ہے سلیم کہ چلتا نہیں ہے کام
توہینِ اعتبارِ شرافت کیے بغیر

Scanned by CamScanner

آسودہ مزاجی طلب ہوں
دریا ہوں اگرچہ تشنہ لب ہوں

میں غیر کی فتح چاہتا تھا
خود اپنی شکست کا سبب ہوں

سب مجھ کو جلا کے سوگئے ہیں
میں ایک چراغِ نیم شب ہوں

ٹھہر جاتے ہیں کہ آدابِ سفر جانتے ہیں
ورنہ منزل کو بھی ہم راہگذر جانتے ہیں

نامرادانِ محبت کو حقارت سے نہ دیکھ
یہ بڑے لوگ ہیں جینے کا ہنر جانتے ہیں

شرطِ ویرانی سے واقف ہی نہیں شہر کے لوگ
در و دیوار بنا کر اُسے گھر جانتے ہیں

دیکھ اے دستِ عطا تیری غلط بخشی کو
یہ الگ بات کہ ہم چپ ہیں مگر جانتے ہیں

ان کو تسکینِ حضر دے کہ ترے خانہ بدوش
گھر کو منجملۂ اسبابِ سفر جانتے ہیں

ہر طرف معرکۂ سود و زیاں جاری ہے
دستِ خالی کو سلیمؔ اپنی سپر جانتے ہیں

Scanned by CamScanner

خود اپنی ذات میں پیکارِ کفر و دیں ہُوں میں
گماں ہوں وہم ہوں تشکیک ہوں یقیں ہُوں میں

میں بے نیاز ہوں محرومِ مدعا نہ سمجھ
کہ ایک دستِ طلب زیرِ آستیں ہُوں میں

سفر تمہاری ہی جانب ہے کوئی منزل ہو
تمہارے نام سے منسوب ہوں کہیں ہُوں میں

جسے اُجاڑ گئے اُس کی بستیوں والے
خود اپنے لوگوں سے محروم سرزمیں ہُوں میں

ہر ایک سمت سے پڑتی ہے کشت و شہ مجھ کو
سلیم خانۂ شطرنج میں مکیں ہُوں میں

منزل کا پتا ہے نہ کسی راہگذر کا
بس ایک تھکن ہے کہ جو حاصل ہے سفر کا

مدّت سے خدا بھی نہیں آیا مرے دل میں
بچوں کی طرح بھول گیا راستہ گھر کا

اِس راز کو اے تشنہ لباس فاش نہ کرنا
یہ سامنے دریا ہے کہ دھوکا ہے نظر کا

اِس راہِ سکوں میں تو سلیم آئے نہیں تھے
معلوم نہیں آج ارادہ ہے کدھر کا

کمی تو گرمیٔ گفتار میں نہیں آئی
مگر وہ بات جو اظہار میں نہیں آئی

جو موجِ رقصِ جنوں بے قرار ہے مجھ میں
وہ تیری شوخیٔ رفتار میں نہیں آئی

بنادے توڑ کے مجھ کو، ابھی وہ سفاکی
مزاجِ یارِ کم آزار میں نہیں آئی

ہمیں نہ ٹھہرے یہ کچھ اور بات ہے ورنہ
کمی اس آنکھ کے اصرار میں نہیں آئی

ترا سخن ہے کہ جلتے چراغ ہیں سرِ شام
یہ روشنی مرے اشعار میں نہیں آئی

Scanned by CamScanner

تھی کبھی وسعتِ اندیشہ بیاباں کی طرح
آج ہر لمحۂ موجود ہے زنداں کی طرح

جانے کس رات کوئی نیند کی مانند آجائے
چشمِ بے خواب ہے دروازہ امکاں کی طرح

ربطِ شیرازۂ تخلیق بہم ہے ہم سے
پھر بھی ہم لوگ ہیں اوراقِ پریشاں کی طرح

وشتِ بے آب کے مانند مری تشنہ لبی
اور تُو میرے لیے ابرِ گریزاں کی طرح

کوئی خواہش بھی نہیں ہے تو یہ کیا شے ہے سلیم
تیرے سینے میں کسی شعلۂ لرزاں کی طرح

Scanned by CamScanner

یوں نہ سیکھا تھا گریز اہلِ سفر نے پہلے
قافلے آتے تھے منزل پہ ٹھہرنے پہلے

میرے اندر جو خموشی تھی وہ باہر گونجی
دلِ ویراں کی خبر دی مجھے گھر نے پہلے

کھیل طفلی میں کئی اور تھے لیکن مجھ کو
اپنا دیوانہ کیا رقصِ شرر نے پہلے

بڑھ گئی بات تو دل کو مرے الزام نہ دے
سخن آغاز کیا تیری نظر نے پہلے

خبر دُوری منزل تو کسے تھی لیکن
حوصلہ ہار دیا اہلِ سفر نے پہلے

اب خزاں میں کسی طائر کی تمنا بھی نہیں
سائے پھیلائے بہت شاخِ شجر نے پہلے

سرفروشانِ محبت کی ادا تو دیکھو
طلبِ زیست میں نکلے ہیں یہ مرنے پہلے

نقشِ دنیا طلبی یوں نہ اُترتا تجھ میں
کردیا موم تجھے آتشِ زر نے پہلے

ہوش منزل کا بہت بعد میں آیا ہے سلیم
مجھ کو دیوانہ کیا راہگذر نے پہلے

بجھ گئی آگ محبت کی مگر باقی ہے
ایک بیتابیِ جاں رقصِ شرر کی صورت
شاخ در شاخ ہے بڑھتی ہوئی تاریکیِ جاں
رات اُگ آئی ہے سینے میں شجر کی صورت
اب یہ سوچا ہے کہ منزل سے کریں ترکِ نظر
اور دیکھیں نہ کبھی راہگذر کی صورت

تجھ سے ملنے سے بھاگتا ہوں میں
اپنی خواہش سے ڈر گیا ہوں میں
شام کا بوجھ اٹھ نہیں سکتا!
کیا کہوں کتنا تھک چکاں ہوں میں
پہلے تنہائیوں سے وحشت تھی
اب تو مانوس ہوگیا ہوں میں
تجھ کو صورت سے جانتا ہوں مگر
نام کیا ہے یہ بھولتا ہوں میں
جن سے آئینہ بھی گریزاں ہو
ایسے چہروں کو دیکھتا ہوں میں
دور کے قافیے کی طرح سلیم
کبھی خود کو بھی سوچتا ہوں میں

Scanned by CamScanner

تو ہے خاشاک تجھے آتشِ گل سے کیا کام
بو الہوس دائرہ شعلۂ رقصاں میں نہ جا

نقشِ جاوید اسی ساعتِ امروز میں ہے
دوش و فردا کے لیے وقتِ گریزاں میں نہ جا

جانے کس نے سرِ دیوار جلایا ہے چراغ
رات کا وقت ہے اس خانۂ ویراں میں نہ جا

شامِ اقرارِ محبت یہ ترا قصدِ وداع
دیکھ کیا جشنِ چراغاں ہے دل و جاں میں نہ جا

میں رہا ٹوٹے ہوئے شیشوں کے ساتھ
ہر تعلق نے مجھے زخمی کیا

رات بھر پرچھائیوں سے جنگ کی
میرا دشمن ایک مٹی کا دیا

ٹکڑوں ٹکڑوں میں بسر کرتا ہوں عمر
لمحہ بھر کو جی اُٹھا پھر مر گیا

جیسے ہمسائے ہوں میرے شہر کے
خواہشیں باہم نہیں ہیں آشنا

میں کسی سے کیا وفا کرتا سلیم
میں نے اپنے ساتھ بھی دھوکا کیا

Scanned by CamScanner

آمدِ شامِ وصل ہے ہجر کی دوپہر گئی
تپتی چھتوں پہ دُور تک دھوپ جو تھی اُتر گئی

صورتِ یارِ دل نواز ویسے بھی جاں فریب تھی
آئینہ خیال میں اور بھی کچھ سنور گئی

دورِ حیاتِ عشق میں اتنے تو مہرباں نہ تھے
دیکھ تو اے تپاکِ حسن آج کہاں نظر گئی

مرگِ وفا کا سانحہ مجھ پہ عجب گزر گیا
اس پہ یہ فکرِ جاں گداز اُس کو اگر خبر گئی

صورتِ یارِ ماہرُو خال بہ خال مُو بہ مُو
یاد تھی مجھ کو ہُوبہو دھیان سے اب اُتر گئی

شکوۂ جبرِ ہجر کیا حسرتِ وصل بھی نہیں
جس کے تھے سارے سلسلے خواہشِ زیست مر گئی

Scanned by CamScanner

نازِ تشنہ لبی سے مجھے
ایک ہوئے ہیں آب و سراب

وصل میں کیا تسکین ملے
موج ہے دریا میں بیتاب

سب کی اپنی اپنی رات
سب کے اپنے اپنے خواب

اک لمحہ میں کھنچ آیا!
ساری عمر کا پیچ و تاب

کشاکشِ دل و دنیا کو تیز کرتا رہا
طلب اُسی کی اُسی سے گریز کرتا رہا

سکوں کہ جانِ عمل ہے اُسے نصیب کہاں
ہوس پرست بہت جست و خیز کرتا رہا

امیدِ زخم تھی جس سے وہ دستِ قاتل بھی
اجل فریب تھا خنجر کو تیز کرتا رہا

Scanned by CamScanner

اپنی حدودِ ذات سے اپنی ہی سمت ہوں رواں
آپ ہی میرِ کارواں آپ ہی گردِ کارواں

زہر ہے میرے جام میں ہونٹوں پہ آگئی ہے جاں
ذائقۂ حیات سے اینٹھ گئی مری زباں

دہر پہ میں کھلا نہیں مجھ کو خُدا مِلا نہیں
آپ ہی اپنا راز ہوں آپ ہی اپنا رازداں

حُسن کو چھو کے دیکھنا آگ تھا موم کے لیے
روح پگھل کے رہ گئی جسم ہوا دھواں دھواں

گوشِ گلِ بہار میں کس نے کہا ہے حرفِ شوق
کون ہے میرا ترجماں کس کو ملی مری زباں

رفتہ رفتہ تری یادوں سے بسر جاؤں گا
ایک یکجائی کا لمحہ ہوں گزر جاؤں گا!

در و دیوار کی یہ قید مرا گھر تو نہیں
در و دیوار سے نکلوں گا تو گھر جاؤں گا

ایک ٹوٹا ہوا شیشہ ہوں مجھے مت چھونا
میں ذرا ٹھیس لگے گی تو بکھر جاؤں گا

ایک پتھر کی طرح دستِ ہنر مند میں ہوں
ضرب تیشے کی پڑے گی تو سنور جاؤں گا

ایک دو پل کے لیے ہوں تری دیوار کی دھوپ
شام ہوگی تو اندھیروں میں اُتر جاؤں گا

میں نے سوچا تھا جلاؤں گا صداقت کے چراغ
کیا خبر تھی کہ ہوا دیکھ کے ڈر جاؤں گا

زیست کیا چیز ہے اک کارِ تعلق ہے سلیم
بے تعلق رہا ایسا تو میں مرجاؤں گا

Scanned by CamScanner

مجبوریوں کا پاس بھی کچھ تھا وفا کے ساتھ
وہ راستے سے پھر گیا کچھ دور آ کے ساتھ

قربِ بدن سے کم نہ ہوئے دل کے فاصلے
اِک عمر کٹ گئی کسی نا آشنا کے ساتھ

ساتھ اس کے رہ سکے نہ بغیر اس کے رہ سکے
یہ ربط ہے چراغ کا کیسا ہوا کے ساتھ

میں جھیلتا رہاں ہوں عذاب اس کا عمر بھر
بچپن میں ایک عہد کیا تھا خدا کے ساتھ

پہلے تو ایک خانہ ویراں کا شور تھا
اب دل بھی گونجتا ہے خروشِ ہوا کے ساتھ

یہ رنگِ دستِ ناز یونہی تو نہیں سلیم
دل کا لہو بھی صرف ہوا ہے حنا کے ساتھ

Scanned by CamScanner

سرِ بامِ ہوا کب تک جلے گا
یہ مٹی کا دیا کب تک جلے گا

پرائی آگ میں جلنا ہے مشکل
جلے گا دوسرا کب تک جلے گا

چراغوں کی طرح ہاتھوں میں تیرے
ترا رنگِ حنا کب تک جلے گا

کہاں تک راستے تپتے رہیں گے
ہمارا نقشِ پا کب تک جلے گا

ہوا دشمن فضا تاریک تر ہے
چراغِ خود نما کب تک جلے گا

کہا میں نے کہ میں جلتا ہوں غم سے
ان آنکھوں نے کہا کب تک جلے گا

سلیم اپنی نوائے آتشیں سے
دلِ نغمہ سرا کب تک جلے گا

Scanned by CamScanner

سرِ بامِ ہَوا کب تک جلے گا
یہ مٹی کا دیا کب تک جلے گا

پرائی آگ میں جلنا ہے مشکل
جلے گا دوسرا کب تک جلے گا

چراغوں کی طرح ہاتھوں میں تیرے
ترا رنگِ حنا کب تک جلے گا

کہاں تک راستے تپتے رہیں گے
ہمارا نقشِ پا کب تک جلے گا

ہوا دشمن فضا تاریک تر ہے
چراغِ خود نما کب تک جلے گا

کہا میں نے کہ میں جلتا ہوں غم سے
ان آنکھوں نے کہا کب تک جلے گا

سلیم اپنی نوائے آتشیں سے
دلِ نغمہ سرا کب تک جلے گا

Scanned by CamScanner

زندگی عشق کے سب سود و زیاں بھول گئی
کارِ دل بھول گئی کارِ جہاں بھول گئی

دربدر ٹھوکریں کھاکر مری آشفتہ سری
لوٹ کر آئی تو خود اپنا مکاں بھول گئی

اب کبھی آئے تو بیگانہ گزر جاتی ہے
شامِ فرقت تری یادوں کا سماں بھول گئی

کیا خبر سوچتے ہوں ماؤں کے بھیگے آنچل
ذائقہ دودھ کا بچوں کی زباں بھول گئی

جنسِ راحت کا خریدار بناکر مجھے عمر
لے کے بازار میں آئی تو دکاں بھول گئی

یادِ یاراں شبِ تنہائی ہجراں میں سلیم
اک دیا تھا کہ جلا کر سرِ جاں بھول گئی

Scanned by CamScanner

ہمیں بھی یاد ہے عالم جو بزم یار میں تھا
دلِ خراب وہاں تو کسی شمار میں تھا

سبب یہ ہے مری بڑھتی ہوئی اُداسی کا
میں شام ہی سے نئے دن کے انتظار میں تھا

مجھے خبر نہ ہوئی یہ ہوا کی سازش تھی
وہ اک غنیم کا لشکر تھا جو غبار میں تھا

وہ چاہتے تھے مگر میرے دوست کیا کرتے
مرا نصیب تو دشمن کے اختیار میں تھا

مرے جنوں کا کسی فصل سے نہیں پیوند
خزاں میں بھی وہی عالم ہے جو بہار میں تھا

Scanned by CamScanner

قرب کیسا یہ جسم و جاں میں ہے
پھر بھی اک فصل درمیان میں ہے

صرف میں ہی نہیں اُداس اتنا
اک ستارہ بھی آسمان میں ہے

سنگ باری سی شب کو ہوتی ہے
کوئی آسیب اس مکان میں ہے

ڈھونڈتا ہوں ہدف نہیں ملتا
ایک ناوک مری کمان میں ہے

دیکھئے صبح کیا دکھاتی ہے
رات سے کچھ مرے گمان میں ہے

حرف سے دل جھلنے لگتے ہیں
ایک شعلہ مری زبان میں ہے

اک خریدار پوچھتا ہے سلیم
مال کتنا تری دوکان میں ہے

Scanned by CamScanner

غنیمِ وقت سے مصروفِ کار زار میں ہے
یہ حوصلہ مرے عشقِ ستیزہ کار میں ہے

نویدِ وصل مجھے دی ستارہ بینوں نے
کہ جیسے یہ بھی ستاروں کے اختیار میں ہے

ہر ایک سے مرا اندازِ دوستی ہے الگ،
مرا حریف بھی شامل مری قطار میں ہے

ہر اک زمانے میں اسلوبِ تازہ تر کی تلاش
عجب سلیقہ ہوس کو نشاطِ کار میں ہے

مری نگاہ تو امکاں تلاش کرتی ہے
جو گُل کھلا نہیں وہ بھی مری بہار میں ہے

وہ اپنے زیرِ قدم آفتاب رکھتے ہیں
وہاں چراغِ سرِ راہ کس شمار میں ہے

حیاتِ نو یونہی صورت پذیر ہو شاید
ہزار طرح کا امکان انتشار میں ہے

Scanned by CamScanner

پہلے سنتے تھے اب تجربہ ہو گیا اک خلل آ گیا ہے خور و خواب میں
یاد آیا کہ یونہی نظر آئی تھی میرؔ کو بھی تو اک شکل مہتاب میں

مجھ کو بیتابیوں میں سکوں کب ملا جلتی آنکھیں ہیں بیداریوں کا صلہ
عمر اس کی تلاش و طلب میں کٹی اک دنیا نظر آئی تھی خواب میں

مضطرب کر رہا ہوں میں ماحول کو کچھ سوالات سے جیسے بچہ کوئی
گہرے پانی میں ایک کنکری پھینک دے اور ہلچل سی مچ جائے تالاب میں

اب تو اک بے تہی ہے مری روح میں اور ویران سا ہے سوادِ نظر
سوچتا ہوں نئے موسموں میں کہ تھیں کتنی گہرائیاں چشم پُر آب میں

عصر نو میں ترے کرب کو جھیلتا صبحِ فردا کے غم میں سلگتا رہا
جیسے کوئی دیا جل رہا ہو کہیں ایک ویران مسجد کی محراب میں

چاند سے پوچھتی ہے ہوائے سحر اے نگہدارِ شبِ ناظر خشک و تر
ساحلِ بحر سے سر پٹکتا رہا کون تھا رات بھر موجِ بیتاب میں

Scanned by CamScanner

صد کار بے محل میں گنوایا گیا جسے
میں وہ دیا ہوں دن میں جلایا گیا جسے

یہ بارشیں کہیں مری دیوار ڈھا نہ دیں
عمروں کے صرف میں ہے بنایا گیا جسے

صدیوں کی یادگار عمارت یہی تو تھی
تعمیرِ نَو کے شوق میں ڈھایا گیا جسے

آخر اُسی نے خشک کیا رودِ نیل کو
بچپن میں پانیوں میں بہایا گیا جسے

سونے سے بھی سوا ہے وہ آہن مزاج شخص
محنت کی بھٹیوں میں تپایا گیا جسے

Scanned by CamScanner

سماعتوں کو امینِ نوائے راز کیا
میں بے سخن تھا مجھے اس نے نئے نواز کیا

وہ اپنے آپ ہی نادم ہے ورنہ ہم نے تو
تلاش اس کی ہر اک بات کا جواز کیا

یہ اس نگاہ کی ایمائیت پسندی ہے
جو سامنے کی تھیں باتیں انہیں بھی راز کیا

بدن کی آگ کو کہتے ہیں لوگ جھوٹی آگ
مگر اِس آگ نے دل کو مرے گداز کیا

یہاں ہوا سے بچا کر چراغ رکھے ہیں
مکاں کے بند دریچوں کو کس نے باز کیا

Scanned by CamScanner

میں تھا چراغ تو نے صلہ کیا دیا مجھے
میں جل بجھا تو بزم سے اٹھوادیا مجھے

اس راستے میں جو بھی ملا مہرباں ملا
ہر نخلِ سایہ دار نے سایہ دیا مجھے

مجھ پر بہت گراں تھی یہ شامِ مغائرت
بچوں نے اپنی باتوں میں بہلادیا مجھے

اس خوف سے سڑک پہ برہنہ نکل نہ آؤں
اپنا لباس دنیا نے پہنادیا مجھے

پیغام اس بدن کے بہت صاف صاف تھے
لیکن مرے شکوک نے دھوکادیا مجھے

کچھ بھی مری زباں پہ نہ تھا راست کے سوا
میں کیا کروں کہ وقت نے جھٹلادیا مجھے

میں آئینہ تھا عکسِ صداقت کے واسطے
لیکن غبارِ وقت نے دُھندلادیا مجھے

جو لے گئی بہا کے اُسی موج نے سلیم
میں ڈوبنے لگا تو سہارا دیا مجھے

سلیم نغمہ بجاں ہوں فغاں کے موسم میں
عجیب پھول کھلے ہیں خزاں کے موسم میں
یہ کونپلیں مری حیرت کی تہہ سے پھوٹی ہیں
نمو یقیں کی ہُوئی ہے گماں کے موسم میں
وہ حرفِ تازہ جو گُل سا کھلے کہاں سے ملے
مجھے یہ پھول ملا ہے زیاں کے موسم میں
سلیم شاخِ ہنر میں کھلا گُلِ نایافت
بہار آئی غمِ رائیگاں کے موسم میں

وہ اشاراتِ ترک و طلب جل گئے
جو ملاقات کے تھے سبب جل گئے
آگ چہرے سے آنکھیں سلگنے لگیں
بوسۂ گرم سے میرے لب جل گئے
اب تو سورج بھی تارے بھی تاریک ہیں
وقت کی آگ میں روز و شب جل گئے
اب دھویں کی فصیلوں میں تنہا ہوں میں
میرے سارے رفیقانِ شب جل گئے
وہ زمستاں کی شب اور بدن کی وہ آگ
جس میں سب میرے رنج و تعب جل گئے

Scanned by CamScanner

موجِ ہوا کو لکھنے والا پیروں کی زنجیر لکھے
بات وہی ہے ایک غزل کی میں لکھوں یا میؔر لکھے

رات بڑھے تو بجھتے جائیں یہ تقدیر دلوں کی ہے
ایک دیا ہوں ایسا بھی جو راتوں کی تقدیر لکھے

عصمت و عصیاں راز ہیں دونوں کوئی تو ان کے بھید بتائے
میری کتابِ عشق و ہوس کی کوئی تو تفسیر لکھے

میں نے خواب جو دیکھے ہیں میں اُن کو لکھ لکھ ہار گیا
اب مرے بعد کا لکھنے والا خوابوں کی تعبیر لکھے

میں وہ خس ہوں کہ مری اصل تہِ خاک میں ہے
پر مری شاخ سرا پردۂ افلاک میں ہے

بادِ گلزار کبھی میری طرف سے بھی گزر
مرا مسکن بھی یہیں کے خس و خاشاک میں ہے

میں نہ سوچوں تو پریشان خیالی نہ رہے
میری وحشت کا سبب خواہشِ ادراک میں ہے

اِک بگولے کی طرح مجھ کو لیے پھرتی ہے
جانے کیا شے ہے جو بیتاب مری خاک میں ہے

شاخِ سرسبز سے دھوکے میں نہ آنا لوگو
دیکھنا آتشِ سیال رگِ تاک میں ہے

Scanned by CamScanner

جو منحرف تھے انہیں کو گواہ میں نے کیا
سلیمؔ سب سے بڑا یہ گناہ میں نے کیا

جو میرے رنگ تھے سب موقلم کی نذر کیے
نہ کچھ بھی فرقِ سپید و سیاہ میں نہ کیا

یہیں سے خوابِ زلیخا کی راہ جاتی ہے
سو اپنی راہ میں تعمیر چاہ میں نے کیا

کھُلا نہ عصمت و عصیاں کا رازِ سربستہ
اسے نہ چاہ کے کیسا گناہ میں نے کیا

بس اس کے بعد مرے تیرے راستے ہیں الگ
کہ اپنی حد سے زیادہ نباہ میں نے کیا

بس ایک لمحۂ احساس میں سمٹ آیا
جو عمر بھر میں غم گاہ گاہ میں نے کیا

Scanned by CamScanner

صبح سے جاگنا شام تک جاگنا، شام سے جاگنا تا سحر جاگنا
چشمِ بے خواب یہ تیری تقدیر ہے تیری تقدیر ہے عمر بھر جاگنا

میرے ادراک کی انتہا بے نشاں میرے احساس کی سرحدیں بیکراں
منزلِ خواب کا اک مسافر ہوں میں اور ہے میرا رختِ سفر جاگنا

جب ذرا دو پہر دھوپ ڈھلنے لگے جب ذرا شام کے سائے بڑھنے لگیں
درد کی موج جب دل میں اُٹھنے لگے تم بھی اے میرے دیوار و در جاگنا

یہ عدم ہے کہ ہے اک شبِ بیکراں سلسلہ ہے عدم کا کہاں سے کہاں
اور میسر ہوا ہم کو اس رات میں اک دیئے کی طرح مختصر جاگنا

راحتِ یک شبی خواہشِ نفس کی بال کھولے شرارے اڑاتی رہی
دیکھ دشتِ بلائے ہوس ہے یہی رہ کے ہشیار اے ہم سفر جاگنا

Scanned by CamScanner

یہ سانحہ جو ہوا کب مرے قیاس میں تھا
مگر یہ حوصلہ میرا کہ میں حواس میں تھا

میں جانتا ہوں کہ میری شکست سے پہلے
مری سپاہ کا ہر لشکری ہراس میں تھا

وہ سانحہ مجھے بچپن کا یاد ہے اب تک
کہ میرے گھر میں جو آیا سیہ لباس میں تھا

مجھے گلہ نہیں ناقدریٔ زمانہ کا
میں ابتدا سے نگاہِ گہر شناس میں تھا

وہ حادثہ جو ہُوا اس کا رنج کیا کرتا
جو ہونے والا تھا وہ بھی مرے قیاس میں تھا

اتر گیا ترا چہرہ جواب کیا دیتا
یہ کیسا زہر مرے حرفِ التماس میں تھا

نگہ ملی تو دلوں کے چراغ بجھنے لگے
سلیم کیسا اثر تیری چشمِ یاس میں تھا

Scanned by CamScanner

کیسی تیرہ شبی ہے آنکھوں میں
روشنی بجھ گئی ہے آنکھوں میں

تیرا چہرہ مرا ستارہ ہے
اس سے کچھ روشنی ہے آنکھوں میں

آنکھوں آنکھوں میں کیسی بات کہی
خامشی بولتی ہے آنکھوں میں

شہر میں قحطِ آب ہے لیکن
شکر ہے کچھ نمی ہے آنکھوں میں

سو رہی ہیں سکوں نما پلکیں
زندگی جاگتی ہے آنکھوں میں

تیرے دل میں یہ یاد ہے کس کی
ایک پرچھائیں سی ہے آنکھوں میں

اس کے خوابوں میں جاگتا ہوں سلیم
ایک دنیا نئی ہے آنکھوں میں

Scanned by CamScanner

شب نوردانِ محبت پہ نظر رکھتا تھا
میں چراغ اپنے سدا جانب در رکھتا تھا

مری آشفتہ مزاجی کی تو کچھ بات ہے اور
وہ تو باہوش تھا دنیا کی خبر رکھتا تھا

اب سفینے کو مرے سمتِ سفر کون بتائے
ڈوبنے والا ستاروں پہ نظر رکھتا تھا

گھر بنا ہے کوئی اندیشۂ سیلاب مجھے
میں کہ دیوار ہی رکھتا تھا نہ در رکھتا تھا

کیا خبر تھی کہ اندھیروں میں بھٹک جائے گا
وہ ستاروں کو سرِ راہگذر رکھتا تھا

کم عیارانِ زمانہ نے مری قدر نہ کی
میں تہی دست سہی نقدِ ہنر رکھتا تھا

Scanned by CamScanner

ترے خیال سے پیکر نئے بناؤں گا
میں اس دیئے سے ہزاروں دیئے جلاؤں گا

کہ جیسے روشنیاں روشنی میں گم ہو جائیں
اسی طرح تجھے اک دن میں بھول جاؤں گا

مرے رفیق ملیں گے مجھے الاؤ کے گرد
وہاں میں اپنے فسانے انہیں سناؤں گا

مرے چراغ سے جو چاہے روشنی لے جائے
میں دوسروں کے لیے کیوں اسے بجھاؤں گا

میں روشنی ترے چہرے سے اخذ کرتا ہوں
میں آئینہ ہوں تو سورج تجھے بناؤں گا

Scanned by CamScanner

میں جانتا ہوں یہ دنیا تو ایک دھوکہ ہے
مگر یہ بات کہوں میں تو کون سنتا ہے
ہجوم کوچہ و بازار میں خبر کس کو
کہ اس ہجوم میں ہر آدمی اکیلا ہے

میں بھول جاؤں تجھے یہ نہ ہوسکا مجھ سے
اگرچہ تُو نے کہا اور میں نے چاہا ہے
ٹٹولتا ہوں میں بستر پہ تیرے ہاتھوں کو
کہ خواب دیکھ کے جاگا ہوں اور اندھیرا ہے

میں پوچھتا ہوں مگر تو مجھے جواب نہ دے
یہ کون ہے جو مرے راستے میں آیا ہے
گلی کے موڑ پہ اک شخص نے کہا مجھ سے
ادھر نہ جاؤ کہ یہ راستہ اکیلا ہے

ہوا میں غول پرندوں کے دے رہے ہیں خبر
کہ دشتِ خشک میں پانی کا ایک چشمہ ہے
اگرچہ کھوئی ہے اک شے مری اندھیرے میں
وہاں میں ڈھونڈ رہا ہوں جہاں اجالا ہے

ہوائے صبح کے مانند ایک عمر کے بعد
سلگتی آنکھوں پہ یہ کس نے ہاتھ رکھا ہے
پتنگ لُوٹ کے بچے کہیں سے لائے ہیں
یہ میرے ہاتھ میں کن فاصلوں کا ڈورا ہے

سلیم ویسے تو یہ گھر ہے خانۂ ویراں
وہ کون ہے جو یہاں یہ دیا جلاتا ہے

Scanned by CamScanner

تیری آنکھوں کے دیئے جلنے کو ہیں
یہ طلسمی آئینے جلنے کو ہیں
ٹھہر جا کچھ دیر شامِ انتظار
غم کے سارے سلسلے جلنے کو ہیں
رتجگوں سے میری آنکھیں جل گئیں
اب یہ میرے رتجگے جلنے کو ہیں
ان گھنے پیڑوں کے سائے کیا ہوئے
دھوپ سے اب راستے جلنے کو ہیں
آگ صحرا کی گھروں تک آگئی
بام و در اس شہر کے جلنے کو ہیں
راستے ہیں اور بے چینی کی آگ
قافلوں کے قافلے جلنے کو ہیں
دن کا سورج شام کو جل بجھ گیا
اور ستارے رات کے جلنے کو ہیں
دھیان آیا ہے گمانوں کا مجھے
جب یقین کے مرحلے جلنے کو ہیں
تیز تر ہے آتشِ شوقِ وصال
میرے تیرے فاصلے جلنے کو ہیں

Scanned by CamScanner

ہے ٹھہرنا یہی کہ مسلسل سفر کیا
وہ ایک رہگزر تھی جسے ہم نے گھر کیا

کس راہ سے گئے ہیں ترے رہروانِ شوق
پہنچے تو دور اور سفر مختصر کیا

دل میں جو خاک اُڑتی ہے اس کی خبر کسے
ہم نے تو اعتبار ترا چشمِ تر کیا

اک کشمکش مقیم و مسافر کی مجھ میں تھی
میں نے مکاں بنا کے اسے رہگزر کیا

باغِ جہاں میں نشو و نمائے امید ہے
وہ ایک برگ تھا جسے ہم نے شجر کیا

غارتگرِ سکوں ہے یہ دورِ تغیرات
اس میں تو منزلوں نے بھی قصدِ سفر کیا

نازک بہت تھا کام مگر وقت نے سلیم
پتھر کے دل تھے جن کے انہیں شیشہ گر کیا

Scanned by CamScanner

جانکاہیوں میں عمر کو اپنی بسر کیا
جینا کہ عیبِ عشق تھا ہم نے ہنر کیا

اہلِ ہوس بھی ساتھ تھے منزل تلک مگر
جب وہ قیام کرچکے ہم نے سفر کیا

ایک تیز رَو ستارۂ شب آفریدہ تھا
گم کردگانِ رہ نے جسے راہبر کیا

کم فرصتیٔ شوق کا حاصل یہی تو ہے
غم کارِ رائیگاں ہے مگر عمر بھر کیا

آسودگیٔ خانہ نشیناں کو کیا خبر
کس دشتِ ہولناک میں ہم نے سفر کیا

دنیا کی سیر بھی انہیں راہوں میں ہوگئی
حالانکہ ہم نے تجھ سے تجھی تک سفر کیا

یاں کاوشِ سخن میں مری عمر کٹ گئی
واں اس نے کچھ کہا نہ سنا دل میں گھر کیا

Scanned by CamScanner

اس جسم نے تغیرِ آب و ہوا کے ساتھ
کیا کیا نہ رنگ بدلے ہیں رنگِ قبا کے ساتھ

وہ بادباں یہ بادنما دونوں اور ہیں
حالانکہ رخ بدلتے ہیں دونوں ہوا کے ساتھ

ہونا ہے اس کو خونِ شہیداں سے تربتر
رشتہ مری زمیں کا بھی ہے کربلا کے ساتھ

اک وادیٔ سکوت میں خود کو پکارتا
میں دور جارہا ہوں خود اپنی صدا کے ساتھ

وہ رات کیسی رات تھی پر یوں لگا مجھے
جیسے کہ صبح ہوگئی حرفِ دعا کے ساتھ

چونکا تھا کیسے خواب سے کل رات میں سلیمؔ
لیکن بحال ہوگیا دل تجھ کو پا کے ساتھ

Scanned by CamScanner

میں جسم کی طلب پہ پشیماں تھا اب کھلا
وہ میری جان تھی جو تمہارے بدن میں تھی

سب چل رہے ہیں کوئی پہنچتا نہیں کہیں
اک رہگزر کا پھیر ہے ورنہ سفر کہاں

اس کاروبارِ شوق کا انجام کچھ نہیں
مصروفیت بہت ہے مگر کام کچھ نہیں

تھاہ ملتی نہیں دل کی کوئی
اس میں آفاق کی گہرائی ہے

وہ یوں مجھ سے جدا ہوتا ہے جیسے
کوئی کروٹ بدل لے سوتے سوتے

مرے وجود میں دیروز بھی ہے فردا بھی
مگر میں اپنے تعلق سے ہوں فقط امروز

Scanned by CamScanner

اندھیرے کے گھنیرے حاشیوں میں
یکایک روشنی آئی کہاں سے

سکوتِ نیم شبی کی اداس گہرائی
سمٹ کے بن گئی ہے تیری گفتگو اب کے

جوشِ گریہ سے تلاطم ہے دل و جاں میں نہ جا
جتنے عرصے میں اتر جائے یہ سیلاب ٹھہر!

روح میں نم ہو تو اگنے کے لیے
ایک ہی لمحے کی ہے فرصت بہت

رنجِ تنہائی نہیں جاتا سلیم
آئینہ خانے میں ہم صورت بہت

جس کی کوئی تعبیر نہیں وہ خوابِ تمنا ڈھونڈ رہی ہے
دل کے اندر اندھی خواہش اپنا رستا ڈھونڈ رہی ہے

Scanned by CamScanner

کس انجمنِ گل کی لگن ہے کہ چمن میں
نکلتا ہی نہیں پاؤں نسیمِ سحری کا

مجھ میں تجھ میں فرق ہے اے بوالہوس
جو تری منزل وہ میرا راستا

نہ فراق ایسا فراق تھا نہ وصال ایسا وصال تھا
جسے ہم نے عشق سمجھ لیا فقط ایک طرزِ خیال تھا

شر کا احساس ہو کہ خیر ملے
خود کو دیکھوں جو چشمِ غیر ملے

میں وہ سفاک آنکھیں چاہتا ہوں
جو خود کو دیکھنے کی تاب لائیں

کبھی اقرار کی لذت نے جگائے رکھا
کبھی اندیشہ انکار نے سونے نہ دیا

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

اِنتساب

اطہر نفیس کے نام

جو میرے لئے ہمیشہ زندہ رہے گا

Scanned by CamScanner

بہ پائے جستجو چوں آبلہ خوں گشت منزل ہا

سراج منیر

روایانِ روایت کا کہنا ہے کہ واقعہ میرٹھ میں پیش آیا جہاں کے قینچی، کباب اور کرار حُسین مشہور ہیں۔ فسادات کا زمانہ تھا۔ عسکری، انتظار حسین اور سلیم احمد چلے جا رہے تھے۔ شہر میں سکھ شرنارتھیوں کے گروہ وارد ہونا شروع ہو چکے تھے اور قتل و غارت کا آغاز ہو گیا تھا۔ یکا یک ایک جٹا دھاری سکھ ہاتھ میں کرپان لئے آتا دکھائی دیا۔ عسکری صاحب نے کہا "کیوں بھئی کوئی اس سے بات کرنے کی ہمت کر سکتا ہے؟" انتظار حسین کی تو خوف سے گھگھی بندھ گئی، البتہ سلیم احمد نے کہا میں اس سے خطرناک بات کہہ کر واپس آ سکتا ہوں۔ یہ کہا اور سکھ کے پاس پہنچ گئے۔ اس کی کرپان کا بغور معائنہ فرمایا اور کہنے لگے "کیوں بھئی یہ کرپان بیچتے ہو، کتنے کی ہے؟" ایک تو سکھ اوپر سے شرنارتھی! آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ سلیم احمد نے کہا "معاف کرنا یار ذرا غلط فہمی ہو گئی تھی۔" یہ کہا اور یہ جا وہ جا۔ اس وقت سے آج تک سلیم احمد کا طور بدلا نہیں۔ ادبی تنقید میں آئے۔ جہاں کوئی سکھ کرپان لئے دکھائی دیا، اسکے پاس پہنچ گئے۔ "کیوں بھئی تنقید بیچتے ہو۔" اُدھر اُس کے منہ سے کف جاری ہوا اور آپ واپس عسکری صاحب کے پاس۔ "دیکھئے میں اسے چڑا آیا۔" ہر بار انتظار حسین کی خوف سے گھگھی بندھ جاتی ہے۔

مجھے پہلے فقرے میں میرٹھ کے مشاہیر ثلاثہ گنوانے کی ضرورت نہ پڑتی، اگر یہ چیزیں سلیم احمد کی شخصیت میں یکجان نہ ہو جاتیں۔ فولادی قینچی کی کاٹ، کباب کی تیز مرچیں اور کرار صاحب کی نکتہ آفرینی اور تجزیاتی مہارت۔ یہ ہیں سلیم احمد کی شخصیت کے ابعاد ثلاثہ۔ میں نے یہ بات اتنی سہولت سے کہہ دی جیسے اس کے ذریعے سلیم احمد کی پوری شخصیت گرفت میں آ جائے گی، حالانکہ اس شخص نے اپنے آپ کو اس قدر بکھیر رکھا ہے کہ چند صفحوں میں کیا، کتابوں میں سمیٹنا محال ہے۔

Scanned by CamScanner

بکھیر نے کی اصطلاح بھی میں نے ان کے درد مند دوستوں سے مستعار لی ہے، جو ان کی غیر موجودگی میں ایک اندوہ کے ساتھ سر ہلا ہلا کر اس لفظ کا وِرد کرتے ہیں۔ ورنہ سلیم احمد سے زیادہ منظم آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ اخبار کے کالم سے شعر تک، ڈرامے سے تنقیدی مضمون تک، سیاسی مضامین سے مابعد الطبیعیاتی مباحث تک، ہر چیز یا تو ایک اصول کے تحت مربوط ہے یا ہو رہی ہے۔ اس شخصیت کے اندر ایک زبردست مرکز گریز اور اتنی ہی قوی مرکز جو قوت بیک وقت عمل پیرا ہے اور ہر لمحے ان کے درمیان ایک نئے نقطہ توازن کی دریافت کا نام سلیم احمد ہے۔ سوچنے والے کے لئے پرانے پٹاخے کی طرح سیل جانا یا بم کی طرح پھٹ کر تباہی پھیلا دینا دونوں چیزیں آسان ہوتی ہیں۔ وہ جو ادب میں بہت طمطراق سے داخل ہوئے تھے اور اب عرصے سے یوں ہیں کہ ہر چند کہیں کہ ہیں نہیں ہیں۔ وہ پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ جو یوں آئے جیسے برق خاطف گرتی ہے مگر لمحے بھر بعد کچھ بھی باقی نہیں رہتا۔ وہ دوسری قسم سے ہیں۔ اصل میں مشکل کام ایٹمی ری ایکٹر بنے رہنا ہے۔ تابکار رہنا اور تابکاری پھیلاتے رہنا، اس میں شخصیت ٹوٹتی رہتی ہے اور جڑتی رہتی ہے۔ ذرہ ذرہ ٹوٹتا ہے اور پھر جڑتا ہے۔ اتنی حدت پیدا ہوتی ہے کہ لوہے کو گیس بنادے لیکن اس کا براہِ راست ظاہر ہونا ممنوع ہے۔ یہ اپنی آگ میں خود کو بار بار پگھلانے اور بار بار ڈھالنے کا عمل ہے۔ ایسا عمل کہ زردی نہیں جاتی مرے رخسار سے اب تک۔ فی زمانہ یہ کام خود گری اور خود شکنی کا نا مختتم عمل سلیم احمد کے حصے میں ہی آیا ہے، ورنہ اکثر کا عالم تو یہ ہے کہ شخصیت کا جو بت ۱۸ سال کی عمر میں بن گیا، تاعمر اسی کے سامنے سر بسجود رہے اور اسی کے معبد کے دائرے کو وسیع کرتے رہے۔ مجھے احساس ہے کہ ری ایکٹر والی مثال سے اس تحریر میں ذرا رومانوی خطابت سی پیدا ہو گئی ہے، لیکن یہ اس لئے ضروری ہے کہ تحریر "کلاسیکیت کے سرطان" سے محفوظ رہے۔

ایلیٹ نے اپنی نظم میں آدھی سطر بہت مزے کی لکھ دی ہے To fix in a formulated phrase لکھنے والوں کی رائج الوقت تفریح یہی ہے۔ ترقی پسند، رجعت پسند، کلاسیکی، رومانی، جدید پرست، روایت پسند۔ کیا کیا مُہریں ہیں جو الگ الگ لفافوں پر لگی ہوئی ہیں اور یہ سب لفافے اپنے اپنے پوسٹ بکسوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ کسی کو اس بات کی پروا نہیں ہے کہ لفافے کے اندر کاغذ

Scanned by CamScanner

کے ٹکڑے پر لکھا گیا ہے۔ نگاہ صرف پوسٹ بکس نمبر دیکھتی ہے اور ہاتھ مہر لگاتے ہیں۔ اس صورت حال میں اگر کسی کو Formulated Phrase میں متعین نہ کیا جاسکے تو ایک لمحے کو سارا عمل درہم برہم ہو جاتا ہے۔ آنکھوں کا پتھریلا پن اور ہاتھوں کی میکانیکی حرکت، دونوں کا تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ مہر بیکار ہو جاتی ہے اور ذہن سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ یہ کون ہے۔ اس کی شناخت کیا ہے، اسے کس خانے میں رکھوں۔ اگر ایک قدم اور آگے بڑھ جائے تو اگلا سوال ہوگا۔ میں کون ہوں؟ یہی شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنے والا معاملہ ہے۔ آدمی یہاں تک پہنچنے کے خوف سے ہاتھ میں پکڑی ہوئی مُہر لفافے پر رسید کر دیتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ غلط کر رہا ہے، مگر دوسرا راستہ شناخت کی طرف جاتا ہے۔ عذاب کی طرف جاتا ہے۔ ایک لفافے نے مشینی آہنگ سے جاری یکسانیت کو توڑ دیا۔ مُہریں لگانے والا زیر لب گالیاں دیتا ہے اور پھر آہستہ آہستہ۔ ٹھک ٹھک، ٹھک ٹھک۔ وہ لوگ جو اپنے آپ کو Crystallise نہیں ہونے دیتے، زندگی کی طرح متحرک رہتے ہیں، متغیر، ہمہ وقت نئے امکانات کے جویا۔ وہ معاشرے کے لئے شناخت کا مسئلہ پیدا کر دیتے ہیں۔ جلاد اگر ایک لمحے کو پوچھ لے کہ تختہ پر کون ہے تو دوسرا سوال اس کے اپنے بارے میں ہوگا۔ میں کون ہوں؟ پھر وہ نوکری سے جائے گا۔ ادب میں یہ سوال پوچھ کر آدمی شاعری سے جاتا ہے، تنقید سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ محض یہ جاننے کے لئے کہ میں کون ہوں۔ برسوں کی محنت اکارت نہیں کی جاسکتی۔ آپ دیکھتے نہیں لوگ عسکری صاحب سے کس قدر ناراض رہتے ہیں کہ وہ اپنی رائے بدل لیا کرتے تھے۔ ان کا ذہنی طور پر زندہ اور متحرک رہنا لوگوں کے لئے شناخت کا مسئلہ پیدا کرتا تھا اور ان کی عیاشی۔ Fix in formulated phrase. میں مخل ہوتا تھا۔ سلیم احمد، عسکری صاحب کی طرح رائے نہیں بدلتے لیکن ان سے کہیں زیادہ Elusive ہیں۔ ان کے ہاں متضاد عناصر یکجان ہونے کی کوشش میں ہیں۔ ایک ماوراء اور منزہ اصول کے تحت، لفافے والی تشبیہ آگے بڑھایئے، اس لفافے پر سارے پوسٹ بکس نمبر لکھے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان ایک سری فیثاغوری کلید ہے۔ لیکن مُہریں لگانے والے کو کیا پتا۔ بیچارہ بھونچکا ہو گیا ہے اور اب زور زور سے گالیاں دے رہا ہے، لفافے کو، پوسٹ بکس نمبروں کو اور گاہے گاہے خود کو بھی۔ رائخ نے لکھا ہے کہ جب میں

Scanned by CamScanner

تحلیلِ نفسی کے ذریعے کسی شخص کو اسکی شخصیت کے مرکز سے قریب کرنے لگتا ہوں تو اس کا پہلا ردِ عمل شدید غصے کا ہوتا ہے اور اکثر وہ مجھ پر ہی بگڑ بیٹھتا ہے۔ سلیم احمد بھی ہمارے معاشرے کے ماہر نفسیات ہیں۔ پاؤنڈ نے جو کہا ہے نا کہ معاشرہ سب سے زیادہ فنکار کے چلبلے پن سے ڈرتا ہے۔ وہ اسی لئے کہ چلبلا فنکار اسے اس کی مرکزی شخصیت کی طرف لے جاتا ہے۔ لگام سے کھینچ کر نہیں، ہشکار ہشکار کے۔ بعضے بزرگ اس میں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں۔

معاشرے کے ماہر نفسیات ہونے کا دعویٰ بہت لوگوں کو ہوتا ہے۔ یہ ایک ذہنی بیماری ہے Paranoid formation کی قبیل سے۔ خبطِ عظمت۔ سلیم احمد کو یہ دعویٰ نہیں ہے، وہ تو بس اپنی شخصیت کے تانے بانے کو دیکھتے رہتے ہیں۔ ذات کے گرد ایک حجاب سا بنتے ہیں، پھر ادھیڑ کر اس کا معائنہ کرتے ہیں۔ انہیں دھاگوں سے پھر ایک نیا پیٹرن بناتے ہیں، پھر اس میں کچھ اور نقش و نگار رہ جاتے ہیں۔ لہٰذا دوبارہ ادھیڑ کر اسے پھر ایک نئے انداز میں بُننا شروع کرتے ہیں۔ یہ Penelope والا طریقۂ کار ہے۔ یونانی دانش کی ازلی تلاش Know Thyself ذات کے اصل اصول تک پہنچنے سے پہلے پہلے تک یہ چیز جاری رہنی چاہیے۔ جس دن اصل اصول کی بازیافت ہو جائے گی، اس دن چادر بھی مکمل ہو جائے گی۔ چونکہ یہ تانا بانا معاشرے سے، تاریخ و تہذیب سے، ادب سے، شاعری سے فراہم ہوا ہے لہٰذا اس کے مطالعہ کے ضمن میں ہر سر چشمہ آ جاتا ہے۔ یہاں ہر تنکے کا معاملہ یہ ہے کہ ہوا ریشہ نیستاں کا۔ انسانی تاریخ و تہذیب کی گہرائی میں سفر کرنے کے معنی میں ہیں اپنی ذات کی تہوں میں اترنا اور ایک تہہ سے دوسری تہہ تک پہنچنے کا مطلب ہے سنگین دیوار میں در بنانا۔ اپنے آپ کو توڑ کر، کاٹ کر اسے سمجھنا اور اُسے ایک شکل دینا۔ یہی سلیم احمد کی بنیادی تلاش ہے۔ اسی مرکزی نقطے سے سارے دائرے پھوٹتے ہیں اور ایک ہی نقطے کے گرد وسیع ہوتے جاتے ہیں۔ متضاد سمتوں کو سمیٹتے ہوئے، عناصر مختلفہ کو ایک مرکزی حوالہ دے کر مربوط اکائی بناتے ہوئے۔ کسری آدمی سے مکمل آدمی تک سفر ہی اس زمانے کا سلوکِ علمی ہے۔ دائرہ، مرکز اور محیط کی علامتوں کے ذریعے Operate کرتا ہے۔ کسری آدمی کی شخصیت کا اصول مستطیل اور مربع ہے۔ مربع کے ساتھ مربع جوڑ دیجئے، ایک اقلیدی شکل وجود میں آ جائے گی لیکن اس کا کوئی

Scanned by CamScanner

مرکزی اصول حیات نہیں ہوگا۔ حیاتیاتی سانچے ہمیشہ دائرے کی شکل میں حرکت کرتے ہیں۔
"کسری آدمی کا سفر" سلیم احمد کا معرکہ آراء نظریہ تو ہے ہی، ہمارے زمانے کی اہم ترین کلید بھی یہی
ہے۔ کچھ لوگ اس دعوے سے جزبز ہوں گے۔ لیکن ان کی ناراضگی قابلِ فہم ہے۔ کسریت سے
اضافیت پیدا ہوتی ہے اور معاشرے میں اضافیت ذاتی انا کے ذریعے روبہ عمل آتی ہے۔ اضافیت زدہ
ذہنی فضا میں Superlative کا استعمال بہت ناگوار ہوا کرتا ہے۔ اس لیے کہ اس میں مطلق کی
مشابہت پائی جاتی ہے جو اضافیت کے لیے مہلک ہے۔ اس خطرے کے باوجود میں اصرار کرتا ہوں
"کسری آدمی کا سفر" اردو تنقید میں مابعد الطبیعاتی پیمانے کا نظریہ ہے۔ منظم، مربوط، اہم ترین!

بیسویں صدی میں انسانی اکائی کی شکست ایک ایسی نمایاں صورتِ حال ہے جس کی طرف کم و
بیش ہر بڑے لکھنے والے نے اشارہ کیا ہے۔ بعض اس اصل عمل کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں اور
بعض اس کے نتائج کی طرف۔ اس میں بیسویں صدی کی قید بھی غیر ضروری ہے۔ اس سے پہلے بھی
بہت نمایاں اشارے دکھائی دے جاتے ہیں۔ انیسویں صدی میں قطبین بہت حد تک واضح ہو گئے
ہیں اور اس شکست کی خشتِ اول نشاۃ علوم کے دور میں رکھی جا چکی ہے۔ ہملٹ میں اس کے ابتدائی
نقوش مل جائیں گے۔ Time is out of joint۔ انیسویں صدی میں نطشے کے ہاں شخصیت کے
اندر ایک بہت Explosiveq قوت کی موجودگی کا احساس واضح ہے۔ مگر ادب کی سطح پر اس کے
ابتدائی نقوش ہارڈی کے ہاں ہیں یا پھر لارنس نے تو اس کا بیان بہت شرح وبسط سے کیا ہے۔ لارنس
کے ہاں سارے تصورات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ شرح وبسط سے کیا ہے۔ لارنس کے ہاں سارے
تصورات واضح دکھائی دیتے ہیں۔ ناول کا مقصد ہی لارنس نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ پورے آدمی کا قصہ
بیان کرے۔ صرف روح، محض جسم یا ذہن نہیں۔ یہ سب کچھ ایک ساتھ، ایک تناظر میں۔ لارنس
کا یہ احساس بہت سچا ہے لیکن اس کی نظریہ سازی غلط ہے۔ لارنس کے پہلو بہ پہلو نفسیات کے
سارے دبستان انسان کا مطالعہ جس انداز میں کرتے نظر آتے ہیں وہ بھی اس خیال کو تقویت پہنچاتا
ہے۔ نفسیات نے انسان کی تقسیم جس طرح مختلف خانوں میں کی اس میں وہ اہم ترین نکتے کا جواب
دینے سے قاصر رہی۔ حقیقتِ انسانیہ کیا ہے، وہ کیا مرکز ہے جس کے گرد انسانی ذات کے یہ دائرے

Scanned by CamScanner

ترتیب پاتے ہیں۔ نفسیات کا انسان آخرالامر ایک حیوانی وجود ہے۔ یہ علم انسانی کو حیاتیاتی اصطلاح سے آگے نہیں پہچان پاتا۔ انسان کے ضمن میں "He himself" کی اصطلاح استعمال کر کے اس کی تشریح میں رائج نے وہ غوطے کھائے ہیں کہ لطف آجاتا ہے۔ کاش یہ لوگ دنیا کی کسی روایت میں حقیقتِ انسانیہ سے متعلق ابتدائی معلومات حاصل کر لیتے۔ اسلام نہ سہی، ہندومت تو رائج کے تقریباً گھر کی چیز تھی، عیسائیت کے حوالے بھی کم موجود نہیں تھے۔ لیکن یہ سارے نفسیات داں بار بار اصرار کرتے ہیں کہ یہ سب تجربی صداقتیں ہیں۔ درست۔ ہم ان کی محنت کو سلام کرتے ہیں۔ لیکن تجربی صداقت کبھی مکمل سچائی تک یا حقیقت تک نہیں پہنچا سکتی۔ اس کا دائرہ کار Fact ہے۔ خیر اس گریز کے بعد ہم اصل مسئلے یعنی کسری انسان کے اس تصور کی طرف لوٹتے ہیں جو سلیم احمد نے پیش کیا ہے۔

"نئی نظم اور پورا آدمی" لکھتے وقت سلیم احمد کو مسئلے کی اصل نوعیت کا فہم تھا۔ اردو ادب میں وہ اس کے اطلاقات سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن اس معاملے کی جڑیں کہاں کہاں تک پھیلی ہوئی ہیں اس کا واضح اندازہ اس مضمون میں نظر نہیں آتا۔ تاہم یہ نظریہ ان کے اندر اپنی تفصیلات واضح کرتا رہا اور ان تحریروں کے علاوہ بھی، جو براہ راست اس مسئلے پر لکھی گئی ہیں، سلیم احمد کے پورے کام کے پس منظر میں اس نظریے کی کار فرمائی بہت نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے آدمی کی شکست کا جو نقشہ مرتب کیا ہے، اسے دیکھ کر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پوری تاریخ کو سمیٹ دیا ہے لیکن اس نظریے میں تاریخ کے علاوہ بہت کچھ ہے۔ عین ممکن ہے اس تصور کی ابتدائی شکل انسان اور آدمی کے اس فرق میں ہو جس پر عسکری صاحب بہت زور دیا کرتے تھے۔ لیکن سلیم احمد کے ہاں پہنچ کر کسری انسان کے تصور میں اس کی شکل اور ہی بن گئی ہے۔ عسکری صاحب پر ہم ذرا ٹھہر کر گفتگو کریں گے۔ سلیم احمد کا سارا فکری منظر نامہ حقیقتِ انسانیہ کے گرد تشکیل پاتا ہے اور درجہ بندی کے تصور کے ذریعے ایک مظہریاتی حقیقت بنتا ہے۔ آدمی کی شخصیت میں شکست کا یہ عمل ان کے نزدیک ایک کائناتی اصول کی شکست ہے۔ جس سے ایک طرف عدم توازن پیدا ہوا دوسری طرف انسان اجزاء میں منحصر ہو کر رہ گئے۔ اجزاء میں منحصر ہو جانا، فوق و تحت سے عاری ہو کر، افقی یا عمودی طور

Scanned by CamScanner

پر کسی ایک کیفیت وجود میں مقید ہو جانے کا نام ہے۔ یہ چیز بنیادی انسانی فطرت کے خلاف ایک طرح کی Solidification پیدا کرتی ہے۔ چونکہ کائنات میں انسان فعلیاتی حقیقت ہے اس لیے وہ تمام انسانی مظاہر جن کا اجرائے فعل اس کیفیت کے بعد کا ہے، وہ سب کے سب انسانی ریزگی کا آئینہ بن گئے۔ حقیقت انسانی کے گم ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ حقیقتِ کائنات بھی گم ہو جائے۔ نفسیات کی دنیا میں بھی اجزاء میں منحصر ہو جانے والی بات زیر بحث آئی ہے۔ مثلاً Jung کے ہاں Personae کے تصور سے بحث دیکھ لیجیے۔ شعری تنقید میں ایلیٹ نے جو بحث انعدامِ شخصیت کے ضمن میں کی ہے اس کے ڈانڈے بھی کم و بیش اسی تصور سے جا ملتے ہیں اور بحث میں لارنس کا حوالہ تو خود سلیم احمد نے دیا ہے۔ یہاں ایک قابل غور بات یہ ہے کہ جس چیز کو ہم حقیقت انسانیہ کا مرعوب کن نام دے رہے ہیں، اس کے گم ہونے سے فرق کیا پڑتا ہے۔ کیا اس اکائی سے ہمیں ایک جذباتی محبت ہے۔ اس کے دو جواب ہیں، ایک تو مابعد الطبیعاتی جو میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ہاں سے اپنے الفاظ میں نقل کر رہا ہوں اور دوسرا انفسیاتی۔ حضرت نے فرمایا ہے کہ انسان مجموعہ ہے تمام مخلوقات کا، تمام اجزائے خلق اس میں مرتب ہوئے ہیں۔ لیکن مجموعہ ہونا بجائے خود کوئی شرف نہیں ہے۔ انسان میں اس کے علاوہ ایک اور شے ہے۔ یعنی اس کی ہیئتِ وحدانی۔ یہی ہیئتِ وحدانی اس کے شرف کا سبب ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ انسان جب اجزاء میں منحصر ہوتا ہے تو اپنے شرف سے ہاتھ دھولیتا ہے اور اپنی ہیئت وحدانی سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ ہیئت تمام اجزاء کو شامل بھی ہے اور سب سے منزہ بھی۔ اور اب یہ بات اپنی طرف سے تشریحاً کہتا ہوں کہ غالباً یہ ہیئتِ وحدانی ہی وہ عنصر ہے جس کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صورت پر بنایا، یا یہ کہ اس میں اپنی روح پھونکی۔ کسی ایک جز میں انحصار اس بے کیف و بے مثل عنصر سے محرومی کا باعث ہے جس پر حقیقتِ انسانیہ کا مدار ہے اور جو عالمِ خلق کی طرف سے امر کو جانے والا راستہ ہے۔ اس شے کی گمشدگی ایک انسانی نہیں بلکہ کائناتی المیہ ہے، اس لیے کہ کائنات کے تمام اجزاو عناصر کی معرفت کی تکمیل اسی ہیئت وحدانی کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس چیز کا اطلاق ادب اور دیگر مظاہر خیال پر بھی کیا جاسکتا ہے۔ لیکن یہاں اس تفصیل میں جانا مقصود نہیں ہے۔ اب آیئے نفسیاتی تعبیر کی

Scanned by CamScanner

طرف۔ انسان کو بحیثیتِ وجود ایک اصول کا تابع ہونا چاہئے اور ذات کے کسی حصے کو اس اصول سے
باہر نہیں رہنا چاہیے۔ اگر کوئی حصہ اس اصول سے آزاد ہو جائے تو اس سے Neurosis کی کیفیات
پیدا ہوں گی۔ لیکن یہ کب ممکن ہے۔ اسی صورت میں جب مرکزی اصول منزہ ہو اور ذات کی
ساری تہوں کو سمیٹ سکتا ہو۔ اگر کوئی اصول انسانی فطرت میں موجود کسی امکانیئے کو مسترد کرتا ہے
تو وہ منزہ نہیں ہے بلکہ وہ فطرت میں ترمیم و تنسیخ کر کے اسے ایک خارجی دباؤ کے تحت لانا چاہتا
ہے۔ یہیں سے "ضابطۂ حیات" کی اصطلاح پیدا ہوتی ہے۔ انسانی فطرت میں ترمیم و تنسیخ کرنے کی
کوشش سخت خطرناک ہے، اس لیے کہ فطرت انسانی کے عناصر کائناتی فطرت سے متعلق ہیں لہٰذا
کسی عنصر کو منہا کر دینا انسان اور حقیقت خالقیت کے درمیان ایک بُعد پیدا کر دینے کے مترادف
ہے۔ یہاں اس ساری گفتگو سے مراد اس نظریے کی شرح و تفصیل نہیں۔ وہ سلیم احمد خود کر چکے ہیں
اور میں اس پر مزید کیا اضافہ کر سکتا ہوں۔ یہ باتیں ضروری اس لیے تھیں کہ اس تصور کی محیط
حیثیت کا پس منظر ذہن میں رہے اور یہ واضح ہو جائے کہ سلیم احمد جب اپنے اس نظریے کا اطلاق
کسی تہذیب، شاعر یا شخصیت پر کرتے ہیں۔ تو ان کی گفتگو کو نفسیاتی تنقید کی ایک فرع سمجھنا پرلے
سرے کی غلطی ہو گی۔ اس تصور کا صرف ایک پہلو نفسیاتی اصطلاحوں میں کلام کرتا ہے ورنہ اس کی
سطحیں درجہ وار، تہذیب، تاریخ اور علوم و فنون سے گزرتی ہوئی اس مابعد الطبیعاتی سطح تک جا
پہنچتی ہیں جسے ہم نے انسان کی ہیئتِ وحدانی کے نام سے پہچانا ہے۔ سلیم احمد کا خیال یہ ہے کہ انسانی
شخصیت کی مرکزی اکائی کی شکست نے انسان کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ وہ اپنی ذات کے کچھ پہلو چُن
کر ان کے ذریعے اپنی شناخت متعین کرے اور باقی پہلوؤں کو مسترد کر دے۔ اس طرح انسان جز در
جز تقسیم ہوتا ہوا آج کی فلزاتی صورت حال میں پہنچ گیا ہے۔ یہی حال شعری اور ادبی تاریخ کا بلکہ
تسلسلِ تہذیب کا ہے۔ انسان کی وسیع اکائی رفتہ رفتہ گم ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا جو اثر پڑتا ہے اس کی
طرف تو اشارہ ہو چکا، انسانی شخصیت میں اس اکائی کی موجودگی کے تہذیبی اثرات کیا ہوتے ہیں اس
پر ایرانی ماہر نفسیات، ایرخ فرام کے چہیتے شاگرد، رضا آراستہ کی بات سنئے۔ رضا آراستہ کا کہنا ہے کہ
ادنیٰ سطح سے اعلیٰ ترین سطح تک ترسیل و ابلاغ کا مسئلہ شخصیت میں اکائی کی نوعیت سے وابستہ ہے۔

Scanned by CamScanner

اعلیٰ ترین اکائی کے حصول کے بعد ان کے نزدیک انسان ایک بین التہذیبی شخصیت بن جاتا ہے۔ اس کے لیے انھوں نے Trans-cultural personality کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ان کے نزدیک اس کی مثال رومی اور گوئٹے ہیں۔ رضا آراستہ نے بھی اپنے نظریے کی بنیاد اُنہیں عناصر پر رکھی ہے۔ جن سے سلیم احمد نے اپنے اساسی مقدمات ترتیب دیے ہیں۔ چھوٹا منہ بڑی بات۔ میں اس معاملے میں بولنے والا کون۔ لیکن ذرا دونوں کو پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ آراستہ نے ایک تو اتنی بھیانک غلطیاں کی ہیں کہ آدمی پڑھ کر کانپ اٹھتا ہے۔ دوسرے منطقی ربط اور اصولی وسعت کے نقطہ نظر سے بھی ان کا نظریہ سلیم احمد کے قائم کردہ اصول اور تجزیے کے سامنے بچوں کا کھیل ہے۔ مگر آراستہ صاحب انگریزی میں ارشاد فرماتے ہیں، سلیم احمد "اردو کے ایک نیم خواندہ ادیب ہیں۔"

میں نے اس گفتگو میں بار بار نظریہ اور تصور کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یہ بڑی گُمراہ کُن حرکت ہے اور اس کا ازالہ چاہیے بلکہ بقول سلیم احمد ازالہ چونکہ ممکن نہیں ہوتا لہٰذا امالہ کیا جاتا ہے۔ انسان کی کسریت سلیم احمد کا نظریہ نہیں ہے، ان کا تجربہ ہے۔ یہ اُن کے لیے ایک وجودی حقیقت ہے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی کسریت سے لڑنے اور اکائی کی مختلف منزلوں کو طے کرنے کی کوشش میں گزرا ہے۔ اگر آپ اس جوکھم کا اندازہ لگانا چاہتے ہیں تو میں آپ سے پوچھوں گا کیا آپ نے زنجیری ردِ عمل والا ایٹمی ری ایکٹر اندر سے دیکھا ہے؟

سلیم احمد کی شخصیت کے اتنے پہلو اور اتنی جہتیں ہیں کہ ان کے درمیان ایک مرکزی اصول دریافت کرنا پہلی نظر میں مشکل ہوتا ہے۔ اور اگر آپ ایک مرتبہ وہ اصول دریافت کرلیں تو پھیلے ہوئے دھبوں اور غیر مربوط لکیروں کا یہ معمورہ ایک وسیع تصویر کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ نقاد، شاعر، کالم نگار، ڈراما نگار، فلم رائٹر، مناظرہ باز، سیاسی تجزیہ نگار اور سب سے بڑھ کر اپنے کمرے میں احباب سے ہر شام گفتگو کرنے والا شخص اور احباب کے رخصت ہوجانے کے بعد صبح تک کمرے میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ پھونکتا ہوا سوچ کو زندگی بنانے کے عمل سے گزرنے والا بدقسمت آدمی۔ اس ایک ذات میں سینکڑوں پہلو باہم دست و گریبان ہیں۔ سلیم احمد ان سب کو سمیٹ لینا چاہتے ہیں، کسی کو مسترد نہیں کرنا چاہتے اور ایسا کسی دیرینہ رقیق القلبی کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس لیے کرتے ہیں کہ

Scanned by CamScanner

یہ اُن کے نزدیک زندگی کی شرط ہے۔ اس میں معاش کی صورت برہم ہوتی ہے تو ہو، کہ پورا انسان معاشی انسان نہیں ہوتا، اعصاب جواب دیتے ہیں تو دے جائیں کہ آدمی اعصاب کے جال کا نام نہیں ہے، دوستوں اور ادیبوں سے تعلقات خراب ہوتے ہوں تو گوارا کہ ایک سطحی تعلق سے اس کا نہ ہونا بہتر۔ زندہ رہنا۔ کف پا سے سر شوریدہ تک، مکمل، منظّم اور مربوط سلیم احمد کا مقصود ہے۔ یہ شخص پورے معاشرے کا فرض کفایہ ادا کرتا ہے اور مکمل زندگی اس کی مزدوری ہے۔ سلیم احمد کے بارے میں کچھ لکھنا مشکل یوں بھی ہوتا ہے کہ حقیقت نگاری بھی مبالغہ آمیزی معلوم ہوتی ہے۔ یہ طے کر لینے کے بعد کہ کسری آدمی کی صورت حال سلیم احمد کا نظریہ نہیں بلکہ ان کا حال ہے، ہم ان کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے اور جوڑ کر دیکھنے کے لیے ایک بہتر پوزیشن میں آگئے ہیں۔ شکستہ باطن آدمی کا تجزیہ آسان ہوتا ہے۔ ایک ایک چیز اٹھاتے جایئے، تجزیہ کر کے اس کی جگہ پر سجاتے جایئے، مربوط اور منظّم شخصیت کے سلسلے میں مشکل یہ ہے کہ لیادانتوں میں جو تنکا ہوا ریشہ نیستاں کا۔ تو اب مسئلہ یہ درپیش ہے کہ آغاز کہاں سے کریں۔ شاعری۔ کوئی شے مجھ میں مجھ سے بھی بڑی ہے!

میؔر کے بارے میں ایک قول بہت مشہور ہے، ضرب المثل کی حد تک۔ لپش بغایت پست، بلندش بغایت بلند۔ افسوس کہ اس قدر معرکہ آراء فقرہ لکھ سکنے والے شخص سے لوگ ایسی بدذوقی کی بات منسوب کرتے ہیں اور اس قول کے معنی یہ نکالتے ہیں کہ میؔر کے گھٹیا شعر بہت گھٹیا ہیں اور اچھے بہت اچھے۔ حالانکہ اس فقرے کا مقصود یہ ہے کہ میؔر کے ہاں زندگی کی پست ترین سطح بھی ملتی ہے اور بلند ترین بھی۔ اسے کہتے ہیں نگاہ کی وسعت۔ یہاں اس حوالے سے مطلوب یہ نہیں کہ یہ فقرہ اٹھا کر سلیم احمد پر چپکا دوں۔ بس ایک اصول بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آدمی پست سطح پر ہی مقیم ہو جائے تو آدھارہ جائے گا اور اگر بلند سطح کو اختیار کر کے پستی کو مسترد کر دے جب بھی آدھارہ جائے گا۔ یہ کسریت کی دو ابعاد ہیں۔ اصل چیز یہ ہے کہ ان دونوں کو زندہ رکھے، باہم متحرک تعلق میں وابستہ رکھے۔ اور ان کے ارتباط سے:

گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم
گہے بر طارمِ اعلیٰ نشینم

Scanned by CamScanner

کی کیفیت میں رہے۔ اس اصول کے خلاف جانے کو روایتِ علم شعر میں ہوسنا کی کہتے تھے:

بر کفے جامِ شریعت، بر کفے سندانِ عشق

ہر ہوسناکے نہ داند، جام و سنداں باختن

یہ "باختن" ذرا مشکل کام ہے۔ سلیم احمد نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ چنانچہ صفدر میر کو تو خیر وہ پہلے ہی کب بھاتے تھے، نعیم صدیقی صاحب بھی اس امر سے پریشان ہیں کہ اس اللہ رسول ﷺ کا ذکر کرنے والے کا قلم بار بار فسق و فجور کی طرف کیوں بہک جاتا ہے۔ یہ شخص ہے کیا، نہ صافِ حقیقت نہ دردِ مجاز۔ زبانِ حال سے وہ بھی یہی کہتے ہیں۔

Fix in a formulated phrase

یہ تو ہوا معاملہ تقسیم بر بنائے مواد و موقف۔ اب آیئے ہیئت اور اسالیب والوں کی طرف۔ سلیم احمد کی عام شہرت تو ایک کلاسیکی نقطۂ نظر رکھنے والے، غزل کے شیدائی کی ہے۔ لیکن ایک طرف تو ان کی طنزیہ غزلیں کلاسیکی ذوق رکھنے والوں کو نہیں پچتیں۔ وہ اسے غزل کے مزاج سے کوئی بہت بڑی Deviation سمجھتے ہیں۔ سلیم احمد کی ان غزلوں میں کن کن اساتذہ کی آواز بولتی ہے، اس کی تفصیل بعد میں، یہاں صرف مقصود یہ بتانا ہے کہ سلیم احمد کی شاعری میں ساقی فاروقی کو کلاسیکیت کا سرطان دکھائی دیتا ہے اور وہ غلط نہیں کہتے۔ مگر معاملہ یہ ہے کہ کوسوں بڑھا ہوا ہے پیادہ سوار سے۔ اگر رومانویت کے نمونوں کو سامنے رکھیں تو جائزہ طور پر وہ بہت کم ہوں گے۔ روز مرہ کی زندگی کے مقابلے میں خواب تھوڑے ہی ہوتے ہیں۔ اور یہ سرطانِ اعظم ہومر سے ڈانٹے سے ہوتا ہوا مغرب میں ایلیٹ اور پاؤنڈ تک اور مشرق میں کیا کیا گناؤں۔ ایک سلیم احمد کو شہید کرنے کے لیے دنیا کی تین چوتھائی شاعری پر خطِ تنسیخ پھیر دینا ذرا غیر ذمہ دارانہ سی بات لگتی ہے۔ خیر۔ دوسری طرف لوگوں کو اسی شاعری میں جدیدیت کا عفریت بھی دکھائی دیتا ہے۔ غزل اپنی جگہ، مگر قطعات پر آیئے تو وہاں آپ کو ایک الگ مزاج ملے گا۔ اور نظموں میں کوئی اور ہی چیز دکھائی دے گی۔ ان سب سے گزر آیئے تو مشرق جو باہمدر آویزاں اسالیب اور ہیئتوں کا ایک حیران کن معمورہ ہے۔ اس تنوع کے دو ہی معنی ہو سکتے ہیں، وسعت یا تخلیقی غیر ذمہ داری۔ اب یہاں میں دعویٰ کرتا

Scanned by CamScanner

چلوں کہ اس پوری شاعری کا ایک لفظ بھی ایک مربوط تناظر سے خارج نہیں ہے۔ سلیم احمد نے اپنے مجموعے کا نام "اکائی" رکھا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان کی پوری شاعری مختلف سطحوں پر اسی اکائی کی تلاش ہے۔ ایک بکھرتے ہوئے جہان میں یکجا رہنے کی کوشش جو کائناتی سطح کا عمل بن گئی ہے۔ اس پورے عمل میں المیہ ڈراموں جیسی کش مکش پائی جاتی ہے، ایک کونیاتی انتشار میں اپنی ہیئتِ وحدانی کو برقرار رکھنے کی کوشش، جب جسم، ذہن اور روح مختلف سمتوں کی طرف ایک مرکز گریز قوت کے زیرِ اثر ٹوٹ کر بکھر رہے ہوں، اس میں اس سے لڑنا اور انہیں یکجا رکھنے کی کوشش کرنا تو ایک بہت بڑے ڈرامے کا ہی موضوع ہے۔

غزلوں میں اگر ہم سلیم احمد کا مزاج متعین کرنے کی کوشش کریں گے تو اس کی دو سطحیں ہوں گی۔ مواد اور موضوع کے اعتبار سے، اسلوب اور طرز کی جہت سے۔ مواد اور موضوع کے اعتبار سے سلیم احمد کی غزلیں زیادہ تر ایک ہی حرکی رشتے میں پیوست دکھائی دیتی ہیں۔ فرد اور معاشرے کا تعلق۔ فطرت کی دنیا ان کے ہاں کم سے کم دکھائی دیتی ہے۔ نہ ان کے ہاں، کم کم بادو باراں ہے، کی کیفیت ملتی ہے اور نہ ہی صحراؤں کی وسعت اور پہاڑوں کی صلابت۔ یہ سلیم احمد کے شعری منظر نامے کی ایک خالی جہت ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ

Proper study of mankind is man.

کے اصول کے اتنے راسخ العقیدہ مخالف کے ہاں ایک لمحہ بھی ایسا نہ ہو جب وہ انسانی مظہریات سے باہر نکل کر سوچ سکے۔ خیر تو ہم نے بنیادی بات یہ طے کی کہ سلیم احمد کے ہاں فرد اور معاشرے کا تعلق ایک اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ اصول بھی درست نہیں ہے۔ اصل میں سلیم احمد کا شعری مسئلہ ہے۔ تعلق، فرد کا اپنے آپ سے، اپنے غیر سے، معاشرے سے، معاشرے کے ذریعے، محبت میں، نفرت میں، بے نیازی میں۔ سلیم احمد کی غزلیہ شاعری انسانی تعلق اور اس کی نوعیت متعین کرنے والی قوتوں کے رزمیے کا مطالعہ ہے۔ انسانی وجود کی عمودی جہت میں یہ تعلق جسم، ذہن، روح کی ترتیب میں الگ الگ بھی ظاہر ہوتا ہے اور ایک کلی وجودی تجربہ بھی بنتا دکھائی دیتا ہے۔ میں یہاں مثالیں پیش نہیں کروں گا۔ آپ کے کتب خانے میں بیاض یا اکائی ہو گی، اٹھا کر دیکھ لیجئے۔ اگر

Scanned by CamScanner

آپ یہ زحمت گوارا نہیں کرنا چاہتے تو براہِ کرم مضمون کا مطالعہ یہاں سے ترک کر دیجیے، لیکن غزلوں میں محض تعلق کی Modalities کے بیان کے علاوہ ایک اور بہت اہم چیز ہے جسے یوں تو کم و بیش ہر شاعر نے پوچھا ہے لیکن سلیم احمد نے اسے ایک ایسے مسلسل استفسار کی شکل دی ہے کہ یہ سوال ان کے وجود کی بنیادی تفتیش بن گیا۔ فنکار کیا ہے؟ وہ اس معاشرے میں کیا کرتا ہے، یہ اپنے فنی جوازِ وجود کی ایک مسلسل تلاش ہے اور اردو میں ایک نادر مثال۔ یہ سوال اس لیے بہت اہم بن جاتا ہے کہ فنکار انسانی تعلق کی بنیاد پر Operate کرتا ہے اور ان کی جزوی صورتوں کو جوڑ جوڑ کر ان کے اندر ایک منزہ اکائی تلاش کرتا ہے۔ جب سلیم احمد نے شاعری شروع کی اس وقت فنکار معاشرے میں اجنبی بن چکا تھا۔ یہ ایک عالمی المیے کا حصہ ہے۔ کولن ولسن کی Outsider اس کا بہت اچھا مطالعہ ہے۔ وجودیوں کے ہاں تو خیر اس کی بہت سی پرتیں کھلیں۔ خیر یہ صرف ایک فکری Contact کا معاملہ ہے۔ سلیم احمد کے ہاں اس تجربہ کا آغاز "صحرا میں اذان دے رہا ہوں" سے ہوتا ہے۔ جیسے جیسے آگے بڑھتے جائیں، یہ پہلو بہت نمایاں ہوتا جاتا ہے۔ ان کی غزلوں کا تازہ ترین سلسلہ توکم و بیش پورے کا پورا اسی مسئلے سے متعلق ہے۔ سلیم احمد نے معاشرے سے اپنے تعلق کو متعین کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ سے بھی اپنا تعلق Define کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کی معاشرتی جہت میں اب یہ احساس بہت نمایاں نظر آتا ہے کہ معاشرہ بحیثیت مجموعی فن سے بے نیاز ہو چکا ہے:

محلے والے میرے کارِ بے مصرف پہ ہنستے ہیں
میں بچوں کے لیے گلیوں میں غبارے بناتا ہوں

لیکن ایک جہت سے یہ کام کارِ بے مصرف بھی نہیں ہے:

غنیمِ وقت کے حملے کا مجھ کو خوف رہتا ہے
میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کے لشکر بناتا ہوں

اس کے علاوہ وہ غزل جس کی ردیف "تیز ہوا کے شور میں" ہے اپنی جگہ ایک پورے تعلق کی نوعیت کو بیان کرتی ہے۔ اس میں ایک پہلو جو بہت سے شاعروں سے الگ ہے وہ اس کی بہت مضبوط فلسفیانہ

Scanned by CamScanner

اساس ہے جو ایک مربوط تجربے سے پھوٹتی ہے اور ایک بہت بڑے تجربے کی شکل میں ہی ظاہر
ہوتی ہے۔ فن اور معاشرے کا تعلق مابعد الطبیعیاتی سطح سے لے کر عام معاشرتی سطح تک ظاہر ہوتا
ہے اور کسی طرح کی خود رحمی یا تعلّی سے پاک ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگائے
ہیں کیا کیا۔ سلیم احمد کی شاعری کا خمیر ایک تجزیاتی فراست سے اٹھتا ہے جسے معکوس کر دیں تو فکر کی
شکل پیدا ہوتی ہے۔ اس سے سلیم احمد نے خود جگہ جگہ بحث کی ہے، خصوصاً "غالب کون" کے بعض
ابواب میں۔ فکر کو انہوں نے تجربات کو جوڑ جوڑ کر دیکھنے کا نام دیا ہے۔ لیکن سلیم احمد کے ہاں تجربے
کو جوڑنے کا رجحان بہت کم ملتا ہے، بلکہ اس کی پرتیں الگ کر کر کے دیکھنے کا طریقہ وہ زیادہ استعمال
کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی لیے ان کی شاعری جذبے کی بہت سی سطحوں پر محیط ہوتے ہوئے بھی ایک
گھلاوٹ اور رچاؤ کا احساس کم رکھتی ہے۔ جو لوگ شاعری کو رچاؤ میں منحصر سمجھتے ہیں، ان کے لیے یہ
بڑی پریشانی کی بات ہو گی۔ انسانی تجربے کی کیفیات دو ہیں اور شاعری دونوں سے پیدا ہوتی ہے۔
ایک تو یہ کہ تجربہ انسان کی ذات میں گہرائی تک اترتا جائے۔ اس سے شاعری میں رچاؤ پیدا ہوتا
ہے۔ دوسرے یہ کہ تجربے کے تجزیے سے پیدا ہونے والی قوت ایک مرکز گریز حرکت اختیار کر
کے پوری طاقت سے ظاہر ہو، اس سے توانائی پیدا ہوتی ہے۔ سلیم احمد کی پوری شاعری انہیں دو
قوتوں کو یکجا کر دینے کا ایک مسلسل رزمیہ ہے جس میں وہ ابھی تک کامیاب نہیں ہیں۔ "میں تیرے
جسم کو دیکھوں تو نیند آنے لگے" اس میں اور "میری زبانِ آتشیں لو تھی مرے چراغ کی" میں
فرسنگوں کا فاصلہ ہے۔ کہیں کہیں یہ آوازیں ایک دوسرے کے قریب آ جاتی ہیں لیکن پوری طرح
مل نہیں پاتیں اور اسی کش مکش کے نقطے پر سلیم احمد کا اہم ترین سوال پیدا ہوتا ہے۔ انسانی ذات سے
معاشرے تک گریز ان قوتوں کے درمیان فنکار کا منصب کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ سلیم احمد ان
دو آوازوں کو جوڑنے میں ہمیشہ ناکام رہیں۔ ان کی شخصیت کا اصول اکائی کا حصول نہیں، اس کی تلاش
ہے اور یہ تو درست ہے کہ بعض اوقات بہت بڑے فنی نمونے فنکار کی داخلی ناکامیوں سے پیدا
ہوتے ہیں۔ تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا۔ سلیم احمد کا یہ سارا مسئلہ ہمارے ہاں ڈرامے کی کمزور
روایت کی بنیاد پر شاعری میں بہت اہمیت اختیار کر جاتا ہے۔ اس کا ایک چھوٹا سا پس منظر ہے۔ جدید

Scanned by CamScanner

اردو ادب کے باطن میں ایک کائناتی آویزش ہے جو بہت ڈرامائی اظہار چاہتی ہے۔اس کشمکش کا تجربہ پہلے کی شاعری میں کہیں موجود نہیں۔ڈراما اُس معاشرے میں پیدا ہی نہیں ہوتا جہاں چیزیں درجہ وار مابعد الطبیعاتی منطق میں گتھی ہوئی ہوں۔اس لیے کہ ہر تضاد کا اس سے اوپر کی سطح پر حل موجود ہے۔جب یہ کائناتی آویزش پیدا ہوئی تو ہم نے اپنا سب سے بڑا ڈراما نگار بھی پیدا کیا۔۔اقبال!اگر یہ روایت آگے بڑھی ہوتی تو معاملات کی نوعیت اور ہوتی۔ بہر کیف فی الحال ہم سلیم احمد کے شعری مواد سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ان کی غزل اُردو کی موجودہ شاعری میں غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے لیکن یہ سلیم احمد کی پوری ذات کو سمیٹ نہیں سکتی۔ سلیم احمد بنیادی طور پر مرکب صنف کے آدمی ہیں۔غزل میں بھی وہ وہاں بہت کامیاب ہوتے ہیں جب شعر کو مکالمے کی چستی کے ساتھ موزوں کرتے ہیں۔ چنانچہ لہجے کی جتنی Variations سلیم احمد کے ہاں ہیں وہ جدید اردو ادب میں کسی شاعر کو نصیب نہیں ہیں۔ معاشرہ، فرد اور فنکار ایک مابعد الطبیعاتی پس منظر میں ایک بڑی آویزش کا شکار ہیں اور سلیم احمد نے اس کے لیے ایک مرکب صنف خود ایجاد کی۔ادب میں کسی صنف کا موجد بہت بد قسمت آدمی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس ایجاد کو آپ ان معنوں میں نہ سمجھئے گا جن معنوں میں لوگ نثری نظم وغیرہ ایجاد کرتے ہیں۔ ''مشرق'' میرے نزدیک سلیم احمد کا ایک بہت ہی بڑا کارنامہ ہے۔پوری نظم میری نظر سے نہیں گزری لیکن اس کے بہت سے حصے میں نے سنے ہیں۔ اپنی کلیت کو گرفت میں لینے کی یہ ایک غیر معمولی اور بہت سفاک کوشش ہے۔اگر مجھ سے اردو کی پانچ اہم ترین نظموں کا انتخاب کرنے کو کہا جائے تو میں تین اقبال کی،ایک مسدس حالی اور پانچویں ''مشرق'' کا انتخاب کروں گا۔اب ہماری گفتگو خود بخود طرز اور اسالیب کی طرف آگئی ہے۔ مواد کے بارے میں مزید تفصیل یہاں بیان کرنی مقصود نہیں،وہ ایک الگ مضمون کا موضوع ہے۔

سلیم احمد کے ہاں غزل میں اسالیب کا تنوع اور چیز ہے، نظم میں بالکل اور چیز، لہٰذا ہمیں ایک سطح پر ان دونوں چیزوں کو الگ الگ کر کے دیکھنا ہوگا۔ ''بیاض'' کے دیباچے میں سلیم احمد نے ایک بات کہی تھی کہ میں شاعری کو شعور کی اولاد سمجھتا ہوں۔یہ ان کے شعری تجربے کو سمجھنے کے لیے ایک کلیدی فقرہ ہے۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ شعری عمل،اس کے عناصر پر زور اور اس کی تہذیبی

Scanned by CamScanner

شناخت سلیم احمد کے ہاں ذات کے اندر کسی پراسرار کیمیا کا نام نہیں ہیں بلکہ وہ ان کے اس بنیادی
تصور سے پھوٹتے ہیں جو ان کے ذہن میں ایک تجزیاتی وضاحت کے ساتھ راسخ ہیں۔ یہاں اگر رو
ایک جہت میں روایتی شعری طریقہ کار سے منسلک ہوتے ہیں اور دوسری جہت میں علیحدہ۔ منسلک
اس طور کہ روایت میں بھی شاعری علائم و رموز کے شعری انجذاب کا نام ہے اور انفرادی رویہ ہائے
شعر کی عمارت علوم شعریہ کے ایک بہت وسیع نظام پر استوار ہوتی ہے۔ الگ اس انداز میں ہیں کہ
ان کا شعور روایتی شعور سے الگ ہے۔ یعنی اس میں وہ کش مکش وہ آویزش اور وہ سوال پائے جاتے
ہیں جو روایتی شعورِ تہذیب میں موجود نہیں تھے۔ وہاں انفرادی اور تہذیبی شعور میں جذب ا
انجذاب کا رشتہ ہے اور یہاں گریز کا۔ جب اس گریز کو جذب میں بدلنے کی کوشش کی جاتی ہے تو اس
سے وہ کش مکش پیدا ہوتی ہے جو شعری شرر کو جنم دیتی ہے۔ سلیم احمد اپنی شخصیت میں موجود اس
جنگ کو بہت اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ اس وقت اردو شاعری میں کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس کے ہاں
یہ عمل اتنے وسیع پیمانے پر اتنی شدت سے جاری ہو۔ اسی سے سلیم احمد کے متنوع اسالیب شعر پیدا
ہوتے ہیں۔ روایت ان کے لیے ایک بسیط وجدانی حقیقت بھی ہے اور انفرادی پہلوؤں کا مجموعہ
بھی۔ اگر وہ روایت کے بسیط پہلو کو قبول کر لیں تو یہ مسئلے کا ایک مجرد حل ہوگا لہٰذا پھر وہ اس کے
اندر موجود متنوع اسالیب کی طرف جاتے ہیں۔ یہ اسالیب طنز کے ہیں، بیانِ جمال کے ہیں، غصے
کے ہیں، اظہارِ محبت کے ہیں۔ غرضیکہ انسانی شخصیت کی کلیت، ترتیب دیتے ہیں۔ ان معنوں میں
سلیم احمد اسالیبِ شعر کے مسافر ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ انسانی نفس کی متنوع کیفیات کو
متعین استعاروں اور اسالیب میں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا Infinity کو Finite میں گرفت کرنے
کی کوشش ہے۔ اس سارے کام میں سلیم احمد کے اردگرد کے شعری مزاج نے ان کی کوئی مدد نہیں
کی۔ اس لیے کہ اس کے سامنے وہ سوال ہی نہیں تھے جو سلیم احمد کے سوال ہیں۔ کہیں کہیں ہمیں
چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مل جاتے ہیں مثلاً کچھ معاملہ فراقؔ کا ہے، کچھ یگانہ کا، تھوڑا بہت سلیم احمد نے
حسرتؔ سے سیکھا ہے، اقبالؔ کا ذکر میں یہاں رہنے دیتا ہوں اس لیے کہ وہ معاملہ تفصیلی بحث کا
متقاضی ہے اور آگے آئے گا۔ اپنی کلیت، جس کے معنی ہیں تہذیبی واردات کی کلی درجہ وار

Scanned by CamScanner

شناخت، کے بیان کے لیے سلیم احمد کو سب سے پہلے ایک چیز سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ اردو کے ادبی مزاج نے ایک تقسیم شعری اور غیری شعری عناصر کی کر رکھی تھی۔ بعض دھندلے امیج اور مخصوص خیالات شعری سمجھے جاتے تھے اور عام زندگی کے اسالیب غیر شعری قرار پاتے تھے۔ یہ تقطیعت حسبِ معمول ایک جدلیات میں ڈھلی۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو تغزل کا ایک محدود تصور رکھتے تھے اور دوسری طرف وہ جو صرف ان عناصر سے شاعری پیدا کرنا چاہتے تھے جو تغزل والوں نے مسترد کردیئے تھے۔ سلیم احمد کا معاملہ یہ ہے کہ اسالیب و علائم میں تو ان کے ہاں شعری روایت کا تصور موجود ہے لیکن مواد میں نہیں۔ چنانچہ سلیم احمد نے ان دونوں گریزاں عناصر کو اپنی ذات میں جمع کیا۔ اس سے ان کے ہاں ایک الگ انداز کا لہجہ اور ایک خاص طرح کی "وِٹ" پیدا ہوئی جس کے نشانات ہمیں غالبؔ اور بہت حد تک میرؔ کے ہاں ملتے ہیں۔ سلیم احمد کے ہاں یہ عمل شعری فضا کے ردِ عمل میں نہیں بلکہ اپنے داخلی تصورِ روایت اور جدید دنیا میں اس کی آویزش سے پیدا ہونے والے سوالوں سے پھوٹتا ہے۔ اس لیے اس کے تنوع میں ایک بہت بڑی داخلی وحدت پائی جاتی ہے۔ نظم میں صورت حال یہ ہے کہ سلیم احمد نے ان عناصر کو پہلو بہ پہلو رکھ کے ایک کائنات تشکیل دینے کی کوشش کی ہے۔ ان کی نظم اپنے تاثر میں شدید ہے لیکن اپنے ادبی Context کی طرف سے فرضِ کفایہ تو انہوں نے غزل میں ہی ادا کیا ہے۔ "مشرق" مجھے ایک طویل نظم سے کہیں زیادہ جوائس کے نیم منظوم ناول کی طرح کی چیز لگتی ہے۔ غزل میں اس پوری صورتِ حال کا ست کھنچ آیا ہے اور اس عمل میں سلیم احمد کو جس جوکھم سے گزرنا پڑا ہے اس کا اندازہ اس وقت ہی ہو سکتا ہے جب آدمی اپنی ذات کے ریشے ریشے کو الگ کر کے دیکھنے کی ہمت رکھتا ہو کہ یہ کن کن نیستانوں سے آتے ہیں اور کس اصول پر مربوط ہیں۔

اردو میں آج کل خصوصاً کسی شاعر سے آپ اس کے قاری کے ردِ عمل کا ذکر کریں تو اس سے فوراً ایک Snobbery کا اظہار ہوگا۔ وہ ایک کائناتی بے نیازی کے ساتھ آپ کو بتائے گا کہ اسے اپنے قاری کی کوئی پروا نہیں ہے، وہ تو ایک تجربے کی گرفت میں ہے۔ اکثر اوقات یہ ایک بے جا تکبر اور صریح جھوٹ کی پیداوار ہوتا ہے۔ قاری سلیم احمد کا مسئلہ ہے، اس لیے کہ سلیم احمد کے پاس

Scanned by CamScanner

قاری موجود ہیں لیکن یہ اس صورت میں نہیں کہ وہ اس کی ذہنی ساخت کے مطابق اپنے تجربے میں ترمیم کریں۔ وہ اسے ناراض کر سکتے ہیں، اسے چھیڑ سکتے ہیں، اس سے محبت کر سکتے ہیں اس سے نفرت کا اظہار کر سکتے ہیں لیکن اس سے قطع تعلق نہیں کر سکتے۔ شاعری کا مقصود ہم کلام رہنا ہے۔ صرف اپنی ذات سے ہم کلامی ایک خوش نما رومانی جھوٹ ہے۔ یہ ہوتی ہے لیکن اس کا وجود فی الخارج ہونا چاہیے۔ شاعر کی خود کلامی ہملٹ کی طرح ناظرین یا تمکین کے سامنے واقع ہوتی ہے۔ اسٹیج کے پردے کے پیچھے نہیں، خیر تو سلیم احمد اس ہم کلامی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں لیکن ان کے قاری دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو ادب کی دنیا میں موجود ہیں اور سلیم احمد کی ذات میں موجود جدل کو سمجھتے ہیں۔ دوسرے وہ جو بنیادی طور پر مصنفینِ کرام نہیں بلکہ ادب کے قاری ہیں۔ وہ ادب اپنی داخلی ضرورت سے پڑھتے ہیں۔ ان دونوں کے ردِ عمل مختلف ہیں۔ مصنفینِ کرام میں اکثر کا ردِ عمل یونانی ڈرامے کے ناظرین کا ہے۔ ان میں ارسطو کے اصول کے مطابق خوف اور رحم کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ سلیم احمد کے اندر جو تہذیبی جنگ موجود ہے اس سے ان میں خوف پیدا ہوتا ہے۔ ان کے اعصاب اس کو ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر انہیں اپنے قبیلے کا ایک فرد جان کر وہ رحم کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ میری یہ Analogy مکمل ہے۔ اس کی مزید تفصیل بوطیقا میں دیکھ لیجئے۔ غیر مصنف قاری کا معاملہ ذرا احسان مندی کا ہوتا ہے۔ مسئلہ اس کے اندر موجود ہے لیکن وہ اپنے مسئلے کو اس طرح Live نہیں کر سکتا۔ چنانچہ سلیم احمد کو پڑھتا ہے۔ سلیم احمد یہاں بھی دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیتے ہیں۔ اپنی تحریر کے بے پناہ تاثر میں!

سلیم احمد کی شعری تربیت ایک ایسے شخص نے کی جو خود مصرع موزوں نہیں کر سکتا تھا، محمد حسن عسکری۔ عسکری کا شعری مطالعہ اور تہذیبی Judgement ضرب المثل کی ذیل میں داخل ہے۔ لیکن محمد حسن عسکری کی نگاہ بنیادی طور پر ایک افسانہ نگار کی تھی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کی نظر تجربے کے نتائج سے زیادہ اس کی نوعیتِ وقوع پر ہوتی تھی۔ یہ وہ نادر لمس تھا جو سلیم احمد کی شاعری کو نصیب ہوا۔ سلیم احمد خود کو عسکری کا شاگرد کہتے ہیں اور انہوں نے کوئی چالیس (۴۰) برس عسکری کی شاگردی میں گزار دیئے لیکن اگر ہم اسے مروجہ معنوں میں سمجھیں تو ہم ایک

ہولناک غلطی کے مرتکب ہوں گے۔ عسکری اور سلیم احمد کی استادی شاگردی کا معاملہ کچھ افلاطون اور ارسطو والا ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ افلاطون وارسطو کو عسکری اور سلیم احمد سے بھڑا رہا ہوں، تعلق کی نوعیت کو سمجھنا مقصود ہے۔ سلیم احمد اور محمد حسن عسکری کے مزاج میں قطبین کا فرق ہے۔ یہ دونوں ہر چیز میں الٹ ہیں اور اسی لیے ان کا تعلق Complementary ہے۔ سلیم احمد نے عسکری کو کس کس طرح متاثر کیا، یہ ایک الگ مضمون کا موضوع ہے۔ لیکن وہ چیز جسے عسکری کا مکتبِ فکر کہا جاتا ہے، وہ ان دونوں سے مل کر ہی ترتیب پاتا ہے۔ یہ ایک مشترک Praxis ہے۔ عسکری کی نظر ادبیاتِ عالم پر وسیع تھی۔ یہ ایک دوربینی نگاہ تھی کہ جس کے سامنے زمینوں اور زمانوں کے ادب اور فلسفے پھیلتے چلے جاتے تھے۔ یہ رزمیے کا طریقہ کار ہے۔ سلیم احمد کی نگاہ خوردبینی ہے۔ انہیں ایک شعر دے دیجئے، وہ اس کی پرتیں اتارتے، اس کے تانے بانے ادھیڑتے اور اس کا تجزیہ کرتے کرتے اس کی باطنی وحدت تک پہنچ جائیں گے۔ یہ ڈرامے کا تجزیاتی طریقۂ کار ہے۔ چالیس برس کا گہرا تعلق ایسا نہیں ہوتا کہ اسے میں چار سطروں میں نمٹا دوں۔ مقصود صرف یہ ہے کہ سلیم احمد اور عسکری کے تعلق کو ایک جامد استادی شاگردی کا تعلق نہ سمجھ لیا جائے۔ سلیم احمد کے دعوے کے باوجود عسکری کی وفات پر سلیم احمد نے کہا کہ میں عسکری کا آدھا شاگرد ہوں، میں تو خود کو ان کا شاگرد کہتا تھا، وہ نہیں مانتے تھے۔ یہ بات بالکل درست ہے۔ یعنی آدھا شاگرد ہونے والی بات۔ سلیم احمد کی شخصیت کا ایک حصہ عسکری صاحب کے اثر سے باہر اپنے الگ اصولِ نمو کے مطابق پھلا پھولا ہے۔ یہ وہ حصہ ہے جہاں سے سوال پیدا ہوتے تھے اور عسکری کی سمت سفر متعین کرتے تھے۔ حضرت علیؓ کا قول ہے کہ سوال آدھا علم ہے۔ روایت، تہذیب اور جدیدیت کے بارے میں سلیم احمد کے تصورات اپنے داخلی اسٹرکچر میں عسکری صاحب کے نتائج سے بہت حد تک مختلف ہیں۔ ان پر ہم کبھی اور گفتگو کریں گے۔ سلیم احمد کا معاملہ یہ ہے کہ شاگرد میرزا کا مقلد ہوں میر کا۔ وہ عسکری صاحب کا اثر ایک حد سے زیادہ قبول نہیں کر سکتے تھے اور اس اثر کو بھی وہ اپنے تجربے اور اپنی کلیت میں رکھ کر بالکل منقلب کر دیتے ہیں۔ ان کے ذہن میں بنیادی Figure اقبال کی ہے۔ یہ ان کا Substance ہے۔ سلیم احمد کی شخصیت میں اقبال اور عسکری کا اثر ان کے زائچے میں قران شمس و

Scanned by CamScanner

زحل کی طرح ہے۔ ایک سب آگ ایک سب پانی! سلیم احمد کا بنیادی مزاج فراق کا ہے ہی نہیں، وہ اقبال کا ہے، وہی جذب و شوق، وہی سر مستی۔ دوسری طرف عسکری صاحب کی مناسبت مجرّدات سے کہیں زیادہ ہے۔ ان دونوں عناصر کی کشمکش نے سلیم احمد کی شخصیت میں ایک عجیب و غریب برقی چارج پیدا کر دیا ہے۔ ابھی تک یہ عناصر یکجا نہیں ہو سکے ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں لیکن ان کا پہلو بہ پہلو موجود رہنا ایک بڑا تہذیبی واقعہ ہے۔ یہ فرض کفایہ سلیم احمد ہی ادا کر سکتے ہیں، اس لیے کہ معمولی اعصاب کا آدمی تو اس کششِ قطبین کے درمیان دو دنوں میں خون تھوک جائے گا۔

سلیم احمد کی شاعری اور اس کی نوعیتِ ترکیب کی طرف ان ضروری اشاروں کے بعد آیئے، ہم پھر ان کی تنقید کی طرف لوٹیں۔ شخصیات پر سلیم احمد نے تین کتابیں لکھی ہیں "غالب کون" "اقبال ایک شاعر" اور "محمد حسن عسکری، انسان یا آدمی۔" یہ تین کتابیں سلیم احمد کے سوانحی ناول کے ابواب ہیں۔ وہ میرؔ کے بڑے قائل ہیں۔ لیکن کتاب در کنار، مضمون ان سے نہیں لکھا جاتا کیوں؟ فراقؔ کے عاشق ہیں، مضامین میں حوالے آتے ہیں لیکن تفصیل سے نہیں لکھ سکتے۔ جوش پر تین مضمون (جو جوشؔ پر اردو میں سب سے اچھے مضامین ہیں) اس اعلان کے ساتھ لکھے کہ کتاب ہو گی، لیکن نہ لکھ سکے، کیوں؟ اصل میں جس آدمی کا مسئلہ حل ہو گیا ہو، جو غلط یا صحیح، کسی موقف میں Crystallise ہو گیا ہو، جس کی روح میں جنگ کسی مثبت یا منفی انجام کو پہنچ چکی ہو، سلیم احمد کا مسئلہ نہیں ہے۔ اس سے ان کی دلچسپی حسرت کی ہو سکتی ہے، عبرت کی ہو سکتی ہے لیکن وہ ان کی ذات کا اصولِ حرکت نہیں بن سکتا۔ یہ بات سب کے بارے میں درست ہے حتیٰ کہ میرؔ کے بارے میں بھی۔ وہ میرؔ کے توازن کو حسرت سے دیکھتے ہیں لیکن اپنے مسئلے کا عکس انہیں غالبؔ میں ہی نظر آتا ہے۔ یہ تمام مفکرین اور صوفیہ کو پڑھ سکتے ہیں لیکن اپنی آواز انہیں اقبالؔ کے ہاں ہی سنائی دیتی ہے۔ لارنس اور آسپنسکی ان کے ہاں ہر سطر میں آتے ہیں مگر چالیس برس کا تعلق عسکری سے ہی رہ سکتا ہے۔ تکمیل سلیم احمد کا خواب بھی ہے اور خوف بھی۔ یہ ان کے بارے میں بنیادی بات ہے۔

سلیم احمد کی ہر کتاب پر تنازعہ بپا ہوتا ہے اس لیے کہ ان کی ہر تحریر بڑی شخصیت کے گرد نمو پانے والے تصورات کے جنگل کو کاٹ کر ایک نیا راستہ بناتی ہے۔ "غالب کون" کے سلسلے میں یہی

Scanned by CamScanner

ہُوا اور "اقبال ایک شاعر" کے سلسلے میں یہی صورت پیش آئی۔ ان دونوں کتابوں میں سلیم احمد کا طریقہ کار نفسیاتی ہے یعنی شاعری کو شاعر کے Inner Structure کے طور پر قبول کر کے اس سے اس کی ذات کی تہوں کو ترتیب دینا۔ خدارا اسے موجودہ نفسیاتی طریقۂ تنقید کے ساتھ مخلوط نہ کریں جو نفسیاتی صرف اس حد تک ہوتی ہے کہ اس میں کچھ مشہور اور کچھ غریب الانام ماہرین نفسیات کے نام آجاتے ہیں۔ سلیم احمد نے نفسیاتی طریقہ تنقید کو ایک ایسا طریقہ بنادیا ہے جس میں ہم شاعر کے ساتھ اس کے تجربے کی تہوں سے گزرتے ہیں اور ہر سطح کو ایک وسیع علمی پس منظر میں Formulate کرتے جاتے ہیں۔ اس طریقے کو "اقبال ایک شاعر" میں سلیم احمد نے جس کامیابی کے ساتھ برتا ہے، وہ بے مثال ہے۔ البتہ یہ ان کی سب سے زیادہ Misunderstood کتاب ہے۔ محمد حسن عسکری پر ان کی کتاب تصورات کو بہت وضاحت کے ساتھ پیش کرتی ہے اور فی الحال اس کی طرف توجہ نہیں دی جارہی لیکن میرا خیال ہے کہ یہ اپنی جگہ ایک اہم کتاب ہے۔ لیکن اس کی خامی یہ ہے کہ عسکری کے نتائج ہمارے سامنے آتے ہیں، وہ تجربہ نہیں جس کے ذریعے وہ ان نتائج تک پہنچے۔ اس کتاب کو سلیم احمد کی شاعری کا دیباچہ جاننا چاہیے۔

سلیم احمد کی ذات کے مختلف پہلوؤں کے الگ الگ تجزیئے کو میں کسی اور وقت پر اٹھا رکھتا ہوں۔ اس مضمون کا مقصود یہ تھا کہ ان کی شخصیت کا بنیادی اصول پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ اب اوراق پلٹ کر پڑھتا ہوں تو یہ بات بھی مکمل نہیں ہو سکی۔ کالم، ڈراما، فلم، مذہبیات، کتنے دائرے ہیں جن پر گفتگو نہیں ہوئی اور یہ لکھنے والے کی ناکامی ہے۔ لیکن اگر میں سلیم احمد کی پوری شخصیت کو ایک مضمون میں بیان کر لیتا تو میرے لیے یہ بڑی افسوسناک بات ہوتی۔ اور سلیم احمد کے سلسلے میں بھی یکساں طور پر۔ اگر کامیاب ہو جائے تو جس پر لکھی گئی وہ ناکام آدمی ہے۔ اس کے تجربات اتنے ہیں کہ آپ ایک مٹھی بھر لیں تو اس کی زنبیل خالی ہو جائے۔ میرے لیے سلیم احمد ایک تنقیدی مضمون کا موضوع نہیں بلکہ ایک گہرا تجربہ ہیں۔ میں بار بار اس تجربے کی طرف پلٹتا ہوں اور اسے سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لارنس نے کہا ہے کہ ہر آدمی کی ذات میں ایک تاریک بر عظیم ہوتا ہے جس میں اسے بہت سی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ سلیم احمد کی تحریریں میرے لیے ایسا ہی تاریک براعظم ہیں۔

Scanned by CamScanner

ان میں تہ بہ تہ کیا کچھ ہے، کتنے اعصاب شکن تجربے ہیں، کس قدر مطالعہ ہے، تہذیبوں کا کتنا بڑا تقابلی جائزہ ہے اور سب سے بڑھ کر انسانی نفسیات کا کتنا غیر معمولی ادراک ہے۔ ان سب چیزوں کا ایک مبہم نقشہ میرے ذہن میں بنتا ہے۔ لیکن ابھی یہ ساری باتیں مجھ پر پوری طرح واضح نہیں ہوئیں۔ بس میں اتنا جانتا ہوں کہ یہ شخص مجھ جیسے بچوں کے لیے گلیوں میں غبارے بناتا ہے اور یہ ایک بہت قیمتی آدمی ہے۔ بہت زندہ۔ بہت خوفناک حد تک زندہ آدمی، جو ان سوالوں سے نبرد آزما ہے۔ جن سے تہذیبیں نبرد آزما ہوتی تھیں۔ میرے لیے یہ بوجھ کون اٹھا سکتا ہے؟

Scanned by CamScanner

وہ ابتداؤں کی ابتدا ہے، وہ انتہاؤں کی انتہا ہے
ثنا کرے اُس کی کوئی کیوں کر، بشر ہے لیکن خدا نما ہے

وہ کون ہے منتظر تھا جس کا جہانِ نورانیاں ازل سے
گواہ ہے کہکشاں ابھی تک کہ کوئی اس راہ سے گیا ہے

وہ سرِ تخلیق ہے مجسم کہ خود ہی آدمؑ ہے خود ہی عالم
وجود کی ساری وسعتوں پر محیط ہے جو وہ دائرہ ہے

وہی ہے اول وہی ہے آخر، وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
یہ سوچ ہے آگہی سے باہر، وہ اور کیا ہے جو رہ گیا ہے

اُنہی کا مسکن اُنہی کا گھر ہیں، اُنہی کی نسبت سے معتبر ہیں
حرم ہو، طیبہ ہو، میرا دل ہو، یہ سب وہی ایک سلسلہ ہے

نہیں ہے کوئی مثیل اُس کا، نہیں ہے کوئی نظیر اُس کا
وہ شخص بھی ہے، وہ عکس بھی ہے اور آپ اپنا ہی آئینہ ہے

ہے حدِ فاصل کہ خطِ واصل کہ قوس کے قوس ہے مقابل
سلیمؔ عاجز ہے فہمِ کامل کہاں بشر ہے کہاں خدا ہے

Scanned by CamScanner

شوقِ بے حد، غمِ دل، دیدۂ تر مل جائے
مجھ کو طیبہ کے لیے رختِ سفر مل جائے

نامِ احمدؐ کا اثر دیکھ جب آئے لب پر
چشمِ بے مایہ کو آنسو کا گُہر مل جائے

چشمِ خیرہ نگراں ہے رُخِ آقاؐ کی طرف
جیسے خورشید سے ذرے کی نظر مل جائے

یادِ طیبہ کی گھنی چھاؤں ہے سر پر میرے
جیسے تپتی ہوئی راہوں میں شجر مل جائے

نخلِ صحرا کی طرح خشک ہوں، وہ ابرِ کرم
مجھ پہ برسے تو مجھے برگ و ثمر مل جائے

Scanned by CamScanner

مجھے اِن آتے جاتے موسموں سے ڈر نہیں لگتا
نئے اور پُر اذیت منظروں سے ڈر نہیں لگتا

خموشی کے ہیں آنگن اور سناٹے کی دیواریں
یہ کیسے لوگ ہیں جن کو گھروں سے ڈر نہیں لگتا

مجھے اس کاغذی کشتی پہ اک اندھا بھروسا ہے
کہ طوفاں میں بھی گہرے پانیوں سے ڈر نہیں لگتا

سمندر چیختا رہتا ہے پس منظر میں اور مجھ کو
اندھیرے میں اکیلے ساحلوں سے ڈر نہیں لگتا

یہ کیسے لوگ ہیں صدیوں کی ویرانی میں رہتے ہیں
انہیں کمروں کی بوسیدہ چھتوں سے ڈر نہیں لگتا

مجھے کچھ ایسی آنکھیں چاہئیں رفیقوں میں
جنہیں بے باک سچے آئنوں سے ڈر نہیں لگتا

مرے پیچھے کہاں آئے ہو نامعلوم کی دُھن میں
تمہیں کیا اِن اندھیرے راستوں سے ڈر نہیں لگتا

یہ ممکن ہے وہ اُن کو موت کی سرحد پہ لے جائیں
پرندوں کو مگر اپنے پروں سے ڈر نہیں لگتا

اب ڈوب گئی ہیں وہ صدائیں
لوگوں سے کہو کہ لوٹ جائیں

بارش سے چھتیں ٹپک رہی ہیں
چڑیاں کہاں گھونسلے بنائیں

یہ راہ طلسمِ عشق کی ہے
ملتی ہیں بڑی بڑی بلائیں

آنچل میں چراغ جل رہے ہیں
بچوں کو سُلا رہی ہیں مائیں

ساماں تو یہی ہے عافیت کا
اب آؤ یہ کشتیاں جلائیں

ہونٹوں پہ دھوئیں کی تہ جمی ہے
سینے میں سلگ اٹھیں دعائیں

وہ شہر تو چھٹ چکا ہے کب کا
اِس عمر کو اب کہاں گنوائیں

بچوں کی طرح سے خواب دیکھیں
اور صبح اٹھیں تو بھول جائیں

اک مٹھی میں خاک بھرلیں اپنی
جب تیز ہوا چلے اڑائیں

کل شب بھی چلی تھی ایک آندھی
اِس شب بھی ہیں تیز تر ہوائیں

اِس شور کے باوجود دن بھر
کرتا ہے یہ شہر سائیں سائیں

جیسے کسی دریا میں سرِ آب پرندے
لگتے ہیں مجھے انجم و مہتاب پرندے

بچوں کے لیے حیرتِ پرواز نہیں ہے
اس شہر میں مدت سے ہیں نایاب پرندے

کس دیس اُنہیں لے گئیں بیتاب اُڑانیں
آنکھوں کے نشیمن سے گئے خواب پرندے

میں ساحلِ افتادہ پہ خاموش کھڑا ہوں
دریا میں نہاتے ہیں سرِ آب پرندے

میں گوشۂ صحرا میں ہوں اور جوئے رواں ہوں
ہوتے ہیں مرے لمس سے سیراب پرندے

سوتے نہیں مدت سے مرے شہر کے بچے
جیسے ہوں کسی خوف سے بے خواب پرندے

اِس شاخ پہ جب سے وہ گُلِ سرُخ کھلا ہے
اک رقصِ طرب کرتے ہیں بیتاب پرندے

یہ ربط کسی فصل کا پابند نہیں ہے
میں دریا ہوں اور ہیں مرے احباب پرندے

Scanned by CamScanner

بن کے دنیا کا تماشا معتبر ہو جائیں گے
سب کو ہنستا دیکھ کر ہم چشمِ تر ہو جائیں گے

مجھ کو قدروں کے بدلنے سے یہ ہو گا فائدہ
میرے جتنے عیب ہیں سارے ہنر ہو جائیں گے

آج اپنے جسم کو تو جس قدر چاہے چھپا
رفتہ رفتہ تیرے کپڑے مختصر ہو جائیں گے

رفتہ رفتہ ان سے اُڑ جائے گی یکجائی کی بُو
آج جو گھر ہیں وہ سب دیوار و در ہو جائیں گے

آتے جاتے رہرووں کو دیکھتا ہوں اس طرح
راہ چلتے لوگ جیسے ہم سفر ہو جائیں گے

آدمی خود اپنے اندر کربلا بن جائے گا
سارے جذبے خیر کے نیزوں پر سر ہو جائیں گے

گرمیٔ رفتار سے وہ آگ ہے زیرِ قدم
میرے نقشِ پا چراغِ رہگزر ہو جائیں گے

کیسے قصے تھے کہ چھڑ جائیں تو اُڑ جاتی تھی نیند
کیا خبر تھی وہ بھی حرفِ مختصر ہو جائیں گے

کیا کہیں ایسے تقاضے ہیں محبت کے تو ہم
اپنی بیتابی سے ہم رقصِ شرر ہو جائیں گے

Scanned by CamScanner

ایک ساعت ایسی آئے گی کہ یہ وصل و فراق
میرے رنگِ بے دلی سے یک دگر ہو جائیں گے

کاخ و کوئے اہلِ دولت کی بنا ہے ریت پر
اک دھماکے سے یہ سب زیر و زبر ہو جائیں گے

یہ عجب شب ہے انہیں سونے نہ دو ورنہ سلیم
خواب بچوں کے لیے وحشت اثر ہو جائیں گے

Scanned by CamScanner

دلوں میں درد بھرتا آنکھ میں گوہر بناتا ہوں
جنہیں مائیں پہنتی ہیں میں وہ زیور بناتا ہوں

غنیمِ وقت کے حملے کا مجھ کو خوف رہتا ہے
میں کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بناتا ہوں

پرانی کشتیاں ہیں میرے ملاحوں کی قسمت میں
میں اِن کے بادباں سیتا ہوں اور لنگر بناتا ہوں

یہ دھرتی میری ماں ہے اس کی عزت مجھ کو پیاری ہے
میں اس کے سر چھپانے کے لیے چادر بناتا ہوں

یہ سوچا ہے کہ اب خانہ بدوشی کر کے دیکھوں گا
کوئی آفت ہی آتی ہے اگر میں گھر بناتا ہوں

حریفانِ فسوں گر مو قلم ہے میرے ہاتھوں میں
یہی میرا عصا ہے اس سے میں اژدر بناتا ہوں

مجھے اِن سیپیوں کو دیکھ کر یوں ہی خیال آیا
یہ پانی سے میں اپنے خون سے گوہر بناتا ہوں

مرے خوابوں پہ جب تیرہ شبی یلغار کرتی ہے
میں کرنیں گوندھتا ہوں چاند سے پیکر بناتا ہوں

Scanned by CamScanner

شب کو یہ سلسلہ ہے برسوں سے
گھر کا گھر جاگتا ہے برسوں سے

جانے کیا ہے کہ اس ندی کے پار
اک دیا جل رہا ہے برسوں سے

چلنے والے رُکے رہیں کب تک
راستہ بن رہا ہے برسوں سے

روز مل کر بھی کم نہیں ہوتا
دل میں وہ فاصلہ ہے برسوں سے

اب کے طرزِ تعلقات ہے اور
یوں تو وہ آشنا ہے برسوں سے

سوچ یہ ختم ہو نہ جائے کہیں
دل یہی سوچتا ہے برسوں سے

کس پتے پر اُسے تلاش کروں
شخص اک کھو گیا ہے برسوں سے

کس کو آواز دے رہے ہو سلیم
شہر یہ سو رہا ہے برسوں سے

Scanned by CamScanner

جانے کسی نے کیا کہا تیز ہوا کے شور میں
مجھ سے سُنا نہیں گیا تیز ہوا کے شور میں

میں بھی تجھے نہ سُن سکا، تُو بھی مجھے نہ سُن سکا
تجھ سے ہوا مکالمہ تیز ہوا کے شور میں

کشتیوں والے بے خبر بڑھتے رہے بھنور کی سمت
اور میں چیختا رہا تیز ہوا کے شور میں

میری زبانِ آتشیں لو تھی مرے چراغ کی
میرا چراغ چُپ نہ تھا تیز ہوا کے شور میں

جیسے خروشِ بحر میں شورِ پرند ڈوب جائے
ڈوب گئی مری صدا تیز ہوا کے شور میں

نوحہ گرانِ شامِ غم تم نے سُنا نہیں مگر
کیسا عجیب درد تھا تیز ہوا کے شور میں

میرے مکاں کی چھت پہ تھے طائرِ شب ڈرے ڈرے
جیسے پیامِ مرگ تھا تیز ہوا کے شور میں

منتِ گوشِ بے حیاں کون اٹھائے اب سلیم
نوحۂ غم ملا دیا تیز ہوا کے شور میں

Scanned by CamScanner

افق پر جا ملیں گے آسماں سے
یہ کتنا فاصلہ ہوگا یہاں سے

اندھیرے کے گھنیرے حاشیوں میں
یکایک روشنی آئی کہاں سے

ہوا نے دی درِ ویراں پہ دستک
کئی پرچھائیاں نکلیں مکاں سے

سلیقہ جس کو مرنے کا نہیں ہے
وہ اُٹھ جائے ہمارے درمیاں سے

یقیں کی بات میں کچھ بھی نہیں تھا
نئے پہلو ہوئے پیدا گماں سے

خموشی اُس گرہ کو کھولتی ہے
جو کھل سکتی نہیں لفظ و بیاں سے

کبھی اپنی طرف بھی لوٹ آنا
اگر فرصت ملے کارِ جہاں سے

میں موسم کے تقاضے دیکھتا تھا
سفر کی فال لی ابرِ رواں سے

Scanned by CamScanner

یہ طلسمِ رنگ ہے یا سحر ہے تحریر کا
دمبدم چہرہ بدلتا ہے تری تصویر کا

دونوں ساتھی ہیں کسی اک قید سے بھاگے ہوئے
میرا تیرا ربط ہے یا جبر ہے زنجیر کا

اِس سرے سے اُس سرے تک دوڑنا آساں نہیں
میرے تیرے درمیاں اک دشت ہے تاخیر کا

لوگ جو تخریب کے الزام میں مارے گئے
اُن کی آنکھوں میں بھی کوئی خواب تھا تعمیر کا

بے خیالی میں لکیریں کھینچتا رہتا تھا میں
جانے کیسے بن گیا خاکہ تری تصویر کا

میں سمجھتا ہوں کہ میرے پاؤں ہیں میرے نصیب
میں جدھر جاؤں وہی ہے فیصلہ تقدیر کا

سانپ میرے گھر کے دروازے سے لپٹا تھا مگر
جھٹپٹے میں شام کے دھوکا ہوا زنجیر کا

کتنے لکھنے والے اس حسرت میں مٹی ہوگئے
صفحۂ آبِ رواں پر نقش ہو تحریر کا

کس کے حرفِ آتشیں سے لوحِ امکاں جل اٹھی
کس کے ہاتھوں نے دکھایا معجزہ تحریر کا

جانے کیسا خواب دیکھا تھا لڑکپن میں سلیم
منتظر رہنا پڑا ہے عمر بھر تعبیر کا

Scanned by CamScanner

کچھ بُرا نہیں لگتا کچھ بھلا نہیں لگتا
اب مجھے کسی شے میں بھی مزا نہیں لگتا

اس کے پیچھے اتنی دُور ہم چلے تو آئے ہیں
یہ کوئی بگولا ہے قافلہ نہیں لگتا

کب تلک چلوگے یوں کوئی بات ہی چھیڑو
بات کرتے چلنے میں راستا نہیں لگتا

کھُب گئی ہے آنکھوں میں بستیوں کی ویرانی
جنگلوں کا سناٹا اب بُرا نہیں لگتا

جتنا آگے بڑھتا ہوں دور ہوتا جاتا ہے
یہ کوئی چھلاوا ہے یہ دیا نہیں لگتا

گمرہوں سے مت پوچھو کتنی دور آئے ہیں
ایسے چلنے والوں کو فاصلہ نہیں لگتا

ایک اجنبی کے ساتھ میں کہاں نکل آیا
یہ تو میری بستی کا راستا نہیں لگتا

Scanned by CamScanner

نقش تو بنائے ہیں کچھ غزل کی صورت میں
یہ کتابِ فردا ہے دیکھئے گا فرصت میں

خیر و شر کی خبروں کو مانتے تو سب ہی ہیں
کس کو ہوش رہتا ہے جبر اور ضرورت میں

دونوں درد دیتی ہیں آہِ سرد دیتی ہیں
فرق کچھ نہیں ایسا نفرت و محبت میں

ہوتی ہے صداقت میں خامشی کی گہرائی
صرف شور ہوتا ہے حرفِ بے صداقت میں

دیکھ کر تجھے میں نے اور کچھ نہیں دیکھا
پھر بھی رنگ ہیں کتنے میری چشمِ حیرت میں

آسماں کے تاروں میں آگ یہ کہاں ہوگی
آدمی سلگتا ہے آدمی کی حسرت میں

روشنی چراغوں کی دور ہوتی جاتی ہے
جتنا آگے بڑھتے ہیں شب کو دشتِ وحشت میں

طاق بے دیاروں کے بے چراغ ہیں کب سے
اک دیا جلا دینا شب کو شہرِ غربت میں

Scanned by CamScanner

عمر ہوگئی آدھی صبر و جبر و وحشت میں
پھر نہیں مزا آیا دوسری محبت میں

بے شناخت لوگو تم اس سے دُور ہی رہنا
ایک زہر ہوتا ہے حرف کی صداقت میں

اِک بُجھا دِیا جیسے خود بخود سُلگ اُٹھے
اپنے گھر کی یاد آئی یوں دیارِ غربت میں

کتنے چہرے ملتے ہیں بھُولتے نہیں برسوں
دُور کے دیاروں کی اجنبی رفاقت میں

جانے کتنے سائے سے اس کی لو میں رقصاں تھے
اِک دیا نظر آیا شب کو خوابِ وحشت میں

اے وفورِ گویائی دردِ بے نوائی دے
کیا کریں گے نغمے کو شہرِ بے سماعت میں

خود پسند و خود آرا ہیں مسرتیں لیکن
آدمی سے ملتا ہے آدمی مصیبت میں

آج جوشِ نغمہ سے آگ سی دلوں میں ہے
آبلے نہ پڑجائیں سینۂ سماعت میں

ایک قبر کا مردہ دوسرے سے کہتا تھا
نیند کچھ ابھی لے لیں دیر ہے قیامت میں

Scanned by CamScanner

اور کیا بتاؤں میں زندگی کی ظلمت میں
وہ چراغ روشن تھا آدمی کی صورت میں

زندگی کا رخ جن سے دفعتاً بدل جائے
حادثے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں محبت میں

جانے کتنے ہنگامے دل میں جاگ جاتے ہیں
جب کتابِ ماضی کو دیکھتا ہوں فرصت میں

ایک اجنبی چہرہ کھُب گیا ہے آنکھوں میں
جانے کس کو دیکھا ہے میں نے کس کی صورت میں

شہر اور نگر بدلے دشت اور گھر بدلے
فرق کچھ نہیں آیا آدمی کی حالت میں

اب نہ یادِ ماضی ہے اور نہ فکرِ مستقبل
صرف ہوش اتنا ہے زندہ ہوں اذیت میں

اپنی اپنی منزل پر سب اُترتے جاتے ہیں
جیسے کچھ مسافر ہوں ریل کی رفاقت میں

عمرِ مختصر اپنی صرف عشق میں گزری
کتنے کام کرلیتے دو گھڑی کی فرصت میں

Scanned by CamScanner

لمحۂ رفتہ کا دل میں زخم سا بن جائے گا
جو نہ پُر ہوگا کبھی ایسا خلا بن جائے گا

یہ نئے نقشِ قدم میرے بھٹکنے سے بنے
لوگ جب ان پر چلیں گے راستہ بن جائے گا

گونج سُنی ہو تو تنہا وادیوں میں چیخئے
ایک ہی آواز سے اک سلسلہ بن جائے گا

جذب کردے میری مٹی میں لطافت کا مزاج
پھر وہ تیرے شہر کی آب و ہوا بن جائے گا

کھینچ لائے گی بگولوں کو یہ ویرانی مری
میری تنہائی سے میرا قافلہ بن جائے گا

اس میں لَو رکھ دوں گا میں جلتے ہوئے احساس کی
لفظ جو ہونٹوں سے نکلے گا دیا بن جائے گا

جگنوؤں کی مشعلوں سے صحن کی دیوار پر
رقص کرتی روشنی کا دائرہ بن جائے گا

تلخیاں احساس کی جب خون میں گھل جائیں گی
میرا چہرہ میرے غم کا آئینہ بن جائے گا

اک برہمن نے یہ آ کے صحنِ مسجد میں کہا
عشق جس پتھر کو چھو لے وہ خدا بن جائے گا

Scanned by CamScanner

ایک سیدھی بات ہے ملنا نہ ملنا عشق میں
اس پہ سوچو گے تو یہ بھی مسئلہ بن جائے گا

میرے سینے میں ابھی اک جذبۂ بے نام ہے
ضبط کرتے کرتے حرفِ مدعا بن جائے گا

دل میں جو کچھ ہے وہ کہہ دو دوست سے ورنہ سلیم
حرفِ ناگفتہ دلوں کا فاصلہ بن جائے گا

بیٹھے ہیں سنہری کشتی میں اور سامنے نیلا پانی ہے
وہ ہنستی آنکھیں پوچھتی ہیں یہ کتنا گہرا پانی ہے
بے تاب ہوا کے جھونکوں کی فریاد سُنے تو کون سُنے
موجوں پہ تڑپتی کشتی ہے اور گونگا بہرا پانی ہے
ہر موج میں گریاں رہتا ہے، گرداب میں رقصاں رہتا ہے
بے تاب بھی ہے بے خواب بھی ہے یہ کیسا زندہ پانی ہے
بستی کے گھروں کو کیا دیکھے بنیاد کی حرمت کیا جانے
سیلاب کا شکوہ کون کرے سیلاب تو اندھا پانی ہے
اس بستی میں اس دھرتی پر سیرابیٔ جاں کا حال نہ پوچھ
یاں آنکھوں آنکھوں آنسو ہیں اور دریا دریا پانی ہے
یہ راز سمجھ میں کب آتا آنکھوں کی نمی سے سمجھا ہوں
اس گرد و غبار کی دنیا میں ہر چیز سے سچا پانی ہے

Scanned by CamScanner

کوئی ستارۂ گرداب آشنا تھا میں
کہ موج موج اندھیروں میں ڈوبتا تھا میں

اُس ایک چہرے میں آباد تھے کئی چہرے
اُس ایک شخص میں کس کس کو دیکھتا تھا میں

نئے ستارے مری روشنی میں چلتے تھے
چراغ تھا کہ سرِ راہ جل رہا تھا میں

سفر میں عشق کے اک ایسا مرحلہ آیا
وہ ڈھونڈتا تھا مجھے اور کھو گیا تھا میں

تمام عمر کا حاصل سراب و تشنہ لبی
مرا قصور یہی تھا کہ سوچتا تھا میں

بگڑ رہا تھا میں دنیا کے زاویے سے مگر
اک اور زاویہ تھا جس سے بن رہا تھا میں

نہیں رہا میں ترے راستے کا پتھر بھی
وہ دن بھی تھے ترے احساس میں خدا تھا میں

مجھے گلہ نہ کسی سنگ کا نہ آہن کا
اُسی نے توڑ دیا جس کا آئینہ تھا میں

Scanned by CamScanner

وہ خواب تھا کہ حقیقت تھا یا تماشا تھا
تمام عمر اِسی مسئلے پہ سوچا تھا

وہ گم ہوا تو مضامین ہوگئے بے ربط
وہی تو تھا جو مرا مرکزی حوالہ تھا

وہ صرف اپنے حدود و قیود کا نکلا
اُس ایک شخص کو کیا کیا سمجھ کے چاہا تھا

مکاں بنا کے اسے بند کردیا ورنہ
یہ راستہ کسی منزل کو جانے والا تھا

میں تہ نشیں تھا کہ باقی تھی زندگی مجھ میں
جو مرگئے تھے اُنھیں موج نے اُچھالا تھا

اُسے تو جانا کسی اور سمت تھا لیکن
مجھے وہ چھوڑنے میرے مکاں تک آیا تھا

پھر اس کے بعد مری گمرہی کا قصہ ہے
میں اُس مقام پہ پہنچا جہاں دوراہا تھا

سکوں ہوا تو مگر صرف ایک پل کے لیے
ترا خیال بھی ابرِ رواں کا سایا تھا

وہ اک ستارۂ گردوں نژاد تھا کوئی
اگرچہ مادرِ گیتی نے اُس کو پالا تھا

Scanned by CamScanner

اندھیرا تھا کہ برستا تھا آسماں سے مگر
شبِ سیاہ کا وہ آخری سنبھالا تھا

چہک رہا تھا جو آنگن کے پیڑ پر سرِ شام
کہیں سے آیا ہوا موسمی پرندہ تھا

اگر کسی سے کہوں بھی تو کون مانے گا
جو گم ہوا ہے زمیں میں وہ ایک دریا تھا

اسی طرح مرے بچے بھی رقص کرتے ہیں
فضا میں جگنوؤں نے دائرہ بنایا تھا

میں رات چھت پہ کھڑا دیکھتا تھا تارے کو
یہ ایک ساتھ بھی سب کے تھا پھر بھی تنہا تھا

اب اس کے سوگ میں کچھ اور کیا کہیں ہم لوگ
کہ مرنے والا تو ہم سے زیادہ زندہ تھا

Scanned by CamScanner

نجانے شعر میں کس درد کا حوالہ تھا
کہ جو بھی لفظ تھا وہ دل دکھانے والا تھا

افق پہ دیکھتا تھا میں قطار قازوں کی
مرا رفیق کہیں دور جانے والا تھا

مرا خیال تھا یا کھولتا ہوا پانی
مرے خیال نے برسوں مجھے اُبالا تھا

ابھی نہیں ہے مجھے سرد و گرم کی پہچان
یہ میرے ہاتھوں میں انگارا تھا کہ ژالہ تھا

میں آج تک کوئی ویسی غزل نہ لکھ پایا
وہ سانحہ تو بہت دل دُکھانے والا تھا

معانی شبِ تاریک کُھل رہے تھے سلیم
جہاں چراغ نہیں تھا وہاں اُجالا تھا

Scanned by CamScanner

دُکھ دے یا رسوائی دے
غم کو مرے گہرائی دے

اپنے لمس کو زندہ کر
ہاتھوں کو بینائی دے

مجھ سے کر کوئی ایسی بات
بِن بولے جو سنائی دے

جتنا آنکھ سے کم دیکھوں
اُتنی دُور دکھائی دے

اِس شدت سے ظاہر ہو
اندھوں کو بھی سجھائی دے

افق افق گھر آنگن ہے
آنگن پار رسائی دے

Scanned by CamScanner

آج تو نہیں ملتا اور چھوڑ دریا کا
تو بھی آ کے ساحل پر دیکھ زور دریا کا

میرا شورِ غرقابی ختم ہو گیا آخر
اور رہ گیا باقی صرف شور دریا کا

میرے جرمِ سادہ پر تشنگی بھی ہنستی ہے
ایک گھونٹ پانی پر میں ہوں چور دریا کا

مور اور بھنور دونوں محوِ رقص رہتے ہیں
یہ بھنور ہے جنگل کا وہ ہے مور دریا کا

ملا جو کام غم معتبر بنانے کا
ہنر اُس آنکھ کو آیا گہر بنانے کا

تجھی سے خواب ہیں میرے تجھی سے بیداری
تجھے سلیقہ ہے شام و سحر بنانے کا

میں اپنے پیچھے ستاروں کو چھوڑ آیا ہوں
مجھے دماغ نہیں ہم سفر بنانے کا

یہ میرے ہاتھوں میں پتھر ہیں اور رات ہے سرد
میں کام لیتا ہوں ان سے شرر بنانے کا

سرائے میں کوئی اک شب رکے تو بات ہے اور
مگر سوال ہے دنیا کو گھر بنانے کا

مکاں کے نقشے پہ دیوار لکھ دیا کس نے
یہاں تو میرا ارادہ تھا در بنانے کا

یہ اور بات کہ منزل قریب تھا لیکن
ہنر وہ جانتا تھا ہم سفر بنانے کا

وہ لوگ کشتی و ساحل کی فکر کیا کرتے
جنہیں ہے حوصلہ دریا میں گھر بنانے کا

ہر ایک تخم کو رزقِ شکم پُری نہ سمجھ
ہنر بھی سیکھ زمیں سے شجر بنانے کا

بہت طویل مری داستانِ غم تھی مگر
غزل سے کام لیا مختصر بنانے کا

Scanned by CamScanner

زندگی موت کے پہلو میں بھلی لگتی ہے
گھاس اِس قبر پہ کچھ اور ہری لگتی ہے

روز کاغذ پہ بناتا ہوں میں قدموں کے نقوش
کوئی چلتا نہیں اور ہم سفری لگتی ہے

آنکھ مانوسِ تماشا نہیں ہونے پاتی
کیسی صورت ہے کہ ہر روز نئی لگتی ہے

گھاس میں جذب ہوئے ہوں گے زمیں کے آنسو
پاؤں رکھتا ہوں تو ہلکی سی نمی لگتی ہے

سچ تو کہہ دوں مگر اِس دور کے انسانوں کو
بات جو دل سے نکلتی ہے بُری لگتی ہے

میرے شیشے میں اُتر آئی ہے جو شامِ فراق
وہ کسی شہرِ نگاراں کی پَری لگتی ہے

بوند بھر اشک بھی ٹپکا نہ کسی کے غم میں
آج ہر آنکھ کوئی اَبرِ تہی لگتی ہے

شورِ طفلاں بھی نہیں ہے نہ رقیبوں کا ہجوم
لوٹ آؤ یہ کوئی اور گلی لگتی ہے

گھر میں کچھ کم ہے یہ احساس بھی ہوتا ہے سلیم
یہ بھی کھلتا نہیں کس شے کی کمی لگتی ہے

ربط ٹوٹ جاتا ہے سلسلا نہیں ملتا
مجھ کو دھیان گلیوں میں راستا نہیں ملتا

اِس قطارِ روشن میں اک کمی سی لگتی ہے
جس پہ نام تھا تیرا وہ دیا نہیں ملتا

سب کو ایک حسرت ہے دوسرے کے ملنے کی
سب کو اک شکایت ہے دوسرا نہیں ملتا

دل میں ہو تو کچھ کہیے جب نہ ہو تو کیا کہیے
لفظ مل بھی جاتے ہیں مدعا نہیں ملتا

کتنا تنگ کرتی ہیں یہ بھری پُری سڑکیں
اتنے لوگ چلتے ہیں راستہ نہیں ملتا

جس کی آنکھ پتھر ہو جس کا دل لہو روئے
اُس سوا کسی کو بھی دیکھنا نہیں ملتا

یوں تو شہر میں تیرے دوست بھی ہیں دشمن بھی
آدمی کوئی اپنے کام کا نہیں ملتا

مجھ سے کی مسافر نے راستے میں سرگوشی
کب سے ڈھونڈتا ہوں میں اور خدا نہیں ملتا

شب کو چائے خانوں میں اب بھی بھیڑ ہوتی ہے
ہاں مگر کوئی چہرہ آشنا نہیں ملتا

میں دیئے جلاتا ہوں طاق غم گساری میں
گو دیئے جلانے کا کچھ صِلا نہیں ملتا

Scanned by CamScanner

آنکھوں میں ستارے سے چمکتے رہے تا دیر
اک گھر کے در و بام کو تکتے رہے تا دیر

آنسو تو ہوئے خشک پہ گریہ رہا جاری
بچوں کی طرح رو کے سسکتے رہے تا دیر

اُس شاخ سے اک مارِ سیہ لپٹا ہوا تھا
لیکن وہیں طائر بھی چہکتے رہے تا دیر

کیا لمس تھا اس دستِ حنائی کا تہ آب
انگارے سے ہاتھوں میں دہکتے رہے تا دیر

اک آگ سی جلتی رہی تا عمر لہو میں
ہم اپنے ہی احساس میں پکتے رہے تا دیر

وہ گرمیِ انفاس وہ جاڑے کی خنک رات
احساس میں شعلے سے لپکتے رہے تا دیر

Scanned by CamScanner

یہ جو اک صورت ہے اب پتھر کے بیچ
نقش تھی پہلے دلِ آزر کے بیچ

دیکھنا ہے اب دیئے کے زور کو
لا کے رکھ دوں گا ہوا میں در کے بیچ

آنکھ ہے نادیدگاں کی منتظر
اک کمی لگتی ہے ہر منظر کے بیچ

وہ لباسِ درد میں ملبوس تھا
سینکڑوں پیوند تھے چادر کے بیچ

کیا بتاؤں کیوں ہوئی مجھ کو شکست
میرا دشمن تھا مرے لشکر کے بیچ

کس نے دل میں رکھ دیئے یہ فاصلے
کس نے دیواریں اٹھادیں در کے بیچ

نشے کے اسرار ہیں، کھلتا نہیں
موج ہے یا سانپ ہے ساغر کے بیچ

یہ دَر و دیوار ہیں رختِ سفر
میں مسافر ہوں خود اپنے گھر کے بیچ

یہ سمندر یہ سنہری کشتیاں
کاش ہوتا تو بھی اِس منظر کے بیچ

بیٹھ کے صوفے پہ اِٹھلاتا ہے جو
کھینچئے اُس کو کبھی بستر کے بیچ

Scanned by CamScanner

وہ میرا یار دیوانہ بہت تھا رنگ و نکہت کا
سو اُس کی قبر پر کچھ پھول رکھے اور لوٹ آیا

میں اُس کی رنگ موجوں میں کبھی ڈوبا کبھی اُبھرا
بدن تھا یا شبِ مہتاب میں بہتا ہوا دریا

ترے بارے میں، میں اِس کے سوا کچھ اور کیا کہتا
نظر کچھ بھی نہ آیا اس قدر نزدیک سے دیکھا

مجھے اک مصرعِ موزوں بنایا حُسنِ فن بخشا
وہ میرا سوچنے والا کوئی شاعر رہا ہوگا

وہ ہر چہرے کے خدوخال کو پہچان لیتا ہے
مگر دیکھو تو آئینے کا خود کوئی نہیں چہرا

وہ شامِ بے بسی کیسی اداسی لے کے آئی تھی
اندھیرا بڑھ رہا تھا اور دیا میں نے جلایا تھا

Scanned by CamScanner

وہ مرے دل کی روشنی وہ مرے داغ لے گئی
ایسی چلی ہوائے شام سارے چراغ لے گئی

شاخ و گل و ثمر کی بات کون کرے کہ ایک رات
بادِ شمال آئی تھی باغ کا باغ لے گئی

وقت کی موج تُند رَو آئی تھی سوئے میکدہ
میری شراب پھینک کر میرے ایاغ لے گئی

دل کا حساب کیا کریں دل تو اُسی کا مال تھا
نکہتِ زلفِ عنبریں اب کے دماغ لے گئی

باغ تھا اُس میں حوض تھا، حوض تھا اُس میں پھول تھا
غیر کی بے بصیرتی مجھ سے سراغ لے گئی

Scanned by CamScanner

ستارہ حرف بناتے ہیں خواب لکھتے ہیں
تمہارے نام پہ اک انتساب لکھتے ہیں

حیات سب کے لیے اک سوال لاتی ہے
تمام عمر اُسی کا جواب لکھتے ہیں

میں ان کو حرف بناتا ہوں اور پڑھتا ہوں
یہ حادثے مرے دل میں کتاب لکھتے ہیں

عجیب رنگ ہیں اُن کے عجیب تحریریں
یہ روز و شب مری آنکھوں میں خواب لکھتے ہیں

سمندروں کو بھی لبِ تشنگانِ بے پروا
غرورِ تشنہ لبی سے سراب لکھتے ہیں

ہم ایک حرف کو بھی رائیگاں نہیں لکھتے
بیادِ کم سخناں انتخاب لکھتے ہیں

بُرا نہ مان کہ یہ شاعروں کی باتیں ہیں
یہ لوگ اپنے عذاب و ثواب لکھتے ہیں

سلیم میرے حریفوں میں یہ خرابی ہے
کہ جھوٹ بولتے ہیں اور خراب لکھتے ہیں

Scanned by CamScanner

جو دل میں ہیں داغ جل رہے ہیں
مسجد میں چراغ جل رہے ہیں

جس آگ سے دل سُلگ رہے تھے
اب اس سے دماغ جل رہے ہیں

بچپن مرا جن میں کھیلتا تھا
وہ کھیت وہ باغ جل رہے ہیں

چہرے پہ ہنسی کی روشنی ہے
آنکھوں میں چراغ جل رہے ہیں

رستوں میں وہ آگ لگ گئی ہے
قدموں کے سُراغ جل رہے ہیں

Scanned by CamScanner

شفق کے رنگ سے برگ و ثمر گلابی ہیں
سنہری شام ہے سارے شجر گلابی ہیں
یہ کون ہے جو مرے گھر میں رنگ لے آیا
یہ کس کے عکس سے دیوار و در گلابی ہیں
یہ کس کا دستِ حنائی ہے میری آنکھوں پر
کہ میرے خوابوں کے سارے نگر گلابی ہیں
سنہری بالوں پہ ہلکی سی دھوپ پڑتی ہے
سفید برف سے چہرے ہیں سر گلابی ہیں

ہے کبھی سایہ کبھی ہے روشنی دیوار پر
رنگ بکھراتی ہے کیا کیا زندگی دیوار پر
دونوں ہمسایوں میں ویسے تو محبت ہے بہت
ایک جھگڑا پڑگیا ہے بیچ کی دیوار پر
میں اندھیرے میں کھڑا حیرت سے پڑھتا ہوں اسے
اک عبارت لکھ رہی ہے روشنی دیوار پر
ہم سمجھتے تھے ہمارے بام و در ڈھل جائیں گے
بارشیں آئیں تو کائی جم گئی دیوار پر
اک اُدھورا نام، کچھ مدھم لکیریں، کچھ حروف
یہ مکینوں کی نشانی رہ گئی دیوار پر
اِس جگہ شاید کبھی اس کا بسیرا ہو سلیم
ایک چڑیا دیر تک بیٹھی رہی دیوار پر

جو آنکھوں کے تقاضے ہیں وہ نظارے بناتا ہوں
اندھیری رات ہے کاغذ پہ میں تارے بناتا ہوں

محلے والے میرے کارِ بے مصرف پہ ہنستے ہیں
میں بچوں کے لیے گلیوں میں غبارے بناتا ہوں

وہ لوری گائیں گی اور ان میں بچوں کو سلائیں گی
میں ماؤں کے لیے پھولوں کے گہوارے بناتا ہوں

فضائے نیلگوں میں حسرتِ پرواز تو دیکھو
میں اُڑنے کے لیے کاغذ کے طیارے بناتا ہوں

مجھے رنگوں سے اپنے حیرتیں تخلیق کرنی ہیں
کبھی تتلی کبھی جگنو کبھی تارے بناتا ہوں

زمیں یخ بستہ ہو جاتی ہے جب جاڑوں کی راتوں میں
میں اپنے دل کو سُلگاتا ہوں انگارے بناتا ہوں

ترا دستِ حنائی دیکھ کر مجھ کو خیال آیا
میں اپنے خون سے لفظوں کے گل پارے بناتا ہوں

مجھے اک کام آتا ہے یہ لفظوں کے بنانے کا
کبھی میٹھے بناتا ہوں کبھی کھارے بناتا ہوں

بلندی کی طلب ہے اور اندر انتشار اتنا
سو اپنے شہر کی سڑکوں پہ فوارے بناتا ہوں

Scanned by CamScanner

ہر آنکھ کا حاصل دُوری ہے
ہر منظر اک مستُوری ہے

جو سود و زیاں کی فکر کرے
وہ عشق نہیں مزدوری ہے

سب دیکھتی ہیں سب جھیلتی ہیں
یہ آنکھوں کی مجبوری ہے

اِس ساحل سے اُس ساحل تک
کیا کہیے کتنی دُوری ہے

یہ قُرب حباب و آب کا ہے
یہ وصل نہیں مہجوری ہے

میں تجھ کو کتنا چاہتا ہوں
یہ کہنا غیر ضروری ہے

Scanned by CamScanner

فصلِ گُل آئی ہے یادوں میں دیے جلتے ہیں
دل دہک اٹھتا ہے زخموں میں دیے جلتے ہیں

شہرِ احساس ترے لمس سے جاگ اٹھتا ہے
رات آتی ہے تو ہاتھوں میں دیے جلتے ہیں

روشنی سبز درختوں پہ اُتر آتی ہے
پھُول کھلتے ہیں تو شاخوں میں دیے جلتے ہیں

اک اُجالے کو سخن کرتے سنا ہے میں نے
ہونٹ کو دیتے ہیں لفظوں میں دیے جلتے ہیں

یہ ترے نقشِ قدم ہیں کہ ستارے ہیں کہ پھول
تُو گزرتا ہے تو رستوں میں دیے جلتے ہیں

فکر اک عمر میں احساس میں حل ہوتی ہے
بڑی مشکل سے دماغوں میں دیے جلتے ہیں

Scanned by CamScanner

دیکھنے کے لیے اک شرط ہے منظر ہونا
دوسری شرط ہے پھر آنکھ کا پتھر ہونا

واں دیوار اٹھا دی مرے معماروں نے
گھر کے نقشے میں مقرر تھا جہاں در ہونا

مجھ کو دیکھا تو فلک زاد رفیقوں نے کہا
اِس ستارے کا مقدر ہے زمیں پر ہونا

باغ میں یہ نئی سازش ہے کہ ثابت ہو جائے
برگِ گل کا خس و خاشاک سے کمتر ہونا

میں بھی بن جاؤں گا پھر سحر ہوا سے کشتی
رات آجائے تو پھر تم بھی سمندر ہونا

وہ مرا گرد کی مانند ہوا میں اُڑنا
پھر اسی گرد سے پیدا مرا لشکر ہونا

در بدر ٹھوکریں کھائیں تو یہ معلوم ہوا
گھر کسے کہتے ہیں کیا چیز ہے بے گھر ہونا

کیسا گرداب تھا وہ ترکِ تعلق تیرا
کام آیا نہ مرے میرا شناور ہونا

تم تو دشمن بھی نہیں ہو کہ ضروری ہے سلیم
میرے دشمن کے لیے میرے برابر ہونا

Scanned by CamScanner

آئینے کا آب آب چہرہ
بے عکس بنا سراب چہرہ

شاخوں پہ خیال کی کھلا ہے
بھولا ہوا اک گلاب چہرہ

یادوں کے اُفق سے جھانکتا ہے
وہ زرد سا ماہتاب چہرہ

میں نیند میں خواب دیکھتا ہوں
بے خواب ہے خواب خواب چہرہ

میں حرف شناس بھی نہیں ہوں
پڑھتا ہوں مگر کتاب چہرہ

وہ رات ہے اور ہاتھ تیرے
اور ہاتھ میں آفتاب چہرہ

Scanned by CamScanner

بھیجتی ہیں جو پیامِ روشنی تاروں کے نام
رات میں نے اک غزل لکھی ہے اُن آنکھوں کے نام

کل کے اخباروں میں چھپ جائے گی یہ تازہ خبر
کشتیاں، ساحل کا منظر، ڈوبنے والوں کے نام

جانے کیا کیا سوچتی رہتی ہیں اُس کی حیرتیں
میرا بچہ پوچھتا ہے رات کو تاروں کے نام

جانے اس گھر کے مکیں کس دیس پہنچے کیا ہوئے
رہ گئے دیوار پر لکھے ہوئے بچوں کے نام

رنگ و بُو کے کتنے مُردہ تجربے زندہ ہوئے
یاد آئے دیکھ کر تجھ کو کئی پھولوں کے نام

میں نے دریا میں بہائے جاگتے سوتے دیے
کچھ تری صبحوں کے نام اور کچھ تری شاموں کے نام

Scanned by CamScanner

اک اِمکاں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے دل کے پاس
دل کی دولت خواب ہیں اور خواب مستقبل کے پاس

کل جنھیں رخصت کیا تھا وہ مسافر کیا ہوئے
کشتیاں ٹوٹی ہوئی لوٹ آئی ہیں ساحل کے پاس

میں پلٹ آؤں گا صحرا میں بھٹکنے کے لیے
قافلہ میرا پہنچ جائے گا جب منزل کے پاس

میری خُوں آلودہ آنکھوں نے یہ منظر بھی سہا
جو مرا ساتھی تھا بیٹھا تھا مرے قاتل کے پاس

مجھ سے وہ طالب محبت کا ہے اور واقف ہوں میں
مجھ سے یہ دولت زیادہ ہے مرے سائل کے پاس

عقلِ پختہ کار کو جن کی خبر تک بھی نہیں
اپنے کاموں کی ہیں کچھ ایسی دلیلیں دل کے پاس

کوئی پُورا کر نہیں سکتا جسے اُس کے سوا
ایک ایسی بات ہے ہر ناقص و کامل کے پاس

Scanned by CamScanner

اپنی موج مستی میں، میں بھی ایک دریا ہوں
پھر بھی پاسِ صحرا سے اپنی حد میں بہتا ہوں

اپنی دید سے اندھا، اپنی گونج سے بہرا
سب کو دیکھ لیتا ہوں سب کی بات سنتا ہوں

مجھ میں کسی نے رکھ دی ہے یہ محال کی خواہش
میں کہ ریگِ صحرا کو چھلنیوں میں بھرتا ہوں

گو چراغِ روشن ہوں پر ہوں رائیگاں اتنا
ایک طاق میں رکھا دوپہر میں جلتا ہوں

ڈوبنے کا ڈر ہونا چاہیے سفینوں کو
مجھ کو خوفِ طوفاں کیا میں تو ایک تنکا ہوں

میرے پاس آتے ہیں مجھ سے خوف کھاتے ہیں
میں ہجومِ طفلاں میں سانپ کا تماشا ہوں

Scanned by CamScanner

کل نشاطِ قرب سے موسم بہار اندازہ تھا
کچھ ہوا بھی نرم تھی کچھ رنگِ گل بھی تازہ تھا

تھک کے سنگِ راہ پر بیٹھے تو اُٹھے ہی نہیں
حد سے بڑھ کر تیز چلنے کا یہی خمیازہ تھا

آئینہ دونوں کے آگے رکھ دیا تقدیر نے
میرے چہرے پہ لہو تھا روئے گل پر غازہ تھا

مجھ کو ملاحوں کے گیتوں سے محبت ہے مگر
رات ساحل پر ہوا کا شور بے اندازہ تھا

اب تو کچھ دکھ بھی نہیں ہے داغ بھی جاتا رہا
کل اِسی دل میں یہیں اک زخم تھا اور تازہ تھا

گو یقینی تو نہیں تھے میرے تخمینے مگر
جو تجھے پیش آیا اُس کا کچھ مجھے اندازہ تھا

میرے اوراقِ پریشاں دیکھنے والے، کبھی
میں کتابِ عشق تھا اور دل مرا شیرازہ تھا

آنکھ میں اُس کی چمک تھی پر ہوسناکی بھی تھی
رنگ اُس کے رخ پہ تھا لیکن رہینِ غازہ تھا

جوشِ گریہ میرے رونے کا یہ شورِ باز گشت
کچھ نہ تھا اک کوچہ گردِ صبر کا آوازہ تھا

جانے اندر کیا ہوا میں شور سن کر اے سلیم
اُس جگہ پہنچا تو دیکھا بند یہ دروازہ تھا

بارہا شب کو یوں لگا ہے مجھے
کوئی سایہ پکارتا ہے مجھے

جیسے یہ شہر کل نہیں ہوگا
جانے کیا وہم ہوگیا ہے مجھے

میں ستاروں کا ایک نغمہ ہوں
بیکراں رات نے سُنا ہے مجھے

میں ادھورا سا ایک جملہ ہوں
اہتماماً کہا گیا ہے مجھے

دکھ ہے، احساسِ جرم ہے، کیا ہے
کوئی اندر سے توڑتا ہے مجھے

جیسے میں دیکھتا ہوں آئینہ
یوں ہی آئینہ دیکھتا ہے مجھے

جب میں باتوں سے ٹوٹ جاتا ہوں
کوئی ہونٹوں سے جوڑتا ہے مجھے

سازشیں یہ کسی چراغ کی ہیں
میرا سایہ ڈرا رہا ہے مجھے

وہ مجھے پوچھنے کو آیا تھا
حال اپنا سُنا رہا ہے مجھے

Scanned by CamScanner

جانے وہ کون تھا دیے کی طرح
راستے میں جلا گیا ہے مجھے

نیند کے حاشیوں میں پچھلے پہر
اک ستارا پکارتا ہے مجھے

اُس نے کیسا سجا سجا کے سلیمؔ
اک غزل کی طرح لکھا ہے مجھے

Scanned by CamScanner

چھایا ہوا تھا رنگِ غمِ دل پہ غبار کی طرح
میں نے اسی غبار سے ڈالی بہار کی طرح

رنج ہزار ہا سہی دل نہ دُکھے تو کیا علاج
بے حس و بے خیال ہوں سنگِ مزار کی طرح

چلتا ہوں اپنے زور میں مرکبِ وقت کے بغیر
سعی و عمل کی نے پہ ہوں طفلِ سوار کی طرح

زورِ ہوا سے اُڑ گئے حبسِ ہوا سے گھٹ گئے
قافلہ حیات میں ہم ہیں غبار کی طرح

میری بہائے فن ہے یہ مجھ سے ہے کارِ زرگراں
رکھا گیا دکان میں مجھ کو عیار کی طرح

دل سے غمِ حیات کو عشق سے کھینچ لیجئے
بعد میں پھینک دیجئے دونوں کو خار کی طرح

حالتِ یاس اور گناہ دل میں کوئی خیال سا
رات کی تیرگی میں ہے دیدۂ مار کی طرح

اب مرے برگ و بار میں باقی نہیں نم و نمو
تُو مری زندگی میں تھا فصلِ بہار کی طرح

Scanned by CamScanner

عمر اپنی جہاں جہاں گزری
اچھے لوگوں کے درمیاں گزری

کٹ گئی انتظارِ فردا میں
کیسے کہیے کہ رائیگاں گزری

ساتھ گزرا ہجوم نوحہ گراں
دل سے جب یادِ رفتگاں گزری

بات کرتے میں ایک پرچھائیں
تیری آنکھوں کے درمیاں گزری

ہر صدائے نفس تھی بانگِ جرس
زندگی مثلِ کارواں گزری

دن کٹا تھا تمازتوں میں سلیم
شام ہو کر دھواں دھواں گزری

Scanned by CamScanner

چین نہیں ہے دل کو جب رات کٹے گی کس طرح
ہم نفسانِ نیم شب رات کٹے گی کس طرح

ساعتِ وعدہ کٹ گئی آ کے خوشی پلٹ گئی
دل کو سکوں نہیں ہے اب رات کٹے گی کس طرح

وجہ کوئی نہیں مگر صبح سے میں اداس ہوں
وہ بھی خفا ہے بے سبب رات کٹے گی کس طرح

شام ملال ہے تہی یاد شب وصال سے
دل میں نہیں کوئی طلب رات کٹے گی کس طرح

صبح سے کیوں خفا ہے تو شام کو کیوں ملا نہیں
میں نے کہا تھا تجھ سے کب رات کٹے گی کس طرح

ہجر کے غم میں آنکھ سے طائرِ خواب اڑ گیا
حال ہے شام سے عجب رات کٹے گی کس طرح

اب وہ سرُورِ مے کہاں، نغمہ گروں کی لے کہاں
بادہ کشانِ تشنہ لب رات کٹے گی کس طرح

Scanned by CamScanner

کچھ ہیں منظر حال کے کچھ خواب مستقبل کے ہیں
یہ تمنا آنکھ کی ہے وہ تقاضے دل کے ہیں

ہم نے یہ نیرنگیاں بھی دہر کی دیکھیں کہ لوگ
دوست ہیں مقتول کے اور ہمنوا قاتل کے ہیں

عمر ساری راہ کے پتھر ہٹاتے کٹ گئی
زخم میرے ہاتھ میں اک سعیِ لاحاصل کے ہیں

اک دھنک لہرا رہی ہے آنسوؤں کے درمیاں
میری آنکھوں میں ابھی تک رنگ اس محفل کے ہیں

اس سے آگے کون جائے دشتِ نامعلوم میں
ہم نہ کہتے تھے کہ سارے ہم سفر منزل کے ہیں

ان کو طوفانوں سے کیا مطلب بھنور سے کیا غرض
دوست جتنے ہیں تماشائی فقط ساحل کے ہیں

تو جسے اپنا سمجھتا ہے وہ مالِ غیر ہے
تیرے ہاتھوں میں جو سکے ہیں کسی سائل کے ہیں

جانچتی ہے غیر کو ہر لحظہ چشمِ عیب جو
نقش مجھ میں جتنے ہیں سارے کسی کامل کے ہیں

Scanned by CamScanner

دل کے اندر درد آنکھوں میں نمی بن جایئے
اِس طرح ملیئے کہ جزوِ زندگی بن جایئے

اک پتنگے نے یہ اپنے رقصِ آخر میں کہا
روشنی کے ساتھ رہیے روشنی بن جایئے

جس طرح دریا بجھا سکتے نہیں صحرا کی پیاس
اپنے اندر ایک ایسی تشنگی بن جایئے

دیوتا بننے کی حسرت میں معلق ہوگئے
اب ذرا نیچے اتریئے آدمی بن جایئے

جس طرح خالی انگوٹھی کو نگینہ چاہیے
عالم امکاں میں اک ایسی کمی بن جایئے

عقلِ کُل بن کر تو دنیا کی حقیقت دیکھ لی
دل یہ کہتا ہے کہ اب دیوانگی بن جایئے

وسعتوں میں لوگ کھودیتے ہیں خود اپنا شعور
اپنی حد میں آیئے اور آگہی بن جایئے

حُسنِ معنی کیوں رہے حرف و صدا کی قید میں
ماورائے گوش و لب اک اَن کہی بن جایئے

عالمِ کثرت نہاں ہے اس اکائی میں سلیم
خود میں خود کو جمع کیجئے اور کئی بن جایئے

Scanned by CamScanner

وہ ہاتھ ہاتھ میں آیا ہے آدھی رات کے بعد
دیا دیے سے جلایا ہے آدھی رات کے بعد

میں آدھی رات تو تیرہ شبی میں کاٹ چکا
چراغ کس نے جلایا ہے آدھی رات کے بعد

میں جانتا ہوں کہ سب سو رہے ہیں محفل میں
فسانہ میں نے سنایا ہے آدھی رات کے بعد

ستارے جاگ اٹھے ہیں کسی کی آہٹ سے
یہ کون ہے کہ جو آیا ہے آدھی رات کے بعد

مجھے خبر بھی نہیں ہے کہ شب نوردوں نے
مجھے کہاں سے اٹھایا ہے آدھی رات کے بعد

ہوا تھا شامِ خیال و ملال سے آغاز
وہی دیا وہی سایا ہے آدھی رات کے بعد

یہاں تو کوئی نہیں ہے، ہوا، نہ تُو، نہ چراغ
یہ مجھ کو کس نے جگایا ہے آدھی رات کے بعد

کبھی جو دن کو بھی ملتا نہیں اکیلے میں
اسی نے مجھ کو بلایا ہے آدھی رات کے بعد

Scanned by CamScanner

یہ زمیں یہ چاند یہ سورج یہ تارے دیکھنا
حُسنِ نادیدہ کے سارے استعارے دیکھنا

اک خبر دینا کسی آتے ہوئے طوفان کی
کشتیوں کو جب کبھی دریا کنارے دیکھنا

جنوری کی سردیوں میں ایک آتشداں کے پاس
گھنٹوں تنہا بیٹھنا بجھتے شرارے دیکھنا

جب کبھی فرصت ملے تو گوشۂ تنہائی میں
یادِ ماضی کے پرانے گوشوارے دیکھنا

میرے ماضی کے رسالوں کو نہ کھو دینا سلیم
اب کہیں ملتے نہیں ہیں یہ شمارے دیکھنا

Scanned by CamScanner

خیر کا تجھ کو یقیں ہے اور اُس کو شر کا ہے
دونوں حق پر ہیں کہ جھگڑا صرف پس منظر کا ہے

آنسوؤں سے تُو ہے خالی درد سے عاری ہوں میں
تیری آنکھیں کانچ کی ہیں میرا دل پتھر کا ہے

کون دفناتا اُسے وہ اک برہنہ لاش تھی
سب نے پوچھا کون ہے وہ کون سے لشکر کا ہے

تُو سکوں سے تھک گیا ہے اور بیتابی سے میں
شوق ہے تجھ کو سفر کا اور مجھ کو گھر کا ہے

ایک پودا صحن میں تھا دھوپ کھا کر جل گیا
صرف میرا ہی نہیں ہے رنج یہ گھر بھر کا ہے

سوچتا رہتا ہوں میں تیری اُڑانیں دیکھ کر
یہ ہوا کا زور ہے یا تیرے بال و پر کا ہے

ایک بوڑھے نے کیا عصرِ رواں پہ تبصرہ
یہ زمانہ آدمی کا ہے کہ زور و زر کا ہے

میں نے سینچا ہے لہو سے اس دلِ سرسبز کو
عمر بھر سے یہ علاقہ میری چشمِ تر کا ہے

میں سمٹ کر لیٹتا ہوں بسترِ ادراک پر
پاؤں پھیلاؤں تو اندیشہ مجھے چادر کا ہے

Scanned by CamScanner

اس مسافت کا مداوا تجھ سے بھی ممکن نہیں
زخمِ دل سے کچھ زیادہ زخم میرے سر کا ہے

ایک طبیبِ آدمیت نے کہا ہے صاف صاف
زہر دنیا کی رگوں میں سب فسادِ زر کا ہے

دیکھ کر انسان کو کہتی ہے ساری کائنات
یہ تو ہم میں سے نہیں ہے، یہ کوئی باہر کا ہے

ساری کڑیاں توڑ دیں میں نے محبت کے سوا
کون توڑے گا اِسے یہ جبر تو اندر کا ہے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

پیش لفظ

"مشرق ہار گیا" میں نے ۱۹۷۱ء میں لکھی لیکن یہ نظم میری روح میں پینتیس سال سے پک رہی تھی۔ اس طویل پس منظر کے بغیر یہ نظم لکھی نہیں جاسکتی تھی۔ مجھے اپنے مخصوص مزاج کے باعث ذاتی باتیں کرنا اچھا نہیں لگتا۔ کچھ شرم سی آتی ہے، کچھ خود پسندی سی معلوم ہوتی ہے لیکن ایک شاعر کے پاس ذاتی تجربے کے سوا اور کیا ہوتا ہے۔ اس سے اس کی ذاتی زندگی چھین لیجئے اور آپ دیکھیں گے کہ وہ ساحل کی سیپیوں کی طرح خالی ہے، اس نظم کی بنیاد میری ذاتی زندگی پر ہے۔ اب اسے پینتالیس سال پہلے کی بات ہے جب ۱۵ مئی ۱۹۲۶ء کو میرے والد سید شرافت علی کا انتقال ہوا تھا۔ اس وقت میری عمر نو سال تھی اور میں لکھنؤ کے سینٹینل اسکول میں چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد میرے منجھلے تائے حکیم سید شجاعت علی نے جنہیں میں منجھلے ابا کہتا تھا مجھے اپنے پاس رکھ لیا اور شکلا ہائی اسکول میں داخل کرادیا۔ وہ لکھنؤ کے ایک محلّہ ٹکیٹ گنج میں رہتے تھے اور طبابت کا پیشہ کرتے تھے، پرانے مسلم لیگی تھے اور چودھری خلیق الزماں سے ان کے خصوصی تعلقات تھے، شاعر بھی تھے، شجاع تخلص کرتے تھے۔ میں ان کے پاس دو سال رہا۔ یہ زمانہ لکھنؤ کی زندگی میں ایک ہیجانی زمانہ تھا۔ ایک تو اس سبب سے کہ سیاسی ہلچل کی جو لہر ہندوستان کے کسی گوشے سے اٹھتی تھی وہ لکھنؤ بھی پہنچ جاتی تھی دوسرے خاص لکھنؤ میں مدحِ صحابہ اور تبرا ایجی

Scanned by CamScanner

ٹیشن کا زمانہ تھا۔ ان دونوں باتوں کے اثر سے لکھنؤ کی اجتماعی زندگی صبح و شام زیروزبر ہوتی۔ مذہبی مناظرے کثرت سے ہوتے تھے۔ سب سے زیادہ زور شیعہ عقائد پر تھا لیکن دیگر فرقوں کے درمیان بھی مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ میرے منجھلے تائے سید لیاقت علی مذہبی آدمی تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی سے بیعت تھے۔ وہ مجھے لے کر مناظروں اور جلسوں میں جایا کرتے تھے اور میں ان کے ساتھ رات رات بھر جاگ کر وعظ اور مناظرے سنا کرتا تھا لیکن یہ میرے والد کے انتقال سے پہلے کی بات ہے۔ منجھلے ابا کے یہاں مذہبی باتوں کی جگہ سیاسی دلچسپیوں نے لے لی تھی۔ ان کے مطب میں طرح طرح کے لوگ جمع ہوتے اور دن رات کانگریس، مسلم لیگ، مجلس احرار، جمیعۃ العلمائے ہند اور نہ جانے کن کن سیاسی جماعتوں پر بحث و مباحثہ ہوتے تھے۔ دنیائے اسلام میں ہونے والی تبدیلیاں یہاں کی گفتگو کا ایک حصہ تھیں۔ میں گھنٹوں منجھلے ابا کے مطب میں بیٹھا سنتا رہتا اور مجھے ان سے شدید دلچسپی محسوس ہوتی تھی۔ اس طرح سیاست اور مذہب بچپن ہی سے میری توجہ کا مرکز بن گئے۔

منجھلے ابا کی عادت تھی کہ رات کے کھانے کے بعد مجھے آواز دیتے اور حقہ لانے کے لئے کہتے تھے پھر گھر کے سارے لوگوں کو جمع کر کے ''واقدی'' کی فتوح الشام کھول کر بیٹھ جاتے اور اپنی باٹ دار آواز میں اسلامی فتوحات کی داستانیں سنایا کرتے تھے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ، حضرت ضرار بن ازورؓ، حضرت شرجیل بن حسنہؓ کے نام روز میرے کانوں میں پڑتے اور منجھلے ابا کے سنانے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ دل میں جوش پیدا ہو جاتا۔ میں دل میں سوچا کرتا کہ کاش اک بار پھر وہ زمانہ لوٹ آئے۔ اسلامی لشکر فتوحات کے لئے نکلیں اور میرا ننھا سا خواب یہ تھا کہ میں بھی اس لشکر کے ساتھ ہوں اور میرا نام بھی مجاہدوں میں شامل ہو۔

ٹھیک یہی زمانہ تھا جب ایک واقعہ کا میری زندگی پر گہرا اثر پڑا۔ منجھلے ابا کے بیٹے جن کا نام اشفاق حسین ہے اور جنہیں ہم پتن بھائی کہتے ہیں مجھے خاکساروں کا ایک مظاہرہ دکھانے لے گئے جس میں مصنوعی جنگ کا پروگرام بھی شامل تھا۔ شام کا وقت تھا۔ خاکسار اپنی وردیوں میں بیلچے لگائے، چپ راست کرتے ہوئے جنگی مظاہرہ کر رہے تھے کہ تیز بارش شروع ہو گئی مگر تماشائیوں کے جوش و اشتیاق کا یہ عالم تھا کہ کوئی آدمی اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہیں ہوا۔ مجھے یہ سارا منظر

Scanned by CamScanner

اب تک یاد ہے، میں اس میں ڈوب سا گیا تھا۔ مظاہرہ کرنے والوں میں ایک گیارہ بارہ برس کا بچہ بھی شامل تھا۔ سرخ و سفید سرحدی بچہ۔ اپنی خوبصورت وردی میں ننھا سا بیلچہ لگائے مجھے اتنا اچھا لگا کہ دعا مانگنے لگا کہ کاش اس کی طرح میں بھی خاکسار تحریک کے مجاہدوں میں شامل ہو جاؤں۔ تب سے خاکسار تحریک سے مجھے شدید دلچسپی پیدا ہو گئی۔ خاکسار مجاہدین میری نظر میں خالد بن ولیدؓ کے جدید لشکر کا نیا روپ تھے۔ بعد میں کانگریس حکومت نے خاکساروں پر گولی چلائی جس میں متعدد خاکسار شہید ہوئے۔ اس واقعہ نے خاکساروں سے میری دلچسپی اور ہمدردی کو عشق تک پہنچا دیا۔

ہمارے محلے میں ایک خاکسار ہوتے تھے جن کے پاس علامہ مشرقی کا اخبار ''الاصلاح'' آتا تھا۔ میں نے ان سے لے کر وہ اخبار پڑھنا شروع کر دیا اور ان سے علامہ اور ان کی تحریک کی باتیں سننے اور کرنے لگا۔ خاکسار تحریک سے میری یہی دلچسپی تھی جو میرٹھ میں پروفیسر کرار حسین سے میرے تعلق کی بنیاد بنی۔ میں جب لکھنؤ سے میرٹھ آیا تو میرے ایک دوست نعیم قریشی مرحوم جو خود بھی خاکسار تھے، پروفیسر کرار صاحب سے میری ملاقات کا سبب بنے اور میں اس گروپ میں شامل ہو گیا جسے میرٹھ میں ''الامین'' گروپ کہا جاتا تھا۔ اختر حمید خاں، اختر حامد خاں، رؤف صاحب، یونس منصور یہ سب لوگ اسی گروپ کے روح رواں تھے۔ اختر حامد خاں سے مجھے ایک خصوصی تعلق پیدا ہو گیا۔ یونس منصور اب بھی ملتے ہیں تو سارا ماضی زندہ ہو جاتا ہے۔

خاکسار مسلم لیگ سے خوش نہیں تھے اور ''الامین'' کا انٹلکچوئل گروپ تو مسلم لیگی ذہنیت ہی سے بیزار تھا مجھے خود مسلم لیگی قیادت اچھی نہیں لگتی تھی اور میں انہیں ٹوڈی، کاسہ لیس، مطلب پرست اور انگریزوں کا ایجنٹ سمجھا کرتا تھا۔ کرار صاحب کی رہائش گاہ پر ہم لوگ رات کو جمع ہوتے تو گفتگو کا ایک حصہ مسلم لیگ کی تنقید کے لئے بھی وقف ہوتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں بھی مسلم لیگیوں کو یہ مسلم لیگی، کہہ کر ان کا مذاق اڑانے میں پیش پیش ہوتا۔ مسلم لیگ کے پاکستان کی جگہ میرا نصب العین پورے برصغیر میں خلافت اسلامیہ کا قیام تھا۔ کیوں اور کیسے، یہ میری سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن خاکسار تحریک کی عسکریت شاید لاشعوری طور پر میرے ذہن میں اسی سوال کا جواب تھی۔

۴۵ء میں محمد حسن عسکری میرٹھ آ گئے۔ میں ماہنامہ ''ساقی'' میں ان کی جھلکیاں پڑھ پڑھ

Scanned by CamScanner

کر ان کا عاشق ہو گیا تھا۔ وہ میرٹھ آئے تو چند ہی ملاقاتوں میں ان سے گہرا ذاتی تعلق پیدا ہو گیا جو آج تک میری زندگی کے مقدس ترین رشتوں میں سے ایک ہے۔ عسکری صاحب کٹر مسلم لیگی تھے اور اس زمانے میں جب برصغیر کے سارے ادیب ترقی پسند بنے ہوئے تھے، عسکری صاحب وہ واحد آدمی تھے جو کھل کر مسلم مفاد کی بات کرتے تھے۔ انہیں پاکستان سے عشق اور قائداعظمؒ سے شدید عقیدت تھی اور وہ اسی زمانے میں کئی مضامین پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت میں لکھ کر بدنام ہو چکے تھے۔ انہوں نے مجھے مسلم لیگ کی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ اب میرے دل میں کرار حسین اور عسکری کے درمیان ایک کشمکش شروع ہو گئی۔ ایک طرف کرار حسین اور خاکسار تحریک تھی، دوسری طرف عسکری صاحب اور مسلم لیگ۔ میں عسکری صاحب کی باتوں سے متاثر تو ہونے لگا تھا مگر پلڑا کرار حسین کی طرف زیادہ جھکتا تھا۔ فیصلہ کن بات اس وقت ہوئی جب مولانا شبیر احمد عثمانی مسلم لیگ کی طرف سے میدان میں اترے۔ لیاقت علی خاں کا الیکشن ہونے والا تھا۔ مولانا عثمانی کی تقریر نے مجھے بالکل بدل کر رکھ دیا۔ مولانا عثمانی نے مسلم لیگ کی حمایت میں جو مہم شروع کی تھی اس کا آغاز میرٹھ سے ہوا۔ میرٹھ جمعیت العلمائے ہند کے زیر اثر تھا اور مولانا مدنی کی وہاں بڑی مان دان تھی۔ مولانا عثمانی نے جب اپنے پہلے جلسے کی تقریر کی تو پورا میرٹھ اُمنڈ پڑا اور ایک تقریر نے ہوا کا رخ بدل دیا۔ اگلی صبح سارا شہر مولانا عثمانی کے گُن گا رہا تھا۔ یہ تقریر میری زندگی میں ایک بنیادی تبدیلی کا سبب ثابت ہوئی۔ مسلم لیگ اور پاکستان کے بارے میں عسکری صاحب نے میرے خیالات کو پہلے ہی متاثر کر دیا تھا۔ اگلی صبح میں کچھ طالب علموں کے ساتھ مولانا عثمانی سے ملنے گیا۔ مولانا عثمانی نے میری بات سن کر صرف ایک بات کہی ”تم خلافت اسلامیہ چاہتے ہو۔ یہ بتاؤ کہ اس کا امکان وہاں زیادہ ہے جہاں ہندو اکثریت میں ہوں یا وہاں زیادہ ہے جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہو؟“ بس یہ بات سن کر مجھے محسوس ہوا کہ میرے ذہن کی قلب ماہیت ہو گئی ہے۔ مجھے میرے سوال کا جواب مل گیا۔ میں ان کے پاس سے لوٹا تو پورا مسلم لیگی بن چکا تھا اور پاکستان میرے نصب العین کا حصہ ہو گیا تھا۔

بات لمبی ہو گئی مگر ایوب خان کے دورِ آخر میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وطنِ عزیز بہت جلد ایسے خطرات سے دوچار ہونے والا ہے جن کے نتائج پوری قوم کے لئے تباہ کن ثابت ہوں گے۔ جب

Scanned by CamScanner

ایوب خان کی آمریت بر طرف ہوئی اور یحییٰ خان نے انتخابات کا اعلان کیا تو مجھے یقین کی حد تک احساس تھا کہ یہ الیکشن پاکستان کی تاریخ میں فیصلہ کن ثابت ہوگا۔ پاکستان اور اسلام کو میرے نزدیک بڑے خطرات در پیش تھے۔ ان کے پیش نظر یہ ممکن نہیں تھا کہ میں اس صورت حال میں تماشائی بن کر رہ سکتا۔ میں اس میں اپنی بساط برابر حصہ لینا چاہتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ اگر اس موقع پر میں نے اس میں حصہ نہ لیا تو میری پوری زندگی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس میں حصہ لینے کی صورت کیا ہوگی۔ میں اسی کشمکش اور سوچ بچار میں تھا کہ الطاف حسن قریشی صاحب نے مجھے پیغام بھیجا کہ وہ کراچی سے جسارت نکال رہے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کے لئے کالم لکھوں۔ جسارت جماعت اسلامی کا اخبار تھا جو ادیبوں اور دانشوروں میں سخت ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور "جماعتیہ" ہونا ایک گالی سمجھا جاتا تھا۔ مگر اپنے اسلامی نصب العین کی وجہ سے مجھے جماعت سے یک گونہ ہمدردی ہمیشہ محسوس ہوتی رہی ہے۔ الطاف حسن صاحب نے مجھے آفر دیا تو میں نے اسے غیب کا ایک اشارہ سمجھا۔ خدا نے مجھے پاکستان کی بقا اور تحفظ کی جنگ میں حصہ لینے کا موقع فراہم کر دیا تھا۔ میں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور فوراً ہاں کہہ دی۔

اس زمانہ میں مجھ پر دیوانگی سی طاری تھی۔ میں اپنی دانست میں پاکستان اور اسلام کے دشمنوں کے خلاف میدان جہاد میں کود پڑا تھا۔ خالد بن ولیدؓ اور ضرار بن ازورؓ کے دستے روانہ ہو چکے تھے، میں ان دستوں کا ایک سپاہی تھا۔ مجھے جان کی بازی لگا کر اپنا فریضہ ادا کرنا تھا۔ میں دن میں چار چار مضامین لکھتا جو "جسارت" اور "زندگی" میں کچھ میرے نام سے اور کچھ فرضی ناموں سے شائع ہوتے۔ میں نے اس زمانے میں سیاسی مسائل پر جتنا لکھا وہ میری زندگی کی یادگار تحریریں ہیں۔ میں انہیں اپنے وجود کی پوری قوت سے لکھ رہا تھا اور مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے بچپن سے لے کر آج تک میری پوری زندگی کے شدید ترین جذبات ان تحریروں میں سمٹ آئے ہیں۔

الیکشن کا جو نتیجہ نکلا اور اس کے بعد وطنِ عزیز کو جن بحرانوں سے دوچار ہونا پڑا وہ اب اجتماعی تاریخ کا ایک حصہ ہیں۔ الیکشن میں جماعت اسلامی اور دائیں بازو کی تمام جماعتوں کی شرمناک اور المناک شکست نے میرے شعور اور احساس کو دونیم کر دیا۔ الیکشن کا نتیجہ نکلنے کے بعد میں تین راتوں تک سو نہ سکا۔ خاموش بیٹھا چائے اور سگریٹ پیتا رہا۔ اس عالم میں میری پوری زندگی فلم کی

Scanned by CamScanner

تصویروں کی طرح میری نگاہوں کے سامنے پھرنے لگی، میرے اندر نہ جانے کیسا دھماکہ ہوا کہ
بچپن سے لے کر ۱۹۷۱ء تک کے تمام واقعات و حالات لاشعور کے تاریک نہاں خانوں سے نکل کر
شعور میں آگئے۔ میں خیالوں اور یادوں کی گزرگاہ بن گیا۔ اس حالت میں نہ جانے کیا ہوا کہ خود بخود
''مشرق ہار گیا'' کا آغاز ہو گیا۔ ایک طوفان کی طرح یہ نظم میرے پورے وجود پر چھا گئی۔ بے خودی
کا ایک عالم تھا، میں روتا جاتا تھا اور لکھتا جاتا تھا، لکھتا جاتا تھا اور روتا جاتا تھا۔ مجھے اس نظم کی ادبی اور
شعری اہمیت پر اصرار نہیں ہے ممکن ہے کہ جمالیاتی اعتبار سے یہ ایک بالکل ناقص نظم ہو لیکن
شاعری اگر روح کی پکار اور ایک پوری زندگی کا ثمر ہے تو یہ نظم یقیناً ایسی شاعری ہے جو میرے وجود
کی پوری معنویت کا اظہار کرتی ہے۔

اس نظم میں اقدار و عقائد کی اس شکست کا بیان ہے جس کی علامت الیکشن میں دائیں بازو کی ہار
ہے پھر یہ نظم میری پوری زندگی کو سمیٹتی ہوئی اس دور تک پہنچتی ہے جب ۶۴ء میں، میں ایک شدید
اختلال ذہنی کا شکار ہوا تھا۔ اس ذہنی حادثے کے دوران میرا ذہن جس طرح حرکت کرتا تھا میں
نے اس کی حرکت کو اسی طرح ریکارڈ کرنے کی کوشش کی ہے جس طرح وہ میرے ذہن میں پیدا
ہوئی تھی، ابھی یہ نظم نامکمل ہے ارادہ تھا کہ اسے تین حصوں میں لکھوں گا۔ پہلا حصہ مشرق ہار گیا،
دوسرا حصہ مغرب، تیسرا حصہ رب المشرقین و رب المغربین۔ جس میں، میں اس پورے دور کے
بارے میں اپنے نظریات و خیالات پیش کروں گا۔ لیکن یہ نظم ''نیند کی وادی'' پر آکر ختم ہو گئی اور
ایسی غائب ہو گئی کہ اب اس کا کوئی سراغ میرے اندر موجود نہیں ہے، اگر کبھی اس کا گمشدہ سرا ہاتھ
آیا اور نظم اس تصور کے مطابق مکمل ہوئی جو میرے ذہن میں موجود ہے تو اس پوری نظم کا نام
''کشتی نوح'' ہو گا جو ایک عالمگیر سیلاب میں سلامتی اور نئی زندگی کا استعارہ ہے۔ بہر حال نظم اب
تک جس صورت میں موجود ہے قارئین کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے۔ یہ نظم نہیں میری روح کا
ایک رزمیہ ہے۔

سلیم احمد

۲۴ جولائی ۱۹۸۳ء

Scanned by CamScanner

چند ضروری گزارشات

بھائی صاحب نے اپنی زندگی میں جن سات کتابوں کی فوری اشاعت کا منصوبہ بنایا تھا، ان میں "اکائی" (دوسرا ایڈیشن) "اقبال ایک شاعر" (دوسرا ایڈیشن) حاشیوں کے اضافے کے ساتھ) "نئی نظم پورا آدمی" (بارہ مضامین کے اضافے کے ساتھ) کے علاوہ چار نئی مطبوعات شامل تھیں۔ "نئی شاعری نامقبول شاعری" (مضامین کا مجموعہ) "اسلامی نظام، مسائل اور تجزیے" (اس موضوع پر کالموں اور مضامین کا مجموعہ) اور دو شعری مجموعے "چراغ نیم شب" اور "مشرق" (جلد اول) وہ چاہتے تھے کہ یہ ساتوں کتابیں ۱۹۸۳ء ہی میں ورنہ زیادہ سے زیادہ ۱۹۸۴ء کے وسط تک شائع ہو جائیں۔ اس کے لیے انھوں نے چھ کتابیں اپنے بعض احباب اور اداروں کو دے دی تھیں لیکن اللہ کو یہ کام ان کی زندگی میں منظور نہ تھا۔ چنانچہ ان چھ میں سے تین کتابیں ان کی وفات کے بعد شائع ہو چکی ہیں۔

ان کتابوں میں "مشرق" (پہلی جلد) وہ واحد کتاب تھی جس کو وہ خود شائع کرنا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی حیات میں اس کی کتابت کرالی تھی اور پریس کا مرحلہ باقی تھا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے مشرق کا منصوبہ ایک طویل نظم کی صورت میں بنایا تھا۔ اور جیسا کہ انھوں نے اپنے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ یہ نظم تین حصوں میں منقسم ہوتی۔ مشرق، مغرب اور رب

Scanned by CamScanner

المشرقین ورب المغربین۔ اس نظم میں ۲۸ سے ۳۰ ہزار مصرعے ہوتے لیکن اپنی معاشی اور گھریلو ذمہ داریوں کے پیش نظر ان کی زیادہ توجہ کمرشل تحریروں پر دینی پڑی اور یہ منصوبہ بروقت تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔ لیکن انھوں نے اس کا پہلا حصہ یعنی مشرق تقریباً مکمل کر لیا تھا جس میں کم و بیش سات ہزار مصرعے تھے۔ ظاہر ہے کہ صرف مشرق ہی کی اشاعت کوئی آسان اور سہل کام نہ تھا۔ لہٰذا انھوں نے مشرق کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلی جلد کی اشاعت کا کام شروع کرا دیا تھا اور دوسری جلد کی اشاعت کو موخر کر دیا تھا۔ ان کی رحلت کے بعد ہم لوگوں نے یہ طے کیا کہ مشرق کی اشاعت اب اکٹھا ہی ہونی چاہیے۔

جب مشرق کے مسودے کو اکٹھا کیا گیا تو یہ انکشاف ہوا کہ انھوں نے مختلف اوقات میں مشرق کی جو نقول تیار کرائی تھیں ان میں سے کوئی بھی مکمل نقل موجود نہیں ہے اور بعض نظر ثانی شدہ نقول موجود نہیں تھیں۔ بہر حال کچھ ان کی لکھی ہوئی ابتدائی کاپیوں اور کچھ نامکمل اور بعض نقول کے الگ الگ حصوں کے ذریعے مشرق کے موجودہ مسودے کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس پورے کام میں عزیزی قرۃ العین سلیم، عزیزی معین الدین احمد اور برادرم جمال پانی پتی نے جس محنت اور دیدہ ریزی سے اس کام کی ترتیب میں میرا ہاتھ بٹایا وہ محبت ہی کرا سکتی تھی۔ بہر حال اس پورے کام پر نظر ڈالتے ہوئے تین باتیں وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہیں۔ نظم کے ایک حصے اسٹوڈیو نمبر ۹ کی نظر ثانی کے بعد بھائی صاحب نے اس کو بہت بڑھا دیا تھا جو موجودہ مسودے سے ڈیوڑھا تھا، یہی صورت صنم کدہ پروڈکشن کی تھی اس کی مکمل اور آخری شکلیں غائب ہیں۔ اس کے علاوہ ایک مکالمہ جوانا، تخلیقی انا اور فنکار کے موضوع پر تھا وہ بھی نہیں مل سکا ہے۔ مشرق کے بارے میں بھائی صاحب نے اپنے انتقال سے کچھ عرصہ قبل کچھ ہدایات بھی دی تھیں۔ آخری مسودے کی تیاری میں ان کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ اس طرح ہمارے پاس جو بھی مواد موجود تھا اس پر مشتمل یہ نظم پیش کی جا رہی ہے۔

مشرق کی اشاعت کے لئے برادرم افتخار عارف نے اپنی کراچی کی "ایک آمد" کے موقع پر مجھ سے زبانی بات کی تھی۔ پھر بعد میں کچھ خط و کتابت بھی رہی۔ بالآخر یہ کتاب ان کی خواہش پر ان کے

Scanned by CamScanner

حوالے کردی گئی۔ جواب ان کے زیر اہتمام شائع ہو رہی ہے۔ یہ بھائی صاحب سے ان کی محبتوں اور تعلق خاطر کا اظہار ہے۔ چونکہ مشرق پہلی بار سامنے آ رہی ہے اس لیے ایک اشارہ ضروری ہے کہ اس کے مختلف حصے مشرق میں بیسویں صدی کی عالمی انسانی صورت حال کو ہمارے سامنے لاتے ہیں۔ یہ نظم بھائی صاحب کی زندگی، ان کے مشاغل اور دوستوں کے حوالے سے ایک شخصی سفر کی روداد بھی ہے لیکن اس کے ساتھ ایک تمثیلی اور رمزیہ انداز میں زندگی کے مختلف مظاہر اور رویوں کا اظہار بھی، یہی اس کی وہ معنویت ہے جس کی وجہ سے یہ "سفینۂ نوح" کی علامت میں تکمیل پائی۔ ان متنوع رویوں اور مختلف کرداروں کے ساتھ "مکالموں" کی صورت میں بیسویں صدی میں مشرق کے موجودہ معاشروں بالخصوص برصغیر پاک و ہند کی زندگی کے بعض بنیادی سوالات اور مسائل پر ایک فکری نظر بھی ڈالی گئی ہے۔

شمیم احمد

Scanned by CamScanner

سخنہائے گفتنی

سلیم بھائی کو گزرے ہوئے چھ برس ہو گئے۔ اب بھی جی نہیں مانتا کہ اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں۔ وہ کون تھے؟ کیا تھے؟ انہوں نے کیا کچھ کیا؟ اردو ادب میں ان کا مقام کیا ہے؟ موجودہ نسل سے ان کا کیا رشتہ تھا؟ وہ رجعت پسند تھے یا ترقی پسند؟ کیا ان کی شخصیت پر کوئی لیبل لگایا جاسکتا ہے؟ یہ اور ایسے بہت سے سوالات ہیں جن کے جوابات اس عہد کے دانشوروں اور ادیبوں پر قرض ہیں۔ غنیمت ہے کہ کچھ نے یہ کام شروع بھی کر دیا ہے۔ قرضہ بڑا ہے، قسط وار بھی ادا کیا جاسکتا ہے۔ کاش قسطوں کی ادائیگی میں ناہمواری اور کمی نہ ہو۔ اس دراز نفسی سے سلیم بھائی کے پرستاروں اور محبت کرنے والوں پر خدانخواستہ اعتراض کرنا ہرگز مقصود نہیں اور پھر اس مسئلہ میں بولنے والا میں کون؟

جہاں تک سلیم بھائی سے میری محبتوں، حوالوں اور نسبتوں کا تعلق ہے ان کی نہ مجھے تشہیر کی ضرورت ہے اور نہ یہ اظہار کا کوئی موقع ہے۔ ان امور میں گواہی اور سندِ خوشنودی کا یوں بھی میں قائل نہیں۔ اور یہ ؎

بڑی طویل کہانی ہے پھر کبھی اے دوست

سلیم بھائی کی زندگی میں دراصل ان کے دو شعری مجموعے "بیاض" ۱۹۶۶ء اور "اکائی" ہی

منظر عام پر آ سکے۔ دونوں مجموعوں کے درمیان پندرہ سال سے زیادہ کا وقفہ تھا۔ ''اکائی'' (لاہور، ۱۹۸۲ء) گو ان کی زندگی میں شائع ہوئی لیکن اس میں کتابت و طباعت کی غلطیوں کی بھرمار تھی اور سلیم بھائی اس اشاعت سے قطعاً خوش نہیں تھے۔ ''اکائی'' کا تصحیح شدہ ایڈیشن (فروری ۱۹۸۵ء) ان کی وفات کے بعد تنظیم احباب میرٹھ، کراچی کی جانب سے شائع ہوا۔ تیسرا شعری مجموعہ ''چراغِ نیم شب'' (۱۹۸۵ء) مکتبہ اسلوب کراچی نے چھاپا۔

سلیم بھائی کا چوتھا شعری مجموعہ ''مشرق'' آپ کے سامنے ہے۔ ''مشرق'' کئی اعتبار سے بڑا اہم، توجہ طلب، فکر انگیز اور شاید آخری مجموعۂ منظومات ہے۔ اس میں شامل سارے مواد کی تیاری و ترتیب سلیم بھائی اپنی زندگی میں کر چکے تھے۔ اس کی اکثر نظمیں سلیم بھائی کے بہت سے احباب اور قریب کے لوگ ان سے سن بھی چکے ہیں۔ بعض منظومات ناتمام صورت میں ادھر اُدھر شائع بھی ہو چکی ہیں۔ حلقہ یاراں میں چند نظموں پر خاصی گفت و شنید بھی رہی ہے۔ سلیم بھائی کی خواہش تھی کہ کسی طرح ''مشرق ہار گیا''، ''البم'' اور دیگر متعلقہ منظومات کتابی صورت میں ان کے سامنے چھپ جائیں۔ میرا بھی ان سے اَن کہا وعدہ تھا کہ اس سلسلے میں جو ناچیز سے بن پڑے گا، کرے گا۔ جب سلیم بھائی ہم سے جدا ہو گئے تو میں نے وعدے کا اعلان بھی کر دیا۔ ایفائے عہد میں تاخیر ہوئی۔ دشواریوں کی تفصیل اب بیان کرنا لاحاصل ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ باعثِ تاخیر صرف میں ہوں، بہر حال اللہ کا شکر کہ آخر کار اس نے مجھے سرخرو کیا۔

''مشرق'' دو فصلوں اور انیس طویل یا طویل تر نظموں پر مشتمل مجموعہ ہے جس میں ''مشرق ہا رگیا'' محوری حیثیت رکھتی ہے۔ میرے خیال میں یہ نظم نہ صرف اس مجموعے کی بلکہ ہمارے عہد کی بہترین طویل نظموں میں منفرد مقام رکھتی ہے۔ یہاں دورِ حاضر کی طویل نظموں کا جائزہ لینا مقصود نہیں، مقبول رومانوی یا احتجاجی رنگ کے ممتاز و معتبر شعراء کی فہرست نگاری کا بھی محل نہیں۔ بات ''مشرق'' کی ہے، جس کے بعض حصوں سے لوگوں کو اختلاف ہو سکتا ہے، مجھے بھی ہے، لیکن اثر انگریزی میں کلام نہیں۔ اسی کتاب میں ایک اور معرکہ آراء نظم ''مکاشفہ'' کے علاوہ انتہائی دلچسپ اور شخصی خاکوں پر مشتمل البم نمبر (۱) البم نمبر (۲) جیسی نظمیں بھی موجود ہیں جن میں سلیم بھائی

Scanned by CamScanner

نے ایک اچھے مصور کی طرح صرف چند لکیروں کی مدد سے مہارت و چابک دستی کے ساتھ متاثر کن اور زندہ خاکے ابھارے ہیں۔ ایک شاعر کے مشاہدے، ذہانت اور حساسیت سے ان کا خمیر اٹھا ہے۔ یہاں بھی کہیں کہیں نقطۂ نظر اور زاویہ نگاہ کا اختلاف ہو سکتا ہے لیکن نیک نیتی اور اخلاص میں شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

میں کتاب کے سارے مشمولات پر روشنی نہیں ڈالوں گا۔ صرف یہ عرض کر کے رخصت چاہوں گا کہ "مشرق" میرے لئے تو سلیم بھائی کی ایک یادگار اور اہلِ شعر و ادب اور دانشوروں کے لئے سوغات ہے۔ وہ لوگ اور قارئین جو اتفاق سے شاعر سلیم احمد سے کبھی ملے اور ان کی شخصیت اور فکر و فن کے ارتقاء اور جہتوں سے واقف ہونا چاہتے ہیں اور اسی حوالے سے شاید ان کے ذہنوں میں بہت سے سوالات ہوں گے۔ "مشرق" ان ہی تمام سوالات کا جواب ہے۔

افتخار عارف

اردو مرکز، لندن

Scanned by CamScanner

مشرق ہار گیا

کپلنگ نے کہا تھا:
"مشرق" مشرق ہے
اور مغرب مغرب ہے
اور دونوں کا ملنا نا ممکن ہے"
لیکن مغرب، مشرق کے گھر آنگن میں آپہونچا ہے
میرے بچوں کے کپڑے لندن سے آتے ہیں
میرا نوکر بی بی سی سے خبریں سنتا ہے
میں بیدؔل اور حافظؔ کے بجائے
شیکسپیئر اور رلکے کی باتیں کرتا ہوں

اخباروں میں
مغرب کے چکلوں کی خبریں اور تصویریں چھپتی ہیں
مجھ کو چگی داڑھی والے اکبرؔ کی کھسیانی ہنسی پر

Scanned by CamScanner

----رحم آتا ہے
اقبال کی باتیں (گستاخی ہوتی ہے)
----مجذوب کی بڑ ہیں
وارثؔ شاہ اور بُلھےؔ شاہ اور بابا فریدؔ؟
چلئے جانے دیجئے ان باتوں میں کیا رکھا ہے

مشرق ہار گیا ہے!
یہ بکسرؔ اور پلاسیؔ کی ہار نہیں ہے
ٹیپو اور جھانسی کی رانی کی ہار نہیں ہے
سن ستاون کی جنگ آزادی کی ہار نہیں ہے
ایسی ہار تو جیتی جا سکتی ہے (شاید ہم نے جیت بھی لی ہے)
لیکن مشرق اپنی روح کے اندر ہار گیا ہے

قبلا خانؔ تم ہار گئے ہو!
اور تمہارے ٹکڑوں پر پلنے والا لالچی مار کو پولوؔ
----جیت گیا ہے
اکبر اعظم! تم کو مغرب کی جس عیارہ نے تحفے بھیجے تھے
اور بڑا بھائی لکھا تھا
اس کے کتے بھی ان لوگوں سے افضل ہیں
جو تمہیں مہابلی اور ظل اللہ کہا کرتے تھے
مشرق کیا تھا؟
جسم سے اوپر اٹھنے کی اک خواہش تھی
شہوت اور جبلت کی تاریکی میں

Scanned by CamScanner

مشرق

اک دیا جلانے کی کوشش تھی!

میں سوچ رہا ہوں، سورج مشرق سے نکلا تھا

(مشرق سے جانے کتنے سورج نکلے تھے)

لیکن مغرب ہر سورج کو نگل گیا ہے

"میں ہار گیا ہوں"

---میں نے اپنے گھر کی دیواروں پر لکھا ہے

"میں ہار گیا ہوں"

میں نے اپنے آئینے پر کالک مل دی ہے

اور تصویروں پر تھوکا ہے

ہارنے والے چہرے ایسے ہوتے ہیں

میری روح کے اندر اک ایسا گہرا زخم لگا ہے

جس کے بھرنے کے لیے صدیاں بھی ناکافی ہیں

میں اپنے بچے اور کتے دونوں کو ٹیپو کہتا ہوں

مجھ سے میرا سب کچھ لے لو

اور مجھے اک نفرت دے دو

مجھ سے میرا سب کچھ لے لو

اور مجھے اک غصہ دے دو

ایسی نفرت، ایسا غصہ

جس کی آگ میں سب جل جائیں

---میں بھی!!

Scanned by CamScanner

میں اور وہ

"ہیلو!"

"ہیلو!"

"شام کو تم کہیں چل رہے ہو؟"

"نہیں آج گھر پر رہوں گا"

"تم کہیں جا رہے ہو؟"

"ارادہ تو ہے"

"کہاں؟"

"میٹروپول میں پرنسز زرینہ کا شو ہے
---- چلو گے؟"

"نہیں یار! ان تین پیسے کی شہزادیوں سے
---- میرا جی بھر چکا ہے"

"وہاں کون ہوگا؟"

"وہی مسخرے جن کی دانشوری سے میں تنگ آچکا ہوں"

Scanned by CamScanner

"وہی گنجے افسر جنہیں عورتوں، رشوتوں، دفتری سازشوں کے سوا کوئی موضوع نہیں ہے"

"نہیں یار! میں ان بھری توند والے غبی تاجروں سے بہت بور ہوں"

"تم چلے جاؤ"

"پھر ملاقات ہوگی خدا حافظ"

میں نے ریسیور میز پر رکھا اور ایش ٹرے کو دیکھا

آدھی سگریٹ سلگ رہی تھی

میں نے اس سے دوسری سگریٹ سلگائی

اور صوفے پر بیٹھ گیا

میں کتنا تھکا ہوا ہوں!

بیزاری میری رگ رگ میں اتر گئی ہے

"ننگی تصویریں" دیکھنے میں بھی جی نہیں لگتا

(یہ ایک ادیب کا بتایا ہوا نسخہ تھا جو فیل ہوا)

تنہا رہنے کی خواش واحد خواہش ہے

جو اپنے اندر پاتا ہوں

اور تنہائی سے ڈرتا بھی ہوں!

اکثر لوگوں کا سرمایہ یادیں ہوتی ہیں

مجھ کو کوئی بات یاد نہیں آتی

(خود پسندی یادوں کی دشمن ہوتی ہے)

سورج آہستہ آہستہ اپنے لمبے سفر کو طے کرتا

گھر کی دیواروں پر آپہونچا ہے

Scanned by CamScanner

سائے لمبے ہونے لگے ہیں

دور افق پر آگ لگی ہے

سورج اس آگ میں جل جائے گا!

میں شام کی ٹھنڈی راکھ کریدوں گا

اور ایش ٹرے میں سگریٹ جلتے بجھتے رہیں گے

رات ہو گئی

بلب کی ملگجی روشنی شب کی میت پہ نوحہ کناں ہے

دور گلیوں میں کتوں کے رونے کی آواز

اک ماتم بے سبب کا پتہ دے رہی ہے

راستے بے دلیل آرزوؤں کی مانند

الجھے ہوئے ایک انجانی منزل کی جانب رواں ہیں

میں تنہا چلا جا رہا ہوں!

میرے قدموں کی آواز میرے تعاقب میں ہے

کبھی میرا سایہ سمٹتا، کبھی پھیلتا ہے

کبھی ایک سائے سے کچھ اور سائے نکلتے ہیں

چاروں طرف بھاگتے ہیں!

میں دہشت زدہ ہوں

سبب کچھ نہیں ہے

مگر میرے اوہام صدیوں کی تاریخ سے

۔۔۔۔ میرے ہمراہ ہیں!

دیوتاؤں کے اسطور،

Scanned by CamScanner

جوگیوں کی حکایات،
پیروں فقیروں کے قصے
مرے خون میں ہیں
مرے جسم میں آریا اور سامی لہو کا تصادم ہے
مری ذات میں دو سمندر ہیں
جن کی لہریں جدا اور طوفان اک دوسرے سے
۔۔۔۔بہت مختلف ہیں!
(یہ میرے تعاقب میں کون آرہا ہے؟)

گھٹتے بڑھتے سائے مجھ کو گھیر رہے ہیں
میں ان کے نرغے میں ہوں
خوف اور دہشت سے کانپ رہا ہوں
جیسے طوفان کے جھکڑ میں پودے کانپ اٹھتے ہیں
میں نے ان سایوں میں اک شخص کو دیکھا
جس کی آنکھوں میں وہ وحشت تھی
۔۔۔۔جو ویرانوں میں ہوتی ہے
سر اور پیروں پر گرد جمی تھی
داڑھی الجھی ہوئی تھی
وہ ایک نظر میں وحشی، جینیس اور پاگل لگتا تھا
ایک خیال سایہ آسا
مجمع کو
(جس میں، میں بھی اک سایہ تھا)

Scanned by CamScanner

مخاطب کر کے

وہ پاگل چیخ رہا تھا

یہاں آؤ اور میری باتیں سنو

سنو دشتِ ظلمات میں چاند کجلا گیا ہے

ستارے کہن سال زندانیوں کی طرح

جاں کنی میں گرفتار ہیں

اور سورج کو امیدِ فردا نہیں ہے

مرے چار جانب گھٹاٹوپ اندھیرے کی دیوار ہے

اندھیرا کہ جو وسعتوں میں زمیں بن گیا ہے

اندھیرا کہ جو رفعتوں میں فلک ہو گیا ہے

اندھیرا کہ جو ابنِ آدم کا مسکن رہا ہے

مرے دونوں ہاتھوں میں کچھ بھی نہیں

راکھ ہے۔۔۔۔

میں اس راکھ کو اپنے چہرے پہ مل کر کھڑا ہوں

۔۔۔۔خدا ہے تو فریاد رس ہو

۔۔۔۔خدا ہے تو فریاد رس ہو

۔۔۔۔خدا ہے تو فریاد رس ہو!

مگر وہ خدائے بزرگاں کہاں ہے

جو "نور السموت والارض" ہے

حی و قیوم ہے

۔۔۔۔وہ خدائے بزرگاں کہاں ہے؟

کوئی کہہ رہا ہے "خدا کھو گیا ہے"

Scanned by CamScanner

مجھے ایک بوڑھے نے سرگوشیوں میں بتایا
۔۔۔۔"خدا ایک لمبے سفر پر گیا ہے"
ابھی اک جنونی یہ چلا رہا تھا "خدا مر گیا ہے"
سنو دوستو! میں حقیقت کا، اُس تجربے کا
جو تم اپنی روحوں میں محسوس کرتے ہو
منکر نہیں ہوں
جو تم دیکھتے ہو وہ حق ہے
جو کچھ آئینے میں جھلکتا ہے حق ہے
مگر آدمی آئینے کی طرح، حقیقت کی معکوس تعبیر
۔۔۔۔میں مبتلا ہے
حقیقت جو میں دیکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ
۔۔۔۔"ہم کھو گئے ہیں"
ہمیں ایک پُر ہول، صبر آزما، سمت و منزل سے عاری
سفر پر روانہ ہوئے ہیں
ہمیں مر چکے ہیں!
سنو دوستو! تم کو معلوم ہے
آدمی کیا ہے؟
وجود اور موجود کے درمیاں رشتۂ دید ہے
مقید سے مطلق کی جانب سفر ہے
اگر صاف کہہ دوں تو مطلق کا گھر ہے

مگر دوستو!

"رشتہ دید گم ہو گیا ہے"
تو جب میں نے تم سے کہا ہے کہ ہم کھو گئے ہیں
تو اس کا فقط اتنا مفہوم ہے
ہمارا سفر اب مقید سے مطلق کی جانب نہیں ہے
مقید مقید میں محصور ہو کر
اسی تنگ زنداں کی حد ناپتا ہے
ہمیں مر چکے ہیں کہ مطلق کا گھر منہدم ہو چکا ہے

میں نے دیکھا اس کی باتوں پر مجمع سے اک شور اٹھا
"پاگل ہے بے پاگل ہے!"
یا "چڑیا گھر سے آیا ہے"
کچھ لڑکوں نے جن کی قلمیں بڑھی ہوئی تھیں
اور بالوں کے گچھے پیشانی پر تھے
زنخوں کی طرح کولہے مٹکا کر شور مچایا

چپ ہو جا بے ماضی کے مردے!
تو شاید قبر سے اٹھ کر آیا ہے
یا تجھ کو امریکی سرکس والوں نے بلوایا ہے
"ہاہاہا"
"ہی ہی ہی ہی
"ہو ہو ہو ہو"
اک لڑکی جس کی چھاتیاں ابلی پڑتی تھیں

Scanned by CamScanner

اور شاید نقلی تھیں
اپنے بوائے فرینڈ کے سینے سے لپٹی
چیونگم کھاتی تھی
اس نے ہونٹ بنائے
اور بوسہ پھینک کے ٹھینگا دکھلایا
مجمع سے پھر شور اٹھا
"تاک دھنا دھن تاک
تاک دھنا دھن تاک
ناچ جمورے ناچ"
"تو اور تیرا خدا دونوں
جب تک بھنگڑا ناچ نہیں ناچیں گے
ہم تیری بات نہیں سنیں گے
اس کو تو دفنا دیں گے
تجھ کو پاگل خانے پہنچا دیں گے"
"تاک دھنا دھن تاک
ناچ جمورے ناچ"

اس نے مجمع کو ایک گہرے دکھ سے دیکھا
دکھ تو اس کا مقدر تھا
جو عیسیٰ اور سقراط سے اب تک
ہر سچے انسان کے لیے
انعامِ خدا ہے

Scanned by CamScanner

حق کی گواہی کی (جنت میں نہیں) دنیا میں جزا ہے!
وہ بولا: "میرے بچو، میں ناچوں گا!
تم کہتے ہو تو میں ناچوں گا
میں ناچوں گا تو دھرتی ناچے گی
میں ناچوں گا تو سیارے ناچیں گے
میں ناچوں گا تو آفاق کی تنہا پہنائی میں
خواب و حقیقت کی وہ یکجائی ناچے گی
جو ساکن ہو کر ہی مکاں بنی ہے
اور حرکت میں زماں ہوئی ہے
یہ ناچ اجل کا ناچ بنے گا
اور اس کی نرت پر میرے بچو تم ناچو گے
ناچو!
تھک تھک تھک تھک تھیا تھیا
تھک تھک تھک تھک تھیا تھیا
ناچو! ناچو
ناچو! میرے پیمانے میں زہر کی بوندیں ناچ رہی ہیں
ناچو! میرے آئینے میں موت کے سائے ناچ رہے ہیں
ناچو! میرے سینے میں وہ آخری شعلہ ناچ رہا ہے
جس کو "ہستیِ آدم" کہتے ہیں!"
اور یکایک اس کی آنکھوں سے شعلے نکلے
اس پر ایسا غضب طاری تھا
جو انسانی غصے کی حد سے سوا ہے
بادل کی آواز میں گرجا

Scanned by CamScanner

جن کے گھوڑوں کے پیروں میں بجلی ہے

دل کی جگہ سنگ ہیں!

جن کی آواز چڑھتے سمندر کی آواز ہے

وہ تری فصل کاٹیں گے

ترے بیل اور گائے اور تیرے گلوں کو کھا جائیں گے

تیرے انگور و انجیر و زیتوں نگل جائیں گے

میں اب دیکھتا ہوں

کہ تیرے بزرگوں کی قبریں اکھاڑی گئی ہیں

مقدس کفن نالیوں میں پڑے ہیں

بدن، ہڈیاں، کاسہ سر لڑھکتے ہوئے پھر رہے ہیں

ٹاٹ اوڑھو اور راکھ میں لیٹو

اپنے اکلوتوں کے ماتم کے لیے تیار رہو

ماتم! گلیوں اور بازاروں میں

ماتم! شہروں اور ویرانوں میں

ماتم! دریاؤں اور میدانوں میں

ماتم! صحراؤں اور پہاڑوں میں

اے کاش کہ میرا سر پانی ہوتا

اور آنکھیں چشمہ ہوتیں

تاکہ میں مرتے دم تک

تیرے اکلوتوں کے غم میں

رو سکتا!

Scanned by CamScanner

مکاشفہ

اندھیرا

تہ بہ تہ گہرا اندھیرا

اور بے چینی

مری آنکھوں کے ویراں آشیانے

نیند سے خالی

کسی میت کو جیسے

دفن کر کے آئے ہوں

اک ایسی خاموشی

مجھے ایسا لگا جیسے

کہیں اک آگ ہو

جو قطرہ قطرہ بن کے

میری روح کے اندر ٹپکتی ہو

میرا سینہ بھبھک اٹھا

Scanned by CamScanner

کہ جیسے اک دہکتی آگ کے تنور میں
پانی چھڑکنے سے
کئی شعلے لپکتے ہیں
مرے سینے کے شعلے دور تک پھیلے
فضائیں دور تک روشن ہوئیں
بیاباں، شہر، قریے
عظمتِ رفتہ کے نوحہ خواں کھنڈر
ویراں اور تنہا مساجد کے منارے
جانے کیا کیا تھا
جو میری آنکھ نے دیکھا
وہ سب روشن ہوئے
اور روشنی سے روشنی پھوٹی
مجھے ایسا لگا
جیسے کہ میں اس روشنی میں
سر برہنہ، پابرہنہ، تن برہنہ
یوں کھڑا ہوں
جیسے مردے حشر میں
قبروں سے نکلیں گے
خدا جانے
میں مردہ تھا کہ زندہ تھا
مجھے ایسا لگا
جیسے یہ محشر ہے

Scanned by CamScanner

یہ محشر ہے
خدا ہے اور میں ہوں
"خداوندا تری نصرت کہاں ہے
فتح کتنی دور ہے"
اور یکایک یوں ہوا
جیسے کہ میری آنکھ نے دیکھا
کہ اک فوجِ گراں کا کوچ ہے
کوہ و بیاباں میں
اور اس کے پاؤں کی سنگیں دھمک سے
سینۂ گیتی میں لرزہ ہے

Scanned by CamScanner

نام کا سفر

اگرچہ نئی زندگی کی سبک رو ہوائیں
کہ آزاد ہیں
بارِ زنجیر فرسودگی
یعنی ناموں سے بیزار ہیں
نام نسل اور خوں کے
پرانے المناک رشتوں کو
میں بھی فقط اک شناخت
ایک پہچان، ہی جانتا تھا
مگر پھر بھی ناموں کا منکر نہیں تھا
کہ ناموں کا جو علم تھا
اک عطائے خدا تھا
(فرشتوں پہ میری فضیلت
اسی علم سے تھی۔۔۔۔)

Scanned by CamScanner

مگر تین سو سال پہلے کسی نے کہا

"نام میں (یعنی پہچان میں) کیا دھرا ہے؟"

اور اس وقت سے نام اک بار ہیں

جن سے ہم لوگ بیزار ہیں

مگر میں جو اک نام ہوں

ایک پہچان ہوں

چوالیس برس پہلے

یوپی کے اک گاؤں

کھیولی میں پیدا ہوا

یہ اک خطہ ہند ہے

جس سے میں

اور مری نسل کے لوگ

اپنے ناموں کی حرمت بچانے کی خاطر

جدا ہو گئے

اب مری نسل کے لوگ

اک بے زمیں قوم ہیں

جو آفاق کے بے کراں شہر میں

عارضی طور پر خیمہ زن ہیں

ہمارے قدم

اب کسی ٹھوس مٹی کے اوپر نہیں ہیں

کہ ہم نے کہا تھا

ہمیں اپنے ناموں کی تقدیس مٹی سے بڑھ کر ہے

Scanned by CamScanner

مٹی

فقط تیرگی ہے

یہ مٹی جو انسان کے پیر جکڑے ہوئے ہے

فقط ایک زنداں ہے

زنجیر ہے

ہم نے مٹی کی زنجیر توڑی

کہ مکّہ سے یثربؔ کی ہجرت

ہمارے لیے

اک مقدس علامت تھی

ہم نے کہا

"ہم مہاجر ہیں"

اور خدائے محمد ﷺ کی بخشی ہوئی سرزمیں

اب ہمارا وطن ہے

ہمارا وطن

خدا اس کو تا حشر آباد رکھے

اور میں

اب نومبر کی اس رات کا تذکرہ کر رہا ہوں

کہ میں

جب فقط اپنی اچکن میں

مغل پورہ جنکشن پہ اترا تھا

اسے بیس اور تین

Scanned by CamScanner

مجھیں۔۔۔لمبے برس ہو چکے ہیں
مجھے فوج کے اک سپاہی نے

پانی پلایا
کہ میں اک نئی کربلا کا مسافر تھا
جو شرق سے غرب تک
مرے خوں سے تر تھی!

وہ بوڑھا سپاہی
مجھے یوں لگا
جیسے اک عہد تازہ ہے انصار کا
ہر مہاجر سے جو کہہ رہا ہے
"خدا اور محمد ﷺ کے ادنیٰ غلامو!
یہ یثرب ہے
اور تم بہت دور سے آئے ہو
آؤ۔۔۔میں تم کو گھر لے چلوں
جہاں میں تمہارے
لہو بستہ چہرے کو دھوؤں گا
زخموں کو پونچھوں گا
اور پھر دونوں
جو کچھ بھی ہم کو میسر ہے
صبر اور شکر سے کھائیں گے
کیونکہ یثرب میں
بھائی بنانے کی رسم کہن ہے"

Scanned by CamScanner

وہ تاریخ کا کتنا نازک سا لمحہ تھا

جب اک نئی اجنبی سرزمیں

مجھ کو اپنے گلے سے لگا کر

خوشی اور مسرت سے

یوں رو رہی تھی

کہ جیسے کوئی ماں

اپنے بچھڑے ہوئے لاڈلوں سے

ملے اور روئے۔۔۔۔

"ماں۔۔۔۔

میں تیرا بچہ ہوں

میں تیری دھرتی کو جوتوں گا

تیرے کھیتوں کو سینچوں گا

میری محنت کا سونا

تیری سنہری فصلیں بن کر چمکے گا

میں شہروں میں مزدور بنوں گا

دفتر میں فائل پہ لکھوں گا

ہل اور پہیہ اور قلم

سب میری محنت سے پھل پائیں گے

ماں۔۔۔۔

ہم سب تیرے بچے

تیرے لیے

Scanned by CamScanner

اپنا خون پسینہ ایک کریں گے
تیرے دن پھر جائیں گے"

رات کے دو بجے تھے
پشت اک دوسرے سے لگائے
یخ کی مانند
پتھر کی اک بینچ پر
انتظار[1] اور میں
اپنے جسموں کی گرمی سے
اک دوسرے کو
ٹھٹھرنے سے محفوظ رکھنے کی بے سود کوشش میں
مصروف تھے
تھکن۔۔۔۔ کہر کی طرح
روح اور جسم پر چھا رہی تھی
مگر نیند
اک ایسے بچے کی مانند
جو اپنی ماں سے خفا ہو
ہماری سلگتی ہوئی آنکھ سے دور تھی
مجھے یوں لگا
جیسے ہم دونوں
دنیا کے دو آخری آدمی ہیں
جنہیں

وقت و تاریخ نے
جانے کس مصلحت سے
گزرتی ہوئی ساعتوں کی گزرگاہ پر
جلتے بجھتے دیوں کی طرح رکھ دیا ہے

"وقت کیا چیز ہے؟"
میں نے سوچا
"گذشتہ سے آئندہ کا ربط کیا ہے؟
اور ان دونوں کے درمیاں
ہم کہاں ہیں"
"یہ لمحہ----
کہ موجود ہے
کیا گذشتہ سے بالکل جدا ہے؟
جدا ہے
تو کیا میرے اکیس برسوں کے لمحات
اس وقت سے میرے اپنے نہیں ہیں؟
یہ اکیس سال----
اور وہ آٹھ سو سال
جن کا دامن
میرے گمنام آبا کی بوسیدہ قبروں سے
لکھنؤ، آگرہ، سیکری، جونپور اور دکن
کے محلات اور مقبروں تک

Scanned by CamScanner

سمندر کی لہروں کی مانند پھیلا ہوا ہے
وہ میرے نہیں ہیں؟
اگر ہیں
تو آئندہ لمحات ان کا تسلسل ہیں
یا ان سے بالکل جدا
مختلف قسم کا ایک آغاز ہیں
اگر یہ زماں و مکاں کی جدا سرحدیں ہیں
تو پھر ایک موجود لمحے میں
میں کون ہوں؟"

میں نے سوچا کہ حرفِ مشدّد کے مانند
شاید۔۔۔۔ میں ان دونوں کے درمیاں
ایک برزخ ہوں
جو وصل اور فصل
دونوں کی یکساں علامت ہے"

خیالات گویا پتنگے تھے
جو ہمارے سروں پر
چمکتے ہوئے بلب کے گرد
اک رقصِ بے تاب کرتے ہوئے
گر رہے تھے
مجھے نیند سی آ گئی

صبح کی نرم ونازک سی پہلی کرن
شوخ رنگوں کی تتلی کے مانند
اپنے چمکتے ہوئے پر کھول کر
میرے چہرے پہ منڈلا رہی تھی
انتظار اپنی مخصوص آواز میں
جو گلے کی خرابی کے باعث نہیں
ویسے ہی
بیٹھی بیٹھی سی لگتی ہے
یہ کہہ رہا تھا
"اٹھو یار۔۔۔۔
تم تو بہت سو چکے
اب اٹھو۔۔۔۔چائے پی لو
خبر ہے۔۔۔
ہماری ٹرین اب کہاں جائے گی
"کہاں۔۔۔؟"
میں نے آنکھوں کو ملتے ہوئے
چائے کی ایک چسکی لگا کر کہا
"ارے اب یہ سرگودھا جائے گی"
"سرگودھا کیوں؟ مگر ہم تو لاہور جائیں گے
کیوں۔۔۔؟
مگر ہم تو لاہور ہی جائیں گے؟"

Scanned by CamScanner

"نہیں۔۔۔۔کچھ خبر ہے؟

غضنفر (۲) علی خان نے

گاڑی کو لاہور میں داخلے کی اجازت نہیں دی"

"اجازت نہیں دی۔۔۔۔؟"

مجھے چائے کا ذائقہ کچھ کسیلا لگا

"کیوں اجازت نہیں دی"

مگر انتظار اب نہ بولا

سڑپ سر، سڑپ سر، سڑپ سر، سڑپ سر

وہ خاموشی سے چائے کی چسکیاں لے رہا تھا

اور بہت ہی بُرا لگ رہا تھا

"غضنفر علی کون ہے؟

میں تو اقبال کے شہر آیا ہوں

داتا کی نگری میں آیا ہوں

یہ وہ شہر ہے

جس کی خاطر مجھے

خوں کے سیلاب میں سے گزرنا پڑا ہے

غضنفر علی مجھ کو کیوں روکتا ہے"

"تم تو پاگل ہو"

میرا ساتھی جواب تک مرا دوست تھا

اجنبی بن کے کہنے لگا

"تم تو پاگل ہو"

ارے۔۔۔۔ہم اب نئی سرحدوں میں ہیں

Scanned by CamScanner

اور یہاں۔۔۔۔

اک غضنفر علی خاں بھی ہوتا ہے"

میری سگریٹ مری روح کی طرح سلگی

اور اس کا دھواں

فضا میں بکھر کر

نئی طرح کی ایک تصویر

میرے خیالات کے کینوس پہ بنانے لگا

"چائے پی لو

تو پھر دونوں تانگے میں لاہور چلتے ہیں

تانگہ غضنفر علی خاں کے احکام سے اب بھی آزاد ہے"

"نہیں

میں نہیں جاؤں گا"

"تو پھر کیا کرو گے؟"

"میں کراچی چلا جاؤں گا"

تم تو پاگل ہو"

یہاں سے مری یاد کا سلسلہ

بے اماں درد کی ایک زنجیر ہے

جو مری روح سے جانے کتنے دلوں تک

پیچ در پیچ آکاس بیلوں کی مانند پھیلی ہوئی ہے

Scanned by CamScanner

کراچی ابھی ایک آزردہ دل میزباں کی طرح

آنے والوں سے

بیگانہ آواز میں پوچھتی تھی

"پنہ گیر ہو۔۔۔۔؟

یہاں کس لیے آئے ہو

تم کو کس نے بلایا ہے

کیا سوچ کر آئے ہو

تمہیں کیا زمینوں کے رشتوں کی حرمت کا احساس ہے؟

جب سے تم آئے ہو

میرے بچے مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں

کرم چند۔۔۔۔ کل ہی گیا ہے

اسے جانتے ہو؟

نہیں جانتے۔۔۔۔

تم زمینوں کے رشتوں کی حرمت سے واقف نہیں ہو

پنہ گیر ہو۔۔۔۔"

پنہ گیر۔۔۔۔

میں اب پنہ گیر تھا

مہاجر نہیں تھا

پنہ گیر اک لفظ ہے

مہاجر بھی اک لفظ ہے

مگر لفظ سے لفظ تک یہ سفر

Scanned by CamScanner

کیا سفر تھا

کہ جس نے مجھے

ہر سفر سے زیادہ تھکایا

میں رونے کا قائل نہیں ہوں

اگر آپ چاہیں

تو کہیئے کہ قابل نہیں ہوں

کہ بے شک

کدورت کے اس ریگزارِ جہاں میں

کسی آنکھ میں نم نہیں ہے

مگر خشک پلکوں کی اک تھرتھری پر مرا بس نہیں۔

تو میں ایک ناخواندہ مہمان ہوں

دھرتی کا بیٹا نہیں ہوں

یہ سچ ہے

تو وہ رشتہ لفظ کیا ہے؟

جو حجاز و یمن سے

کراں در کراں

ارض در ارض

پھیلا ہوا ہے

وہ اک نخلِ طیب

کہ جس کی گھنی چھاؤں میں

Scanned by CamScanner

مشرق

کتنی قوموں کا

نسلوں کا

مسکن ہے

جس کی شاخیں

فلک در فلک

عرشِ اعلیٰ کی روشن فضاؤں میں پھیلی ہوئی ہیں

وہ کیا ہے۔۔۔؟

کسی نے کہا

"کلمۂ لاالہٰ ہے"

یہ کس کی زبانِ محبت ہے

یہ کون ہے

یہی ہے مرا میزباں

مری روح کا ترجماں

جو اس رشتہ لفظ سے آشنا ہے

اے مرے میزباں

اے مری روح کے ترجماں

تیرے سائے میں

میں ایک جگی بناؤں گا

اور کشتِ جاں میں

ترے حرفِ زندہ کی وہ کھیتیاں بوؤں گا

جو ابد تا ابد لہلہاتی رہیں گی

Scanned by CamScanner

ہجوم کوچہ و بازار میں برہنہ پا

ہجوم ہر در و دیوار پر برہنہ سر

ہجوم جیسے رواں کاروانِ کاہکشاں

ہجوم جیسے سمندر میں جوششِ طوفاں

اور اس ہجوم میں، میں

اک ذرّۂ ناچیز

ایک جسم عظیم

جو اپنی لاکھوں کروڑوں ابلتی آنکھوں سے

گریاں

جو اپنے لاکھوں کروڑوں لرزتے ہونٹوں سے

نوحہ کناں

جو اپنے لاکھوں کروڑوں عظیم ہاتھوں سے

سینہ زناں

یہ گیارہ ستمبر تھی۔۔۔۔ گیارہ ستمبر

ہم اک زرد سورج کی میت کو

کاندھوں پر اپنے اٹھائے ہوئے

قوم کے باپ کو الوداع کہہ رہے تھے

الوداع۔۔۔۔ قائد محترم الوداع

الوداع۔۔۔۔ آفتابِ درخشانِ ارضِ عجم الوداع

الوداع۔۔۔۔

اے امیدِ حرم الوداع، الوداع

Scanned by CamScanner

مرے دل میں کتنی کدورت تھی
لیکن مجھے یوں لگا
جیسے آنسو مری آنکھ کا
روح کا غسلِ صحت ہیں
کوئی دیکھتا تو میں ایک آنکھ سے رو رہا تھا
دوسری آنکھ سے ہنس رہا تھا
مجھے اپنے قائد پہ خود اپنی ہستی پہ۔۔۔۔
اک نیا اعتبار آ گیا
زمینِ وطن کے گلوں کا تو کیا ذکر
کانٹوں پہ پیار آ گیا

حواشی

(۱) انتظار حسین
(۲) اس وقت کے وزیر آباد کاری و مہاجرین

Scanned by CamScanner

آیئے کھیولی چلیں

اودھ کے ضلع بارہ بنکی میں
چھوٹا سا اک گاؤں کھیولی ہے
جو ڈھائی سو سال سے میرے آباء کا مسکن ہے
نظر دل جو دادا کے دادا تھے
اس گاؤں میں آئے تھے
یہ بھر قوم کا اک علاقہ ہے
جو بہت جنگ جو اور لڑاکے تھے
(ویسے خود بارہ بنکی بھی
بارہ بانکوں کی بستی رہی ہے)
مہا آتما بدھ کی بیوی،
یعنی راحل کی ماں
اسی بارہ بنکی کی تھی
اور اک روایت تو یہ بھی ہے

Scanned by CamScanner

کہ یہ اژدھا جواب چین کی علامت ہے

بدھ بھکشوؤں

کے ہمراہ

اسی بارہ بنکی سے

چین پہنچا تھا!

تو پھر قوم میں

ایک راجہ تھا۔۔۔کھیول

جس کے دو بھائی تھے

یہ کھیول تھا وہ جس نے کھیولی بسائی

دوسرے بھائی دیول نے دیوہ بسایا

جو وارث علی شاہ کے مزار مبارک کے باعث

سارے ہندوستان کی عقیدت کا مرکز رہا ہے

آپ اگر لکھنؤ سے چلیں

تو ملہور جلور کے بعد

فیض آباد سے پہلے

بارہ بنکی کا چھوٹا سا

اسٹیشن ملے گا

یہاں اک زمانے میں

(اب تو کیا جانے کیا ہے)

پوری اچھی ملتی تھی

یہاں آپ اتریں

ذرا فاصلے پر وہ یکے کھڑے ہیں

Scanned by CamScanner

"میاں آگئے! میاں آگئے"

"آؤ بھیا یہاں آؤ

پانی پی لو تو چلتے ہیں"

(پانی پینے کی یہ وہ جگہ ہے

جہاں آمرِ وقت جی جی غلامِ محمد نے

ہندوستان کے سفر میں

پرانی عقیدت کی یادوں میں

پانی پیا تھا)

یہاں سے چلیں تو کوئی آٹھ نو میل کے بعد دیوہ ملے گا

یہاں رک کے

وارث علی شاہ کے

مزارِ مبارک پہ حاضری دیں گے

اور پھر

فاتحہ پڑھ کے آگے چلیں گے

مرا گاؤں دیوے سے کرسی کی جانب

تین فرسنگ ہے

(جی یہ کرسی وہی ہے جہاں کے۔۔۔وہ فلپانا والے

شرؔر اور احمق برابر کے مشہور ہیں

وہ مرے گاؤں سے پانچ فرسنگ ہے)

یہاں ہندوؤں کا بہت ہی قدیم ایک تیرتھ ہے

کہتے ہیں کہ اس جگہ

مہادیو کا سنگھاسن زمین میں گڑا ہے

اس کے دو پائے باہر ہیں

اور دو مہاکال یعنی قیامت میں نکلیں گے

تو کاتک کے ہندی مہینے میں منگل کے دن

(جس کی اک دوپہر کو

میرے والد،

مرض الموت میں مبتلا ہو کے

تین دن بعد فوت ہو گئے)

یہاں ایک میلہ

لگتا ہے

جس میں شرکت کو ہندوستاں کے ہر اک شہر سے

جوق در جوق اپنے قد سے زمیں ناپتے

ہندو، آتے ہیں

اور دیکھتے ہیں۔۔۔۔مہاکال میں کتنی مدت رہی ہے

آپ دیوے سے چل کے

کھیولی میں پہنچیں گے تو سب سے پہلے

بڑا۔۔۔بہت ہی بڑاا ایک گنجِ شہیداں ملے گا

(یہاں میرے والد نے اک باغ مرنے سے دو سال پہلے لگایا تھا)

آپ کھیولی میں آ جائیں

وہ دیکھئے سامنے

اہیروں کے ٹولے سے کچھ فاصلے پر

ایک اتنا بڑا

املی کا کہنہ درخت ہے

Scanned by CamScanner

کہ اس کے تنے میں جواب کھوکھلا ہو چکا ہے

آٹھ دس آدمی بیٹھ سکتے ہیں

روایت ہے اس پر کبھی

بجلی گری تھی

یہ اک ایسے تالاب کے

سامنے ہے جو دو سمت میں

ایسے پھیلا ہوا ہے کہ سوکھے دنوں میں

ایک رستہ سا بن جاتا ہے

اور برسات میں ڈوب جاتا ہے

یہ تالاب جس سے یہ دل چسپ قصہ بھی منسوب ہے

کہ کسی گھوسنی نے

کہ جس کے دہی میں

کسی طرح

گولر کا پھول آ گیا تھا

اور اس کا دہی ختم ہوتا نہ تھا

آخر اپنا دہی

اس میں پھینکا تھا

اس واسطے اس کا نام

دھیا ہے!

جو کبھی خشک ہوتا نہیں ہے

دہی اور دھیا!

اور اس کے بالکل مقابل

Scanned by CamScanner

یہ جو ایک دو منزلہ گھر ہے
یہ مرے باپ سید شرافت علی کا مکاں ہے
مرے گاؤں کے لوگ
اپنے اس گاؤں کے
اتنے شیدا تھے
کہ بچپن میں، میں
ایسے دوہے کبت
سنتا رہتا تھا

"ہو بھیا۔۔۔۔ ہو بھیا!
ہو راجا۔۔۔۔ ہو راجا!
ہو رانی۔۔۔۔ ہو رانی!
گولر گدیا کھیبا راجا!
گولر گدیا کھیبا بھیا!
پیا دھیا کا پانی!
ہو رانی!
ہائے جوانی!
ہائے جوانی کٹ گئی رانی
پیتے دھیا کا پانی!
پر پیا دھیا کا پانی
اور گولر گدیا کھیبا
کھیولی چھوڑ کبھی نہ جیبا!
دھیا!"

Scanned by CamScanner

کبھی میں نے والد کو بھی موج میں گنگناتے سنا
"ہو۔۔۔۔ کھیولی سہر، البیلا!
چلو گوری دکھائے لاؤں میلا!
کھیولی سہر، البیلا!"
(یہ گاؤں جو اتنا چہیتا تھا اب تو کھنڈر بن چکا ہے)
اور اس گاؤں میں
ایسے کچھ لوگ ہیں جو ناگوں کے کاٹے کا منتر جگاتے ہیں
اور ان کا دعویٰ ہے
اور خود مرا تجربہ ہے
کہ مرنے والے کو زندہ اٹھاتے ہیں
مرا تجربہ یوں
کہ خود مجھ کو بھی ناگ نے ڈس لیا تھا
مگر ان کے منتر نے مجھ کو بچایا
یہ ناگوں کو ہرنے، ہرانے کے ماہر
"ناگ ہر" ہیں!
تو ہاں یہ شرافت علی کا وہ گھر ہے
جو مشرق کی جانب
کسی چشمِ بے خواب کی طرح یوں دیکھتا ہے
کہ کیا جانے کس آفتاب جہاں تاب کا منتظر ہے
نہیں۔۔۔۔ منتظر ہے!

مرے باپ کے پانچ بھائی، سخاوت!

Scanned by CamScanner

مشرق

شجاعت، لیاقت، لطافت، رفاقت
سخاوت تھے سب سے بڑے بھائی ان کے
انہیں دیکھنے کی سعادت نہ پائی،
مگر دوسروں سے بڑا فیض پایا!
کہ سب تھے مرے نخلِ طفلی کو سایا
لیاقت علی مردِ کامل، ولی تھے
بڑے پاکباز اور بڑے متقی تھے
وہ کرتے تھے مجھ سے شریعت کی باتیں
میں بچپن میں پڑھتا تھا ان سے کتابیں
کبھی رات کو میں اگر جاگ جاتا
تو ان کو ہمیشہ ہی سجدے میں پاتا
اثر ان کا میری طبیعت میں آیا!
کہ گھٹی میں مذہب انہوں نے پلایا
مگر میرے والد کا رنگِ دگر تھا
کہ دل ان کا رنگیں مزاجی کا گھر تھا
وہ ہولی بھی کھیلیں، دوالی منائیں
کبھی موج میں آ کے گائیں بجائیں
انہیں دل ملا تھا تضادات کا گھر
کہ تھا موم کا موم، پتھر کا پتھر!
تبسم پہ غنچے کے آنسو بہائیں
بہاریں لٹیں اور وہ مسکرائیں
مجھے یاد ہیں اب بھی باتیں پرانی

Scanned by CamScanner

زمینوں سے آتے تھے ان کے اسامی
انہیں یوں بہ غیض و غضب مارتے تھے
کہ میں کانپتا تھا وہ جب مارتے تھے
اور ایسے کہ جب دل کی نرمی پہ آئیں
تو پھر خود ہی ساتھ ان کے آنسو بہائیں
یہ نرمی جو تھی ان کے کردار کی تھی
وہ سختی جو تھی اک زمیندار کی تھی
کبھی عمر بھر مجھ کو گھر کا نہ ڈانٹا
مگر ایک بار ایسا مارا تھا چانٹا
کہ اس کا اثر روح پر آج بھی ہے
بہت بجھ گئی ہے مگر آگ سی ہے
لگایا تھا اک باغ دل کی خوشی سے
اسے سینچتے تھے خلوصِ دلی سے
جو اک بار اس باغ میں بور آیا
خدا نے انہیں مثلِ غنچہ کھلایا
وہ کہتے تھے ہاں بات اب کچھ بنی ہے
کہ محنت جو کی تھی ٹھکانے لگی ہے
میں بچہ تھا، اک روز لڑکوں کو لے کر
گیا باغ میں اور انہیں حکم دے کر
وہ سب بور اور کیریاں توڑ ڈالیں
درختوں کی شاخیں جو تھیں جھوڑ ڈالیں
بس اس بات پر ان کو غصہ جو آیا

Scanned by CamScanner

مرے گال پر ایک تھپڑ لگایا!

یہی باغ تھا جس میں ایک دن کھڑا تھا
میں پہلے سے اب عمر میں کچھ بڑا تھا
کہ اک آدمی دوڑتا گھر سے آیا!
چلو تم کو گھر میں ہے فوراً بلایا
میں گھبرایا، نوکر کو میں نے جھنجوڑا
کہ ابو کو تھا میں نے غفلت میں چھوڑا
انہیں تین دن سے بخار آگیا تھا
جمعے کو مگر کچھ قرار آگیا تھا
وہ کیا وقت تھا آہ کیسے بتاؤں
جگر شق نہ ہو تو یہ قصہ سناؤں
میں پہنچا تو وہ نزع کے حال میں تھے
شرافت علی موت کے جال میں تھے
زباں پر شہادت کا کلمہ تھا جاری
ذرا سانس چلتا تھا پر بھاری بھاری
مجھے دیکھ کر ہاتھ اپنا بڑھایا
مجھے اپنے سینے سے ایسے لگایا
کہ خورشید جب شام کو ڈوبتا ہے
اندھیرے میں جو روشنی کی قضا ہے
تو پہلے افق پر ذرا جھومتی ہے
ستارے کو اپنے کرن چومتی ہے!

Scanned by CamScanner

وہ وقتِ غروب اور وہ گھپ اندھیرا

افق پر یکایک وہ آندھی کا پھیرا

کہوں کیا قیامت کی کیسی گھڑی تھی

بھرے گھر میں ماتم کی پٹس پڑی تھی

یکایک عجب رنگ آندھی نے بدلے

امنڈ آئے بادل عجب گدلے گدلے

بدلتے تھے جو رنگ ساعت بہ ساعت

ابھی زرد، ابھی سرخ اللہ رے وحشت!

خدائے جہاں کیا مشیت تری ہے

یہ دنیا کی کیا ساعت آخری ہے

شب تار اور ایک تنہا ستارا!

کہ سورج کو ہم نے زمیں میں اتارا!

میں اب سوچتا ہوں وہ کیا آدمی تھا

کہ وقتِ سفر جس نے اتنا نہ سوچا

کہ میرے ابھی چھوٹے چھوٹے ہیں بچے

ثمر شاخ پر ہیں ابھی کچے پکے

نہ سوچا کہ بیوی مری کیا کرے گی

جئے گی انہیں لے کے یا پھر مرے گی

میں کیسے اسے چھوڑ جا رہا ہوں

تعلق کو کیوں توڑ کر جا رہا ہوں

Scanned by CamScanner

مشرقی

وہ اک دشتِ بے آب یعنی جوانی
مری ماں کی وہ بیوگی کی کہانی!
وہ بارِ غم و رنج اللہ اکبر
پہاڑوں کے دل جس سے پھٹ جائیں یکسر
کہ دن رات وہ آتشیں اشک پینا
کہ شق جس سے ہو جائے پتھر کا سینہ
بہت میں بڑا تھا کہ نو سال کا تھا
شمیم ان دنوں گھٹنیوں چل رہا تھا
یہ چھوٹا سا، موٹا سا، جیسے گجیا
مرے کھیل کو ننھا منا سا بھیا
ذرا سا تھا لیکن بہت مسخرا تھا
مرے پیٹ اور پیٹھ پر کودتا تھا
کھلاؤں کبھی اس کو برفی، امرتی
وہ باتیں ہیں اب تک نگاہوں میں پھرتی
خدا ان کو رکھے یہ جانِ محبت
گلِ نو بہارِ جہانِ محبت
کہ ان سے مری آنکھ میں روشنی ہے
یہ موجود ہیں تو مرا دل قوی ہے
ردائے سعادت کو سر سے لپیٹے
یہ بھائی کے بھائی ہیں بیٹے کے بیٹے
کمر میری خدمت کو ہر گام باندھے
یہ میری محبت کا احرام باندھے

Scanned by CamScanner

اطاعت مری تا حدِ انتہا کی!!

ہمیشہ نمازِ محبت ادا کی!

مری پشت پر ہوں تو لگتا ہے ایسا

کہ اہلِ زمانہ کا اب خوف کیسا

یہ چھوٹے ہیں مجھ سے یہ مجھ سے بڑے ہیں

شرافت علی جیسے پیچھے کھڑے ہیں

بڑے سخت کٹر، بڑے مرکھنے ہیں

یہ شیرانِ جرأت کے سچے جنے ہیں

شرافت کے بیٹے، شجاعت کے چیلے

ہزاروں سے لڑتے ہیں تنہا، اکیلے

ملی ہے چچا سے مجھے زہد سازی

انہیں باپ سے خوئے رنگیں مزاجی

کوئی شیروانی پہ ان کی نہ جائے

اگر مسمسائیں تو دھوکا نہ کھائے

یہ اندر سے ہیں ایک بانکے سجیلے

بہت شوخ ہیں اور نہایت رنگیلے

میں ایسا کہ جو شکل دل میں بساؤں

تمام عمر پوجوں، عبادت نبھاؤں

یہ ایسے کہ ہر دن نیا بُت بنائیں

پرستش کریں، توڑ دیں، بھول جائیں

مجھے صوفیوں کی سی وحدت پرستی

انہیں برہمن کی سی کثرت پرستی

Scanned by CamScanner

سنا ہے کہیں ایک دشت آہواں ہے
غزالانِ جادو کا مسکن جہاں ہے
بظاہر تو وہ اک طلسمی مکاں ہے
مگر در حقیقت یہی دشت جاں ہے
سفر اس کا دشوار اک مرحلہ ہے
یہ کام ان کا ہے جن کا عالم جدا ہے
کہ سرگرداں رہتے ہیں وہ عمر ساری
غزالِ رمیدہ کے سچے شکاری
لحاظ ان کی آنکھوں کا کرتا ہوں میں بھی
بہت ان کی مونچھوں سے ڈرتا ہوں میں بھی

تو ہاں یہ ابھی گھٹنیوں چل رہا تھا
ذرا سا دیا تھا مگر جل رہا تھا
بہن کا تو کیا ذکر بالکل ہی بچی
مری زاہدہ چھ مہینے کی بچی
مری ماں نے ہم کو پروں میں سمیٹا
کہ اک دن جوان ہو گا آخر کو بیٹا
اندھیرے کہ ظالم ہیں چھٹ جائیں گے یہ
یہ دن ہیں پہاڑ اور کٹ جائیں گے یہ
جمیل ایک تھے اور میرے بردار
سخاوت علی کے وہ فرزند اکبر
انہوں نے کیا ہم پہ رحمت کا سایا

Scanned by CamScanner

تری ان پہ تا حشر رحمت خدایا

وہ تھے بھائی پر کیسے بھائی کہ یارو

زمینو! کوئی ایسا سورج ابھارو

مرے خون میں ہے حرارت انہی کی

ہے شفقت انہی کی، محبت انہی کی

کہوں کیا کہ کس کے برابر نہ سمجھا

مجھے اپنے بیٹے سے کم تر نہ سمجھا

خدائے جہاں کا جو ہم پر کرم تھا

کٹا وقتِ مشکل مگر رفتہ رفتہ

مجھے میری ماں نے مڈل تک پڑھایا

تو امی نے پھر مجھ کو میرٹھ بلایا!

مگر اس سے پہلے کہ میرٹھ میں جاؤں

ذرا سا یہ قصہ سناؤں

یہاں گاؤں میں کانگرس کا کئی سال سے کام ہو تا رہا تھا

مرے اک چچا کانگریسی تھے جن کا بڑا مرتبہ تھا

زمیندار بھی وہ بڑے تھے

مرے باپ کے وہ چچا کے تھے بیٹے

تو ہلکی سی چشمک کے تیور رہے تھے

نجانے مجھے ایک دن کیسی سوجھی

کہ خود اپنے ہاتھوں سے پرچم بنایا

ہرا ایک کپڑا لیا

Scanned by CamScanner

اس پہ پنی کا چاند اور ستارہ سجایا

کئی لڑکے ہمراہ لے کر

اسے گاؤں بھر میں پھرایا

بہت کانگریسی تپے

پر مزا خوب آیا

مجھے عربی پڑھنے کا بھی شوق حد سے سوا تھا

مگر میں کبھی

نہ مکتب میں جاتا

کہ جانے وہاں کون سے مردِ جنت رسیدہ سے پالا پڑے گا

پہ اک روز ہمت جو کر کے میں مکتب میں پہنچا

تو اک روکھے پھیکے، سڑے، مڑ چڑے مولوی کے بجائے

وہاں ایک جوانِ حسیں

(خدا معاف رکھے) کہ اک نازنیں

(جن کی چھوٹی سی داڑھی

گورے چہرے پہ یوں سج رہی تھی

کہ دل کھنچ گیا)

کو دیکھا!

وہ لڑکے پڑھانے میں مصروف تھے

پڑھو!

الم!

"الف" تو یہ اللہ ہے

Scanned by CamScanner

جو "نورالسمٰوات والارض" ہے

"حی وقیوم" ہے

اور محمدؐ یہ "میم"

(بیٹھو سلیم)

یہ اللہ ہے

وہ محمدؐ!

وہ نورِ خدا ہے

کہ جو نور سے اس کے پیدا ہوا ہے

کہ پھر "لام" اک واسطہ ہے

نبوت کا اک راز ہے

نغمہ وحی کا پردۂ ساز ہے

"لام" جبریل ہے!!

اور "الف" گر احد ہے

تو پھر "میم" احمد کا ہے

"لام" جبریل ہے!

احد اور احمد میں کیا فرق ہے

فرق اک "میم" ہے

یہ احمد ہے دیکھو

یہاں "میم" ہے

مگر یہ احد ہے!

یہ "بے میم" ہے

تو پھر احد کیا ہے؟

Scanned by CamScanner

"بے میم" احمد ہے
اور احمد جو "با میم" ہے
وہ احد ہے
پڑھ الم

یہ مولانا عاقل تھے
جو خدا جانے کیسے مجھے جانتے تھے!
مرے نام اور میری صورت کو پہچانتے تھے
انہوں نے مجھے چھ مہینے میں اٹھارہ پارے پڑھائے
کہ اتنے میں امی کے خط
میرے بلانے کو آئے!
میں خود اپنی ماں کو تو کہتا ہوں آپا!
کہ ہیں ان دنوں ضعف کے دن، بڑھاپا
بحقِ رسول گرامی خدایا!!
کہ قائم ابد تک رہے ان کا سایا!
مگر آپا کہہ کر انہیں میں نے ٹالا!
جو امی تھیں میری تو وہ میری خالا
قبائیں مری روح کو کیا سلی تھیں
مجھے میری قسمت سے دو ماں ملی تھیں

جہاں دل کو بیچا، جہاں جاں خریدی

بنوآں کا بھی تھا وہ کیسا زمانہ
کہ یادوں کا زریں خزانہ!
کبھی بھائی صاحب کے ہمراہ جانا
کبھی اپنے خالو سے زیٹیں اڑانا
کبھی اپنی امی سے گپیں لڑانا
کبھی اپنی بھابی کو اتنا ستانا
کہ ہٹ جائیں سونے کا کر کے بہانا
کبھی رات بھر داستانیں سنانا
عمرو کی وہ عیاریاں او رگھاتیں
وہ ان کی بخیلی کی دلچسپ باتیں
وہ صاحب قراں اور لندھور سعداں
وہ کوکب وہ براں وہ نور افشاں
وہ زنبیل کی سیر اور وہ تماشا

Scanned by CamScanner

اور جنگیں کہ دل جن سے ہو تولہ ماشا
وہ مہتر قراں جو کہ تھے مردِ زنگی
شرارت کا پشتارا، برقِ فرنگی!
بہار اور مخمور و لعلِ سخن داں
وہ دل جن کی باتوں سے شاداں و فرحاں
کئی ماہ یہ داستانیں سناتے
خیالوں کی دنیا میں بستے بساتے
بہت روح کو اپنی بیتاب دیکھا
حقیقت نہ پائی تو یہ خواب دیکھا
بہار ایک میرے گلِ جاں میں آئی
بہارِ طلسمی کہ نازِ خدائی!
وہ مٹی تھی پر ہائے مٹی تھی کیسی
ابھی جس میں جنت کی خوشبو بسی تھی
خمیر اس کا کوثر کے پانی سے روندھا
خدا نے اسے جیسے کرنوں میں گوندھا
نمودِ سحر کی طرح مسکراتی---
شفق اس کے گالوں سے سرخی چراتی
وہ آنکھیں ابھی جیسے نیند آ رہی ہے
ابھی جیسے دنیا میں جاگر پڑی ہے
وہ دل اس نے پایا کہ اک انجمن تھا
تھا آئینہ جاں کہ اس کا بدن تھا
بہت تندخو تھی بڑی تیغ زن تھی

Scanned by CamScanner

طبیعت تھی اس کی کہ ہیرے کی کن تھی
مگر میں نے یوں گوشہ جاں سنوارا
پری تھی کہ شیشے میں اس کو اتارا
اگرچہ بہت اس سے اَن بن رہی تھی
ادھر سے بھی حد درجہ تن فن رہی تھی
مئے غم مگر روح میں چھن رہی تھی
میں آدم تھا دنیا ابھی بن رہی تھی

پڑھی ہوں اگر رمزیہ داستانیں!
تو اک سر ہے ایسا بھی باغِ جہاں میں
نہاں مثلِ گل دہر میں جو کہیں ہے
وہ سرِ ازل ہے کہ کھلتا نہیں ہے
وہ کیا دیس تھا کن غزالوں کا رمنا
وہ بارش، وہ میداں میں سبزے کا جمنا
بہاروں کا نقشہ، چمن در چمن تھا
یہ گھر تھا، ستاروں کی یا انجمن تھا

بنولی سے میں پھر پلکھوے میں آیا
کہ میں بھائی صاحب[1] کا تھا اپنے سایا
مگر بھائی صاحب سے اک بھائی چھوٹے
میاں پاشا خاں[2] برادر چھوٹے
بڑے ان کے چکر تھے کیا پھاکٹے تھے

یہ مسکین صورت بڑے چھاکٹے تھے
انہوں نے عجیب ایک چکر چلایا
کہ چپکے سے اک موہنی کو رجھایا
میں خط ان کے لکھتا تھا، ہائے مشقت
یہ خود لوٹتے تھے بہارِ محبت!
انہیں مفت بیدام جنت ملی تھی
مجھے روزہ رکھنے کی خدمت ملی تھی
وہ دن زندگی کی بہاروں کے دن تھے
شبِ وصل تھی اور یاروں کے دن تھے
وہ یارانِ صادق سے دن رات جھگڑے
محبت کی باتیں، گلے اور شکوے
کبھی رات کٹتی تھی آنکھوں میں ساری
کہ ہوتی نہ تھیں ختم باتیں ہماری
وہ یاروں کا جھرمٹ کہ کنج چمن تھا
یہاں جو بھی تھا خود ہی اک انجمن تھا
نعیم(۳) اور قدیم(۴) اور قیام(۵) اور قاری(۶)
وہ قاری کہ تنہا زمانے پہ بھاری
رفیقانِ اول ہیں ہمزاد ہیں یہ
فن دلنوازی میں استاد ہیں یہ
امید(۷)، انتظار(۸) اور جمیل(۹) اور اختر(۱۰)
(۱۱)
اور ان کے برادر میاں اپنے انور
سعید(۱۲) اور حفیظ(۱۳) اور حزیں(۱۴) اور نجمی(۱۵)

Scanned by CamScanner

وہ یاروں میں اک بے وفا یار بزمی[16]

مرے ایک استاد رزمی[17] تخلص!

بڑھاتے تھے مجھ میں ادب کا تجسّس

انہوں نے مرے دل میں اک غم ملایا

ادب کی محبت کا شعلہ جلایا

وہاں بھائی قیصر[18] بھی تھے، جینیس تھے

بڑے شعر داں تھے، بڑے نکتہ رس تھے

کبھی مجھ سے کہتے تھے، جاہل ہو بالکل

تعلق نہ رکھنے کے قابل ہو بالکل

مرا بس چلے تو (یہ کیوں راز رکھوں)

تمہیں شعر کہنے سے میں باز رکھوں

خموشی سے چپ چاپ جب دکھ سہو گے

اگر چپ رہو گے تو ملٹن بنو گے

وہ بیگم کا پل یادگارِ زماں ہے

کہ اک زندہ سورج کا مشرق یہاں ہے

وہ سورج کہ جس کے ہزاروں ستارے

(نگاہوں میں پھرتے ہیں سارے کے سارے)

وہ تارے کہ جب اپنا جلوا دکھائیں

شب تیرہ و تار کو دن بنائیں

یہ پل میری اک مستقل رہ گزر ہے

یہاں میرے کرار[19] صاحب کا گھر ہے

طوافِ عقیدت کے پھیرے کیے ہیں

Scanned by CamScanner

وہ گھر جس کی چوکھٹ کے سجدے کیے ہیں
کہوں کیا ہیں کرار میرے لئے، کیا؟
مرے باپ، استاد، مرشد، مسیحا
کفِ خاک میں ہائے کیا گل کھلا ہے
انہیں عشقِ حق سے یہ رتبہ ملا ہے
کہ دیکھو تو گویا سراپا نظر ہیں
نظر ہیں، بصر ہیں، بصیرت کا گھر ہیں
علی بابِ علم اور یہ عبدِ علی ہیں
غلامی کا محضر نحط جلی ہیں
تو کیا فیض اس درد سے ان کو ملے ہیں
کہ یہ عشق کے رنگ میں بھر گئے ہیں
وہ عشق علیؑ و محمدؐ کہ مومن
اسی عشق سے ہے صداقت کا ضامن
وہ مومن کہ قاری بھی قرآن بھی ہے
کہ بوذرؓ کا ظل نقشِ سلمانؓ بھی ہے

بڑے فیض پہنچے مجھے زندگی سے
یہیں میں ملا تھا حسن عسکری(۲۰) سے
یہ صاحب وہ ہیں جن کی اک ضربِ کاری
قلم کے ہزاروں حریفوں پہ بھاری
غلامی میں ان کی کٹی عمر ساری
وہ میرے صنم ہیں میں ان کا پجاری

Scanned by CamScanner

وہ گر موقلم ہیں تو تصویر ہوں میں
انہیں کی لکھی ایک تحریر ہوں میں
شروعِ جوانی کا وہ اک زمانہ
کہ جو بن گیا ہے پرانا فسانہ
دیا تھا سرِ راہ میں جل رہا تھا
کہ میرا شعور آنکھ ابھی مل رہا تھا
مجھے راہ سے عسکری نے اٹھایا
چراغِ تہِ دامنِ دل بنایا
میں پتھر تھا اور خاک میں رُل رہا تھا
پہ نادیدہ میزان میں تل رہا تھا
مرے جوہری نے مجھے دیکھا بھالا
تراشا، سنوارا، نکھارا، اجالا

یہاں میں نے کچھ دوست ایسے بھی پائے
جو اس دھوپ میں بن گئے مجھ کو سائے
یہ میرٹھ کے قصے کہاں تک سناؤں
کہاں تک میں چاروں کو روؤں رلاؤں
یہیں سایۂ دامنِ غم ملا تھا
یہیں زخم کھائے تھے مرہم ملا تھا
اندھیرے میں شمعِ فیروزاں خریدی
یہیں دل کو بیچا، یہیں جاں خریدی

یہاں کا میں قصہ یہیں چھوڑتا ہوں
کراچی سمندِ قلم موڑتا ہوں

حواشی

(فصل اول: جہاں دو بیچا، جہاں جاں خریدی)

(۱) بھائی صاحب تمیزالحسن سلیم احمد کے خالہ زاد بھائی۔ (۲) انور عزیز پاشا، سلیم احمد کے چھوٹے خالہ زاد بھائی۔ (۳) راجہ نعیم الدین صدیقی۔ (۴) عبدالقدیم خاں۔ (۵) قیام صدیقی۔ (۶) قاری محمد یونس۔ (۷) امید فاضلی۔ (۸) انتظار حسین۔ (۹) ڈاکٹر جمیل جالبی۔ (۱۰) اختر عالم صدیقی۔ (۱۱) انور عالم صدیقی۔ (۱۲) سعید اختر۔ (۱۳) حفیظ میرٹھی۔ (۱۴) حقی حزیں۔ (۱۵) حشمت حسین نجمی۔ (۱۶) اختر حسین بزمی۔ (۱۷) پروفیسر رزمی صدیقی۔ (۱۸) قیصر زیدی۔ (۱۹) پروفیسر کرار حسین۔ (۲۰) پروفیسر محمد حسن عسکری۔

Scanned by CamScanner

بہار کالونی سے جہانگیر روڈ تک

کراچی میں لیاری ندی کے کنارے
جہاں چمڑے والوں کے گودام ہیں
اور چمڑے کے پانی کی بُو سے
سڑی بُو سے
انسان کا سانس لینا بھی دشوار ہے
ایک مرگھٹ ہے
جہاں بھوت رہ لیں تو رہ لیں
مگر آدمی کا یہاں رہنا ایسی کڑی آزمائش ہے
جس سے جو گزرے وہ جانے

یہاں چھوٹے موٹے بہاری ماجر
جنہیں شہر میں سر چھپانے کا گوشہ نہیں مل سکا ہے
آکے آباد ہیں!

Scanned by CamScanner

زرا دیکھئے---
بس کے اڈے سے کچھ دور پر ایک مسجد ہے
جس پہ اب تک سفیدی نہیں ہو سکی ہے
فقط اک ڈھچر سا کھڑا ہے
اس کے بالکل مقابل
وہ اک ادھ بنے سے مکاں ہیں
کسی مسخرے نے
پرانی سی اک سائیکل ٹانگ دی ہے
کہ لوگ اس کے ذریعے مکانوں کی پہچان کرتے ہیں
---یہ مسخرا میں ہوں
اور یہ کھنڈر میرا گھر ہے
جہاں میں کرائے پہ رہتا ہوں
یہ مکاں دیکھنے میں تو جیسا بھی ہو
پر بڑی چیز ہے
کہ دراصل اک لامکاں ہے!
اس کی دیواریں گویا کہ ہیں اور نہیں ہیں
مگر اس کے دروازے بھی
فیض صاحب کی اک نظم کے استعارے کے مانند
بے خواب ہیں!
اس کی چھت اک پیالہ ہے
اور صحن اک حوض ہے
کہ دونوں میں بارش کے دن مچھلیاں مار لیجئے

Scanned by CamScanner

یہاں پانی کمروں میں ہو کر گزرتا ہے
اور "لبِ جوئبارے" کے سارے مزے گھر میں آجاتے ہیں
ہوا اس کی دیواروں کے روزنوں
اور چھت کے موکھوں سے
سیٹی بجاتی گزرتی ہے
آپ اس گھر میں آئیں
تو محسوس کر لیں گے
دنیا کے وہ پہلے انسان
کیا کرتے ہوں گے
جنہیں اس زمیں پر
کہیں سر چھپانے کا پہلا ٹھکانہ بنانا پڑا تھا

مگر یہ عجب ایک تاریخی گھر ہے
کہ اک دور میں کیسی کیسی بلاؤں کا مسکن رہا ہے
یہاں دیکھئے وہ بلائے عظیم عسکریؔ
فرش پر لوٹتے ہیں
یہ صاحب کہ جو شال کندھے پہ ڈالے
غزل گا رہے ہیں
یہ عالیؔ ہیں!
وہ صاحب کہ جو اکڑوں بیٹھے ہوئے
بہتے پانی کا نظارہ کرتے ہوئے
پان میں کتھا چونا لگانے میں مصروف ہیں

جا لگی ہیں!
وہ کالے سے زوّار [1] ہیں

جانِ جاں ہیں
وہ موٹے سے جو ہیں وہ اسمٰعیل خاں [2] ہیں
نہال [3] اور ماہر [4] یہاں آ چکے ہیں
یہاں بھائی راز [5] اور بخاری [6] غزل گا چکے ہیں
جناب نشور [7] اور محبوب [8] بھی پاؤں پھیلا چکے ہیں
وہ تابش [9] ہیں، مدنی [10] ہیں، زیبا [11] ہیں
وہ مجتبیٰ [12] ہیں!

یہاں اک طرف شاعری کوٹی جاتی ہے

اور اک طرف تاش کی پھڑ بھی جمتی ہے
جس میں غیور [13] اور سرور [14] اور قدیم [15]

ایک پر ایک پتے لگاتے ہیں
یہاں میں، قدیم اور میرے برابر نعیم [16]

جو کہ میرٹھ سے میرے لنگوٹی بدل بھائی ہیں

رہتے ہیں

دفتر میں نوکر ہیں

پر اپنی ڈیوٹی پہ جانے سے پہلے

مرا ناشتہ اور کھانا پکاتے ہیں

پانی بھرتے ہیں، جھاڑو لگاتے ہیں

یہ وہ دوست ہیں

جن سے اس لفظِ بے معنی و رنگ میں

Scanned by CamScanner

معنی و رنگ ہیں!

یہاں وضع داری کی یہ رسم ہے

کہ مالک مکاں سے مرا ایک جھگڑا ہوا

کہ نوبت عدالت کی پہنچی

تو ہم دونوں

اک دوسرے کے خلاف

مقدمے میں جاتے تھے

اور عدالت میں جانے سے پہلے

بغل گیر ہوتے تھے

حسن عسکری پیر کالونی آئے

مگر مجھ کو بھی اپنے ہمراہ لائے

یہاں سے اٹھایا قدم میں نے اگلا

کئی ماہ کے بعد گھر اور بدلا!

خدا کی جو رحمت کا تھا مجھ پہ سایا

میں مکرانی مسجد کے سائے میں آیا

قدیم اب بھی تھے ساتھ سائے کی صورت

نگاہوں میں پھرتی ہے ہائے وہ مورت

وہ تھا دوست پر دوست تھا ہائے کیسا

مرے نام پر جان دے دوست ایسا

میں گو خار تھا، پر وہ بلبل وفا کا

مجھے پیار سے مثلِ گل جانتا تھا

Scanned by CamScanner

پسینے پہ میرے جو اپنا لہو دے
جلوں میں کسی بات پر تو وہ لو دے
وہ دکھ سکھ کا ساتھی تھا پر کیسا ساتھی
مری روح تھا وہ جو مجھ سے جدا تھی
وہ ہر بات کا میری غم کھانے والا
وہ ہر حال میں میرے کام آنے والا
خدا اس کو بخشے ستم کر گیا ہے
کہ زندہ ہوں میں اور وہ مر گیا ہے

یہاں میرے ہمراہ رہتے تھے منے (۱۷)
محبت کی گڈی کے چکیلے کنے
میں سدی اگر تھا تو تھے آپ مانجھا
ہر اک شے میں تھا آپ سے آدھا ساجھا
یہ ٹھلیے کو سر سے مرے ٹھیلتے تھے
پرانے فلیشئے "بلف" کھیلتے تھے
یہ فل بورڈ ماریں تماشا دکھائیں
اگر شو کراؤ تو ستاد کھائیں
مکاں یہ جو ہے سامنے، ہے ظفر (۱۸) کا
ٹھکانہ مرے یارِ صد معتبر کا
لگائے جو دنیا زمانے کو چرکا
مگر دھوپ میں سایا تھا میرے سر کا
خدا اس کو بخشے کہ وہ بھی نہیں ہے

Scanned by CamScanner

مگراب بھی لگتا ہے جیسے یہیں ہے

یہاں بھائی جاں[19] میرے کھیولی سے آئے
مرے واسطے یاد طفلی کو لائے
یہ سب ساتھ تھے اور کیار تجگے تھے
عجب قہقہے تھے، عجب چہچہے تھے
مگراب کہاں وہ محبت کے سائے
گئے جب، دوبارا پلٹ کر نہ آئے
کہوں کیا کہ حالت ہے کیا زندگی کی
کہ جیسے دیے کی ہو لو پھیکی پھیکی
یہی دور تھا جب یگانہ بھی آئے
نہ بھولیں گے گو لاکھ دنیا بھلائے
زمانے پہ سکہ جما کر گئے ہیں
یہ مہر اپنی دل پر لگا کر گئے ہیں
زمانے کا دل توڑنا ان سے سیکھا
میرے شعر نے بولنا ان سے سیکھا
غزل میں نے بھیجی تھی اور خط لکھا تھا
انہوں نے جواب اس کا فوراً دیا تھا
بڑھایا بہت ہی مرا حوصلہ تھا
میں کیا تھا مگر مجھ کو کیا کیا لکھا تھا
سبق میرا پکا، مجھے یاد ہیں یہ
بڑا فخر یہ ہے کہ استاد ہیں یہ

وہ آئے نرالی[٢٠] کی کوٹھی میں ٹھہرے

تو اک شام جب سائے تھے گہرے گہرے

ادب گاہِ حسن و صداقت میں پہنچا

میں ڈرتا ہوا ان کی خدمت میں پہنچا

کہ کیا جانے کس قسم کے آدمی ہوں

کہیں برہمی اپنے ہی شعر کی ہوں

جگر کو یہ مصرع لگانا بتائیں

یہ رگھپت سہائے کو ہجے سکھائیں

یہ حسرت کو لکھیں کہ گوجح کیسے ہیں

مگر یہ کہو شعر کتنے کہے ہیں!

بہت جوشؔ خاں پر بھی فقرے لگائیں

انہیں جینیس کہہ کے بوگس بتائیں

جب اقبالؔ پر طنز کرنے پہ آئیں

مولے کو شہباز سے جا لڑائیں

کہ اس نے خودی کا وہ چکر چلایا

کہ اپنے قلم سے خدا کو ہرایا!

صنم شاعری ہے تو یہ برہمن ہیں

کوئی اور کیا ہے یہ "غالب شکن" ہیں

زمیں کے یہ دشمن حریف آسماں کے

سنا ہے کہ پوتے ہیں چنگیز خاں کے

کروں گا میں کیا گر بگڑ جائیں گے وہ

کہ ہتھے سے بالکل اکھڑ جائیں گے وہ

Scanned by CamScanner

زمانے سے رہتی ہے کھٹ پٹ بھی ان کی

وہ ہیں، چت بھی ان کی ہے اور پٹ بھی ان کی

میں پہنچا تو صوفے پہ بیٹھے ہوئے تھے

برابر میں اخبار رکھے ہوئے تھے

مجھے دیکھ کر خود بخود مسکرائے

کوئی جیسے کہتا ہو کیا خوب آئے

نہ تلخی نہ غصہ نہ شدت نہ گرمی

مگر بات کرنے میں اک ایسی نرمی

لگائے کوئی زخم پر جیسے مرہم!

برستی ہو آہستہ سے جیسے شبنم

انہیں دیکھ کر دل میں ٹھنڈک سی آئی

مری، روح نے اک حلاوت سی پائی

کہ ان کو سمجھتا ہے کیسا زمانہ

یہ "اللہ ہوتے ہیں ایسے یگانہ؟"

بہت حالِ اردو سے دل گیر تھے وہ

پرانی شرافت کی تصویر تھے وہ

یہاں رہتے بستے میں گھبرا گیا تھا

وہاں سے جہانگیر روڈ آ گیا تھا

یہاں اک کوارٹر ہے ایک سو ستتر

رہا ہوں جہاں چھ برس خوب جم کر

شرف اس کوارٹر نے اک ایسا پایا

جنابِ جگر کا قدم اس میں آیا

Scanned by CamScanner

جگر کیا تھے اوتار تھے شاعری کے
مجسم اک اظہار تھے شاعری کے
وہ کالے تھے صورت کے اچھے نہیں تھے
مگر ایسے چہرے بھی دیکھے نہیں تھے
یہ لگتا تھا جاں کے حجابوں سے چھن کر
کئی ہلکے ہلکے نقابوں سے چھن کر
اندھیروں میں نورِ نظر ہو رہی ہے
وہ پو پھٹ رہی ہے سحر ہو رہی ہے
اس انسان کو روح کیسی ملی تھی
کہ چہرے پہ اک روشنی بن گئی تھی
انہیں دیکھ کر مجھ کو لگتا تھا ایسا
مری روح نے شعر کو چھو لیا تھا
کہوں کیا کہ تھی ان سے کیسی محبت
وہ ایسے کہ معصوم بچوں کی صورت
رمی کھیلتے میں چراتے تھے پتے
چھپا لیتے تھے شال میں چھکے ستے
ذرا چھیڑیئے تو ابھی لڑ پڑیں گے
"نہیں کھیلتے تاش ہم پھینک دیں گے"
بہت لوگ دیکھے کہ شاعر بڑے ہیں
چڑی مار لفظوں کے اکثر پڑے ہیں
انہیں دیکھئے جسم ہی جسم ہیں یہ
یہ انسان نہیں دیو کی قسم ہیں یہ

Scanned by CamScanner

انہیں دیکھتا ہوں تو لگتے ہیں ایسے
دکاں میں ٹنگا ہو بڑا گوشت جیسے
خدا نے بنایا ہے ان کو بدن میں
مگر روح ڈالی نہیں ان کے تن میں
یہ مانا کہ انساں بھی ہے ایک حیواں
مگر اس میں کیا چیز ہے روحِ انساں
لگاتا ہے حیوان جب خود پہ بندش
تو ہوتی ہے تیرہ تنی میں وہ تابش
کہ شعلہ کوئی جیسے چقماق کا ہے
کہ انسان تو نام اخلاق کا ہے
یقیناً یہ ہوں گے جگر سے بھی بڑھ کر
مگر آدمی ہیں صفر کے برابر!

یہاں میں سناتا ہوں اک اور قصہ
مری روح پر ہے اثر اب بھی جس کا
مرے بھائی بیمار تھے ہاسپٹل میں
میں بیٹھا تھا اک روز ان کی بغل میں
وہ غافل تھے، کچھ نیند سی آگئی تھی
کئی روز سے ان کو غفلت بڑی تھی
سمجھتا تھا میں لوٹتی ساعتیں ہیں
بڑے بھائی کی آخری خدمتیں ہیں
وہ ابر رواں جس نے کھیتی ہری کی

Scanned by CamScanner

وہ جس نے مرے باپ کی ہم سری کی

مجھے جس نے آغوشِ الفت میں پالا

بڑا بوجھ کاندھوں پہ اپنے سنبھالا

سفر کا وہ سامان ہیں جا رہے ہیں

کوئی دم کے مہمان ہیں جا رہے ہیں

بہت تیز عمرِ رواں کٹ رہی ہے

چراغِ محبت کی لو گھٹ رہی ہے

مگر جانے کیا میرے دل کو ہوا تھا

کہ کم بخت پتھر کی صورت بنا تھا

یہ سچ ہے کہ سویا نہ جاتا تھا مجھ سے

یہ روؤں تو رویا نہ جاتا تھا مجھ سے

مری آنکھ اشکوں سے تھی ایسی خالی

کہ اڑ جائے طائر تو خالی ہو جالی

مجھے یوں لگا صاحبِ جاں نہیں ہوں

میں عفریت ہوں کوئی انساں نہیں ہوں

کہ انساں تو ہے نام اک چشمِ تر کا

جو ہو روح میں اس غمِ معتبر کا

مری روح میں آنچ کم ہو گئی تھی

کہ شاید مری روشنی کھو گئی تھی!

اور اس وقت اک راز مجھ پر کھلا یوں

کہ پتھر کا میں ہو گیا ہوں، مگر کیوں؟

یہ کیسا زمانہ ہے؟ یارانِ جانی!

Scanned by CamScanner

کہ انساں سے رخصت ہے رقت پرانی
کوئی شے ہے انسان کے دل سے چھوٹی
کہ ہر چیز جھوٹی ہے جھوٹی ہے جھوٹی!
محبت بھی جھوٹی ہے، نفرت بھی جھوٹی
عداوت بھی جھوٹی ہے شفقت بھی جھوٹی
نظر جھوٹ، دل جھوٹ، آنکھیں ہیں جھوٹی
خموشی بھی جھوٹی ہے باتیں بھی جھوٹی
یہ دعوے بھی جھوٹے ہیں وعدے بھی جھوٹے
کہ جھوٹے تو جھوٹے ہیں، سچے بھی جھوٹے
غمِ ہجر میں جان کھونا بھی جھوٹا
وفورِ مسرت میں رونا بھی جھوٹا
جو بیوی کو پوجے وہ چاہت بھی جھوٹی
جو بچوں کو پالے وہ محنت بھی جھوٹی
غرض جو بھی جذبات انسان میں ہیں
جو ہیں اور وہ بھی جو امکان میں ہیں
ستم ہے ستم، جھوٹ ہیں جھوٹ ہیں یہ
خدا کی قسم، جھوٹ ہیں جھوٹ ہیں یہ
یہ احساس کیا چیز ہے کیا کہوں میں
بیاں اس کا یہ ہے کہ بس چپ رہوں میں

سو چپ چاپ ان کو لحد میں اتارا
زمیں میں گیا میرا روشن ستارا

Scanned by CamScanner

زمینِ وطن آج تک اجنبی تھی
پہ اب اس میں مٹی مری مل گئی تھی
کراچی تو کھیولی کی اب سر زمیں ہے
یہ میری امانت ہے اور تو امیں ہے

حواشی

فصل اول (بہار کالونی سے جہانگیر روڈ تک)

ا۔زوّار احمد حنفی (۲) اسمٰعیل خاں (دوست) (۳) نہال سیوہاروی (۴) ماہر القادری (۵) راز مراد آبادی (۶) ذوالفقار علی بخاری (۷) نشور واحدی (۸) محبوب خزاں (۹) تابش دہلوی (۱۰) عزیز حامد مدنی (۱۱) علی حسنین زیبا (۱۲) مجتبیٰ حسین (۱۳) غیور احمد نقوی (جو بعد میں انکم ٹیکس کمشنر ہوئے) (۱۴) سرور قدوائی (۱۵) عبد القدیم خاں (۱۶) راجہ نعیم الدین صدیقی (دوست) (۱۷) حکیم احمد علوی (دوست) (۱۸) ظفر احمد (دوست) (۱۹) سید جمیل الدین احمد (تایازاد بڑے بھائی) (۲۰) علامہ رشید ترابی

Scanned by CamScanner

البم نمبر ا

سوا سو روپے
مجھ سے اک میٹرک کے لیے
جسے ٹائپنگ بھی نہ آتی تھی
ایسے کم تو نہیں تھے!
(میں اس دور میں جتنا خوش تھا
ہزاروں کما کر گنوا کر بھی اب خوش نہیں ہوں)
مجھے صبح سے شام تک
نوٹ گننے میں بھی
قافیے ڈھونڈنے کی طرح
لطف آتا تھا!
اور ہر روز (ہر شام کو)
شعر کی صحبتیں
یار احباب کے قہقہے، چہچہے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

(نعیم اور قدیم اب کہاں ہیں؟)
کبھی اردو مرکز میں جانا
کبھی اہل حلقہ سے الفت کی پینگیں بڑھانا
کبھی اردو مجلس میں یاروں سے لڑنا لڑانا
مگر میں ترقی پسندوں کی
اس انجمن کا
جو اشرف علی کی قیادت میں قائم ہوئی تھی
باقاعدہ رکن تھا!
یہ اشرف علی بھی عجب چیز تھے
یہ جس شہر کے تھے
وہاں ایک اکبر تھے
باقی جو تھے صرف امرود تھے
یہ اکبر نہیں تھے
نہ امرود تھے
صرف اشرف علی تھے!
پرانے فراقی
بڑے انقلابی!
کہ جو مارکس کے کیپٹل کی طرح
خود اپنے بھی سرمائے کو گھول کر پی گئے تھے
کبھی میرے دفتر میں تشریف لاتے
مجھے نوٹ گنتا ہوا دیکھ کر مسکراتے
اور اس مسکراہٹ میں اک دانت ایسا چمکتا

Scanned by CamScanner

کہ ان کی ذہانت، شرارت

اور اک تیسری چیز

ہم اب جسے

احمقوں کے سوا

کھو چکے ہیں

یعنی معصومیت!

سب کا اک نقش دلکش ابھرتا

یہاں انجمن میں

کبھی خوش دلی سے، کبھی برہمی سے

کبھی دوستی سے، کبھی دشمنی سے

ترقی پسندوں سے لڑنے جھگڑنے

کو جاتے تھے

میں اور عالی!

یہ عالی کہ میرے لیے

دور کی اک صدا

عہد رفتہ کی اک یاد ہے

اردو مرکز کے جلسہ میں مجھ سے ملا

عشقِ صادق کا دعویٰ کیا

اور دَغا دے گیا!

مگر ان دنوں کا وہ عالیؔ

یہ توندل بھندیسل سا عالیؔ نہیں تھا

Scanned by CamScanner

کہ تھیلے کے مانند خالی نہیں تھا

مرا تجربہ ہے، خیالات انسان کے جسم پر بھی اثر ڈالتے ہیں

اسے زیب دیتی تھی تب کجکلاہی

کہ دل ہو غنی تو یہی بادشاہی

بڑے طرہ بازوں کو دیکھا اکڑتے

مگر بول جاتے جب عالی سے لڑتے

یہ الطاف گوہر کے چھکے چھڑائے

بخاری پہ بھی ایسے فقرے لگائے

کہ روتے ہی بنتا نہ گاتے ہی بنتا

ندامت سے سر کو جھکاتے ہی بنتا

بڑے تھے بڑا پن دکھاتے ہی بنتا

ملا تھا لوہارو سے خونِ امیری

مگر دل میں تھی درد کی سی فقیری

شریف اس کی فطرت، نصیب اس کے علیٰ

کراچی میں میرے لیے تھا اجالا

مگر غیب سے اک ہوا ایسی آئی

کہ جس سے قناعت کی لو جھلملائی

قیامت ہے یہ آدمی آن ہارے

جنہیں ڈانٹتا تھا انہیں "سر" پکارے

جو شیروں پہ رکھتا تھا ترچھی نگاہیں

وہ گیدڑ کی گردن میں ڈالے ہے بانہیں

مٹرتی

کہوں کیا کہ عالیؔ کو کیا ہو گیا ہے
فقط گلڈؔ کے "گلٹ" میں مبتلا ہے
کبھی کوہ تھا اب پرِ کاہ ہے یہ
کبھی شیر تھا آج روباہ ہے یہ
اسے مسکہ بازوں نے ایسا بگاڑا
ہمالہ کو اپنی جگہ سے اکھاڑا
مرے دل پہ افسوس کا داغ کر کے
اسے صحبت زاغ سے زاغ کر کے
بنایا مرے دل کو خونابِ گریہ
کہ عالیؔ ہے میرے لیے بابِ گریہ
تو ہاں اک جوانِ طرحدار تھا وہ
کسی اہلِ قدرت کی تب "چخ" نہیں تھا
خود اپنے لیے ایک گلزار تھا وہ
بہارِ نظر کا خریدار تھا وہ

اس کے دوہوں میں جو رس ہے
مستی ہے
جو رنگ ہے
اس کی بانکی جوانی کی تصویر ہے!
یہ وہ دادِ سخن ہے
کہ جو مثلِ غنچہ
فضائے ادب میں کھلی ہے

Scanned by CamScanner

جو ہم جیسے خود ساختہ شعر فہموں سے بڑھ کر
سجیلی کٹیلی مگر شوخ و فیاض ناروں
سے اس کو ملی ہے
مرا ذوق ہر چند
فراقؔ اور جوشؔ اور سقراط سے مختلف ہے
مگر! مجھ کو بھی
اس کی باتوں سے بھی کچھ سوا
اس کی آنکھوں نے بیتاب رکھا
کئی لمبی راتوں میں بے خواب رکھا
کبھی خود مرے پاس آتا
کبھی فون کر کے مجھے اپنے دفتر بلاتا
بہت بور کرتا کہ چائے پلا کر ڈرامہ سناتا
(یہ اس کا ڈرامہ کہ اب تک مکمل نہیں ہے
اس کی تقدیر کی اک علامت ہے
جو رفتہ رفتہ
قضا و قدر کے چھپے دفتروں میں لکھی جا رہی ہے)
کبھی بور ہو کر میں کہتا
ارے یار کچھ بات بھی کر!
تو کہتا۔۔۔۔
"تم تو ہو کثرد م و خفاش کے پُر ہول وطن
تم سے کیا بات کروں!
چپ رہوں میں تو کبھی خود سے بھی کچھ کہتے ہو

Scanned by CamScanner

مجھ سے کھلتے نہیں، بقراط بنے رہتے ہو

تم سے کیا بات کروں؟"

میں اب آپ کو کیا بتاؤں

کہ عالیؔ کے خفاش و کثردم کی تلمیح کیا ہے

مگر چھوڑیئے!

آیئے آپ کو

مدنیؔ و مجتبیٰ سے ملاؤں

مجھے ان سے اشرف علی نے ملایا

ملانے سے پہلے

عقیدت بڑھانے کو

یوں غائبانہ تعارف کرایا

کہ "مدنیؔ ہیں تہذیب کا ایک پیکر

نہ دیکھے کبھی علم کے ایسے تیور

شریفانہ چہرے میں کیا روشنی ہے

پس آئینہ شمع سی جل رہی ہے

خفا سے، گریزاں سے، کچھ بدگماں سے

کہ رہتے ہیں اپنے سے بھی سرگراں سے

مگر مجتبیٰ تو عجب آدمی ہیں

کہ تصویر یوپی کی تہذیب کی ہیں

بڑے نکتہ داں ہیں بڑے خوش بیاں ہیں

سخن فہم ہم میں اب ایسے کہاں ہیں

Scanned by CamScanner

فدائے سخن ہیں فدائے ادب ہیں

کہ سید ہیں، زیدی ہیں، اعلیٰ نسب ہیں

خود اپنے سے اکثر جھگڑتے رہے ہیں

زمانے سے پیہم بگڑتے رہے ہیں

یہ سیدھی سی باتوں کو بھی "رمز" سمجھیں

سلام ان کو کیجئے تو یہ طنز سمجھیں

محبت میں ہے مسلک گرم جوشی

سیاست میں ہے مسلک نرم کوشی

یہ گو "بنے بھائی" پہ مرتے بہت ہیں

پولیس کے رجسٹر سے ڈرتے بہت ہیں

قدامت کے شیدائی زندگی میں

گھٹنا پہنتے تھے یہ بمبئی میں"

ملے جب سر مو تبدل نہ پایا

وہی نکلے جب تل کو تل سے ملایا

ذرا لڑ جھگڑ کر

مری رجعتی فکر پر کچھ بگڑ کر

نہ جانے کہاں سے، کدھر سے

مرے دل میں اترے

کشادہ جگہ دیکھ کر

پھر وہیں رہ پڑے

تب سے درد جگر، درد سر ہو گئے ہیں

مرے واسطے یہ

Scanned by CamScanner

عزیزوں سے بھی معتبر ہو گئے ہیں

نہیں میں جمیل آف جالب[1] کو بھولا نہیں ہوں

انہیں بھولنا

اپنے ہی آپ کو بھولنا ہے

یہ اس وقت سے میرے ساتھی ہیں

جب فرسٹ ایئر فول تھا میں

یہ مجھ سے ذرا سینئر تھے

مگر ان کی نظروں میں مقبول تھا میں

یہ انور[2] کو لے کر مرے پاس آتے

کبھی اپنے ہمراہ اختر[3] کو لاتے

وہ سنجیدگی اور متانت جو ان کی محبت کی مانند

فطرت ہے ان کی

کوئی مانے نہ مانے، وہ قوت ہے ان کی

کہ جس نے مجھے روزِ اول سے ان کا ثناخوان بنایا

درِ دل کو کھولا، انہیں اپنا مہماں بنایا

ادب کے طویل اور صبر آزما راستے کی کٹھن منزلوں پر

بہت دور کی سوچتے تھے

مجھے کاہلی، چگی بازی، پریشان خیالی کے طعنے سنا کر

بڑی سادگی سے کہ نشتر کی مانند سفاک ہے

میرا دل نوچتے تھے

اگرچہ یہ ہے دور کا ایک قصہ

Scanned by CamScanner

مگر یہ "نیادور" ہے ان کے دیرینہ خوابوں کا حصہ

کراچی میں آ کر بہت لوگ بدلے

پہ دل میں مرے اب بھی موجود ہیں یہ

محبت میں سچے، وفا میں کھرے اس قدر ہیں

کہ عالؔی کے محسود ہیں یہ

بڑے نرم خُو، اک غذائے مُلین

کہ حلوائے بے دود ہیں یہ

مگر خان صاحب ہیں

غصے میں آ جائیں

تو اک دھماکے کی بارود ہیں یہ

انہیں کچھ کہوں تو فرشتے پہ تہمت لگاؤں

مری زندگی جو بھی باقی ہے

سب ان کو دے دوں

اگر ان کی قیمت لگاؤں

وہ "دو جیم" کیا خوشنما تھے

جنہوں نے مقدر کی خوبی سے اکبر کو اتنا بڑھایا

کہ شاعر کی پستی سے اوپر اٹھا کر

بڑا "جج" بنایا

مجھے بھی جہالت، جراحت، جفائے زمانہ کے ہمراہ

کچھ "جیم" ایسے ملے ہیں

کہ جن میں ججی ہو نہ ہو

Scanned by CamScanner

کچھ کمال اور بھی ہیں

"جمیلین" سے آپ مل ہی چکے ہیں

مگر اک جمال [۴] اور بھی ہیں

یہ عالی کے بکے چہیتے

محبت کی بازی نہ ہارے نہ جیتے

ترنم سے پہلی غزل جب سنائی

خدا جانے کیوں آنکھ میری بھر آئی

کبھی دل کی حالت کسی سے نہ کہتا

مگر ان سے ملنے کو بیتاب رہتا

ادھر ان کا یہ حال کترا کے چلتے

نہ ملتے، نہ چلتے نہ کچھ بات کرتے

مگر میں نے کچھ ایسے نقشے جمائے

جو میرٹھ میں سیکھے تھے وہ سارے کرتب دکھائے

کہ آخر بڑے سخت لوہے کو موڑا

کئی سال کے بعد عالی سے توڑا

بہت دوست ملتے ہیں جو باوفا ہیں

یہ دل کی صفا سے مرا آئینہ ہیں

کبھی ناصر کاظمی جب کراچی میں آتے

تو ہم جیسے "پسماندگانِ ادب" سے بھی ملتے ملاتے

انہیں عسکری نے نئی نسل کا سب سے اچھا غزل گو لکھا تھا

ہماری نظر میں تو ان کا بڑا مرتبہ تھا

کہ ہم عسکری کو امامِ ادب جانتے تھے
اسی ایک رشتے سے ناصر کو پہچانتے تھے
وہ جب اپنی باتوں کا غزلوں کا جادو جگاتے
بڑی شفقتوں سے کھلے دل سے تعریف کر کے
ہماری "گجلیا" بھی سنتے سناتے
سنا ہے یہ میں نے کہ بیمار ہیں وہ
شفا کی دُعا مانگتا ہوں، مگر جانتا ہوں
کہ اپنے لیے جاں کا آزار ہیں وہ
مسرت کو ٹھکرائیں، راحت سے بھاگیں، اداسی کو پالیں
کسی طرح سے دردِ دنیا اجالیں
مگر آہ دنیا، یہ دنیا کہ جو شاعری سے سنورتی نہیں ہے
(امیر احمقوں کی یہ قحبہ جو شاعر کو برداشت کرتی نہیں ہے)
سنو کاظمی! اے بھلے آدمی، روگ کیا تم نے پالا
تمہارے جلے سے نہ ہوگا اجالا
کہاں تک، کہاں تک، کہاں تک جلو گے
کسی روز پیارے یونہی جل بجھو گے
خدا تم کو رکھے ابد تک جیو تم
جیو جب تلک کاش خوش رہ سکو تم

"بہاری" نہیں اک "بہاری" جواں ہیں
مرے مہرباں ہیں
بہاروں کے اک نقشِ معکوس یعنی خزاں (۵) ہیں

Scanned by CamScanner

مشرقی

محبت کے جویا، طبیعت کے سادہ
بہت ناپے تولے نہ کچھ کم نہ زیادہ
مری زندگانی کو اک ضیق کر کے
ہر اک چیز کی جمع تفریق کر کے
کسی طرح سے ایسا حاصل نکالیں
کہ نشتر سے جیسے مرا دل نکالیں
کبھی مفلسی کے عواقب بتائیں
کبھی عمر کے خاتمے سے ڈرائیں
کبھی رائگانی کا احساس بیدار کر کے
سمندِ قلم کم رقم کو نئے تازیانے لگائیں
کبھی جلدی سونے کی تاکید کر کے
مگر حفظِ صحت پر خود اپنے لیکچر کی تردید کر کے
مسلسل، برابر سحر تک جگائیں
کبھی سوچتا ہوں کہ اس آدمی نے
مری جیسی مجھ سے محبت نہیں کی
نہیں یہ غلط ہے، محبت تو کی
پر یہ سچ ہے
کہ جھوٹی رعایت نہیں کی

مرے ایک جیم (۶) اور ہیں جانِ محفل
مری خوش نصیبی سے میرے مقابل
سمجھتے ہیں یہ خود کو چھوٹا سا لیڈر
کہ پچھلے دنوں میں رہے ہیں ڈبیٹر

Scanned by CamScanner

ڈبیٹوں میں اکثر ٹرافی تھی ماری

تو اب بھی ہے تقریر کی مشق جاری

سحر سے سحر تک یہاں تک یہ بولیں

کہ تارے بھی انگڑائی لیں اور سولیں

یہ استاد ہیں اپنے فنِ سخن میں

بہت بول کر کچھ نہ کہنے کے فن میں

یہ انداز ان کے بایں باشعوری

سمجھتے ہیں ہر بات کو لاشعوری

ہر اک بات میں ایسے معنی بتائیں

کہ جو آپ کے خواب میں بھی نہ آئیں

گلِ تر ہیں ایسے کہ پھولے نہیں ہیں

ابھی اپنے بچپن کو بھولے نہیں ہیں

اگر میں مقدر سے "پاور" میں آؤں

انہیں مالٹی کا گورنر بناؤں

یہ بن جائیں ہرچند خوئے کنشتی

خدا نے انہیں دی ہے بوئے بہشتی

ذہانت کے پتلے ہیں صاحبِ نظر ہیں

مگر اپنی قوت سے خود بے خبر ہیں

یہ اپنے لیے خود سراسر زیاں ہیں

کہ ہیں گوہر ناب پر رائگاں ہیں

جو پورا نہیں ہوسکا ہے وہ رن ہیں

سیاست میں چھوٹے سے نپولین ہیں

Scanned by CamScanner

حریفوں سے ہر حال میں ہیں یہ بہتر
سمجھتا ہوں میں آپ کو پٹ دی بیگر
کبھی مجھ میں ایسے فضائل نکالیں
جلیں لوگ، منفی دلائل نکالیں
کبھی جب وہ جوشِ خطابت میں آئیں
تو مجھ میں دکھائیں خود اپنی خطائیں
کبھی یہ فرائڈ پہ لیکچر پلائیں
کبھی یونگ کے ٹسٹ کو آزمائیں
غرض صرف اتنی کہ مجھ کو ستائیں
کسی طرح سے غیر شاعر بنائیں
ستانا، جلانا، مسلسل کڑھانا
یہ دل میں سمانے کا طرفہ بہانا
کہوں کیا کہ دل میں میرے ہائے ہائے
بہت گہرے پنجے انہوں نے گڑائے
میرے دل میں کیا ہے سوائے محبت
کہ نازل ہے مجھ پر بلائے محبت
سمجھتا تھا میں ان کو ہمراز ہیں یہ
یہ کہتے ہیں مجھ کو "گروپ باز" ہیں یہ
مجھے دشمنِ جانِ یک سوئی ہیں یہ
مری آنکھ کی آخری سوئی ہیں یہ
میں باندھوں انہیں گھر کے باہر کہ بھیتر
مرے واسطے ہیں یہ اوچھے کے تیتر

Scanned by CamScanner

جو ہے شہر میں میری "شہرت" کا قصہ
تو اس میں ہے سو فیصدی ان کا حصہ

یہاں ذکرِ سید(۷) بھی لازم ہے مجھ پر
یہ سید بڑی شے ہیں یعنی مظفر
مجھے کم ہی آتا ہے مرعوب ہونا
مگر ان کی ہر بات پر "خوب" کہنا
انہیں لوگ کہتے ہیں بقراط ہیں یہ
پہ مری نظر میں تو سقراط ہیں یہ
نہ ناسخ، نہ آتش نہ یہ مصحفی ہیں
یہ پنجاب کے ہیں مگر لکھنوی ہیں
اگر اپنی ہندی نویسی پہ آئیں
تو حالی کو بھی دوہے لکھنے سکھائیں
جھلک لیلیٰ فن کی ہے آرسی میں
یہ اردو کا دیوان ہیں فارسی میں
جو پچھلے جنم میں نہیں چھپ سکا تھا
محبت کا ہیں ایسا نایاب نسخہ
یہ ممکن نہیں ہے کراچی میں آئیں
اور اپنی محبت کا تحفہ نہ لائیں
نہ کام آئیں ہرگز کہ بیکار جائیں
زبانِ خموشی کی سب التجائیں
میں سنتا رہوں اور یہ گھنٹوں سنائیں
مری طاقتِ صبر یوں آزمائیں

Scanned by CamScanner

محبت میں سچے طبیعت میں طاہر
شرافت میں ایسی کہ چہرے سے ظاہر
بظاہر ہے طرزِ تخاطب میں نرمی
پہ شامل ہے ہر بات میں دل کی گرمی
وہ گرمی کہ نرمی سے دل میں سمائے
گداز ان کے ہاتھوں کا دل کو گھلائے
خلوص ان کا زندہ محبت جواں ہے
مگر ان سے ملنے میں جاں کا زیاں ہے

مجھے اردو مرکز میں جن اہلِ دانش نے چاہا
بڑھایا، ابھارا، نوازا، سراہا
مری سرکشی کو
خلوص و محبت کی وہ مار ماری
کہ جب تک جیوں گا
زبان اور دل پر رہیں گے
حمیدِ نسیم و حفیظ و بخاری

حواشی

(ہم لوگ، البم نمبر۱)

(۱) ڈاکٹر جمیل جالبی (۲) انور عالم (۳) اختر عالم (پروفیسر رزمی صدیقی کے صاحبزادگان اور سلیم احمد کے دوست) (۴) جمال پانی پتی (۵) محبوب خزاں (۶) قمر جمیل (۷) مظفر علی سید۔

Scanned by CamScanner

اسٹوڈیو نمبر ۹

وہ دن تھے کہ جنسِ ہنر تُل رہی تھی
نئی ریڈیو میں دکاں کھل رہی تھی
بخاری[1] نے اک روز مجھ کو بلایا
باندازِ فرماں یہ مژدہ سنایا
کہ جا نوٹ گننے سے تجھ کو چھڑایا
ڈرامہ نویسی کے اوپر لگایا
کہاں میں کہاں فن تمثیل سازی
یہ اپنی روایت ہے اک مرغ بازی
تو میں نے بھی دو چار مرغے لڑائے
الٹ پھیر کے چند کرتب دکھائے
یہاں سے وہاں سے خیالات اڑائے
پلاٹ اور کردار بھی کچھ چرائے
کچھ اپنی طرف سے پھر اس میں ملایا

Scanned by CamScanner

ڈرامہ نویسی کا چکر چلایا
ڈرامے شرامے کہ تقریر و فیچر
وہ سب جن سے ہے سستی شہرت کا چکر
لکھے میں نے اتنے کہ شہرت سمیٹی
وہ شہرت کہ ہے شہرت "دھر گھسیٹی"
اب اس کے سوا کیا کہے اور بندہ
مچھندر کو روٹی کمانے کا دھندہ
مگر یہ بھی یاروں کو میرے گراں تھا
خفا تھا کوئی اور کوئی بدگماں تھا
"کہ لیجئے اِدھر سے اُدھر ہوگئے ہیں
غزل گو بلے رائٹر ہوگئے ہیں
کہاں حشؔر اور تاؔج کا فنِ اعلیٰ
یہ حضرت لگائیں گے اس کو بھی تالا
ہمیں تھی یہ امید کچھ کام ہوگا
یہ فنِ شریف ان سے بدنام ہوگا
یہ رجعت پسندوں کے حامی بڑے ہیں
ترقی پسندوں پہ حملے کیے ہیں
یہ ان کا تقرر اسی کا صلا ہے
انہیں ان کا یہ حقِ خدمت ملا ہے
بڑے ان کے تیور تھے بڑھ کر رہیں گے
تو یہ اب گئے، صرف تیور رہیں گے
مگر خیر اچھی ہوا چل گئی ہے

Scanned by CamScanner

ادب کے تو سر سے بلا ٹل گئی ہے"

یہ ہے سامنے نشرگاہِ کراچی!
یہاں میں نے دیکھا ہے ماہِ کراچی
بظاہر تو اک ملک سرکار تھی یہ
شہنشاہ اکبر کا دربار تھی یہ!
بخاری کی اللہ رے شان و شوکت
وہ جاہ و جلال اور وہ ان کی عظمت
بخاری کے نقشے چمن در چمن تھے
کہ دربار میں ان کے بھی نورتن تھے
حفیظ[2] ان کے فیضی، قطب[3]، بوالفضل تھے
میاں شوکت تھانوی بیربل تھے
نہال[4] ان کے بیجو تھے (شاہد ہوں عینی)
تو شاہد[5] کو تھی خدمت تان سینی
بدایوں کے علامہ کا اک خلا تھا
تو حسرت[6] کا آخر تقرر کیا تھا
سلیم[7] ان کے شیخو، بڑے لاڈلے تھے
(یہ ہر بات پر ان سے ملتے گلے تھے)
حمید نسیم ان کے یارِ موافق
تو طاہر[8] بھی خدمت گزاری میں صادق
(اور ان کے سوا جو بھی ہمراہ ہو لے)
کمربستہ حاضر خواصوں کے ٹولے

Scanned by CamScanner

یہاں کب کسی کو مجالِ سخن تھی
کہ مانندِ تصویر یہ انجمن تھی!
یہاں بولتے تھے تو بے شک بخاری
سنے جائیں دن بھر یہ قسمت ہماری

بخاریؔ کا کیا حسن ہے الا ماشا
کہ آذر نے جیسے صنم ہو تراشا
وہ چہرہ ہے کہ ہے جمع جس پر بکثرت
شرافت، ذہانت، شرارت، خباثت
وہ چہرہ کہ سب رازِ دل ان کے کھولے
وہ چہرہ کہ یہ چپ اگر ہوں تو بولے
نہ گو لب یہ کھولیں مگر وہ صدا دے
کسی کو ہنسا دے کسی کو رلا دے
ہر احساس آتا ہے اس پر سمٹ کر
یہ چہرہ ہے جذبات کا بیرومیٹر
ملا ہے انہیں کن بلاؤں کا چہرہ
یہ یونان کے دیوتاؤں کا چہرہ
وہ سانچہ خدا نے انہیں جس میں ڈھالا
انہیں ڈھال کر پھر اُسے توڑ ڈالا
یہ ہیں خاک، پر آگ سے یہ بنے ہیں
یہاں آدمی اور جن مل گئے ہیں
خدا نے ملا کر اندھیرا اجالا

Scanned by CamScanner

یہ صنعت کا اپنی نمونہ نکالا!
ابھی حاتمِ وقت، ابھی شوم ہیں یہ
ابھی سنگ ہیں یہ، ابھی موم ہیں یہ
ابھی بحر کی طرح پُرجوش ہیں یہ
ابھی کوہ کی طرح خاموش ہیں یہ
کبھی پُر سکوں گاہ بے تاب ہیں یہ
ابھی آگ ہیں یہ، ابھی آب ہیں یہ
مجھے تو بصیرت کا اک آئینہ ہیں
یہ انسانی فطرت کا اک آئینہ ہیں
وہ گل ہیں جہاں چاہے ان کو سجادو
وہ مصرع جسے ہر غزل میں لگادو
بہت ان کے پیکر، پہ اک روح ہیں یہ
روایت کا اک عطر مجموع ہیں یہ
بہت میں نے دیکھا ہے ایسا تماشا
کہ ہیں پل میں تولہ، تو ہیں پل میں ماشا
ابھی روئے خنداں، ابھی چشم تر ہیں
ابھی فلسفی ہیں، ابھی ایکٹر ہیں
ابھی دیکھئے تو یہ شاعر ہیں بالکل!
ذرا دم میں بدلیں تو افسر ہیں بالکل
ابھی ساتھ گردن میں ڈالے ہیں بانہیں
ابھی مار کر لات باہر نکالیں!
تلون طبیعت کا ہے راس ان کو

Scanned by CamScanner

مگر اہلِ عزت کا ہے پاس ان کو
یہاں حد سے اپنی گزرتے نہیں ہیں
بڑے ہیں، سُبک بات کرتے نہیں ہیں

اور اک خوبی ایسی ہے ان میں کہ حضرت
بہت لوٹ ہے جس پہ میری طبیعت
یہ ناکارہ لوگوں کو اکثر سراہیں
نکمے جو بالکل ہوں ان کو بھی چاہیں
مگر ایک بازی یہ ہرتے نہیں ہیں
کہ احمق کو برداشت کرتے نہیں ہیں

یہ دنیا ہے کیا کوئی کیوں اس پہ پھولے
برائی رکھے یاد، خوبی کو بھولے!
انہیں چاہے اہلِ جہاں بھول جائیں
مجھے یاد ہیں ان کی اک اک ادائیں
اُس عالم میں ان کے بڑے کروفر تھے
ہمارا تو کیا ذکر ہم تو صفر تھے
بڑے لوگ دیکھے کہ بھرتے تھے چلمیں
ذرا یہ جو بولیں تو گھس جائیں بلِ میں
خوشامد میں اس طرح مکھن لگائیں
بخاریؔ بھی شرما کے گردن جھکائیں
بخاریؔ سنائیں غزل جب جما کے

Scanned by CamScanner

تو اڑ جائے چھت شور سے واہ وا کے
بہت سوں کو جوتے اٹھاتے بھی دیکھا
بہت سوں کو ٹانگیں دباتے بھی دیکھا
مرے دل کو ان سے عجب سلسلہ تھا
انہیں دل نوازی کا اک فن ملا تھا
اگر ریڈیو پر ہے کچھ میری عزت
اگر لوگ کرتے ہیں مجھ سے محبت
تو یہ سب بخاریؔ کی بخشی ہوئی ہے
کہ یہ گونج اب تک اُسی دور کی ہے

وہ گنبد کے نیچے جو کمرہ بنا ہے
بڑے اونچے لوگوں کا مسکن رہا ہے
فرید(۹) اس میں بیٹھے، قطب(۱۰) اس میں آئے
میاں ناصری(۱۱) نے بھی ڈیرے جمائے
حفیظ(۱۲) اور اقبال(۱۳) پر اس کا سایا
نسیم(۱۴) اور ظفر(۱۵) کے بھی یہ کام آیا
کہوں مختصر آر۔ڈی بیٹھتے ہیں
یہاں آج کل شاہ جی(۱۶) بیٹھے ہیں
اگرچہ یہ اک خاک ہیں ریڈیو کی
خدا کی قسم ناک ہیں ریڈیو کی
بڑے صاف باطن، بڑے نیک دل ہیں
کرم فرما میرے ہیں اور مستقل ہیں

Scanned by CamScanner

اگرچہ بہت ریڈیو گھٹ گیا ہے
کہ اچھا جو تھا مال سب چھٹ گیا ہے
وہ انداز اب ریڈیو کے کہاں ہیں
مگر یہ گئی عظمتوں کے نشاں ہیں
وہ رونق جو تھی بزم کی سب گئی ہے
یہ اک شمعِ آخر ہیں جو جل رہی ہے
غنیمت ہے یہ وقت جو بھی بہم ہیں
خدا جانے کس وقت یہ ہیں نہ ہم ہیں
یہاں ناصری[۱۷] بھی کبھی آر۔ڈی تھے
یہ دلی کے روڑے، بڑے آدمی تھے
یہ ناصر علی دہلوی کے تھے پوتے
کبھی بات کرتے تو موتی پروتے
عروسِ سخن کا یہ جوڑا بناتے
کہ باتوں میں بھی لچکا گوٹا لگاتے
ہر اک شخص کو اپنی گڈ بک میں رکھتے
ہر اک چیز کو اپنی کابک میں رکھتے
انہیں جب بھی دیکھو نئے ان کے تیور
اڑانوں پہ رہتے ہیں ان کے کبوتر
مجھے حکم تھا ان کا یہ، روز آؤ!
رجسٹر میں پھر حاضری بھی لگاؤ
یہ بہتر ہے اک ڈائری بھی بناؤ
کیا کام جتنا ہے سارا دکھاؤ

Scanned by CamScanner

بڑی ان دنوں جاں مری ضیق میں تھی
کہ کاہے کو یہ نوکری میں نے کی تھی
میں اک دن بہت دیر سے گھر سے آیا
تو حضرت نے چپراسی بھیجا بلایا
کہا "آپ پھر دیر سے آرہے ہیں
بڑی آپ گڑبڑ یہ پھیلارہے ہیں"
کہا میں نے "حضرت کبوتر تو ہوں میں
بڑے آپ افسر ہیں، نوکر تو ہوں میں
مگر یہ سمجھئے کہ اب مڑ گیا ہے
کبوتر جو تھا آپ کا، اڑ گیا ہے"
خدا جانتا ہے کہ بالکل نہ بگڑے
ہنسے اور پھر ہنس کے مجھ سے یہ بولے
"یہاں جو بھی ہے لا ابالی رہے گا
میں سمجھا کہ کابک یہ خالی رہے گا"

سمجھتا تھا میں آپ کو صرف شاعر
پہ دفتر میں آیا تو دیکھا ہیں افسر
ہمارے لیے اک خوشی بن کے آئے
یہ اک دور میں آر ڈی بن کے آئے
بڑے تھے تو بے شک بڑا پن دکھایا
کہ اکثر مجھے اردو لکھنا سکھایا
کبھی میرے فیچر کی اصلاح کرتے

Scanned by CamScanner

تو فقروں میں جملوں میں اک رنگ بھرتے
متاعِ ہنر اتنی تقسیم کردی
کہ مطلع میں بھی میرے ترمیم کردی
کتابوں کے شیدا، نوادر کے جویا
نزاکت کو دیکھو تو ہیں مرزا پویا
اگر علم و فن کا کوئی مسئلہ ہو
جو تحقیق لفظی کا کچھ سلسلہ ہو
تو بس آیئے اتنی تکلیف کیجئے
حفیظؔ اب بھی موجود ہیں پوچھ لیجئے
پرانی کتابوں میں یوں نال گاڑی
کہ خود بن گئے ہیں یہ حضرت کباڑی

(۱۹)

مری آنکھ میں یادِ حسرت سے نم ہے
کہ ایسوں کی تو یاد بھی محترم ہے
بجا ہے کہ فرزندِ کشمیر تھے وہ!
پہ تہذیبِ یوپی کی تصویر تھے وہ!
کبھی یہ نہ سمجھا کہ استاد ہوں میں!
وہ کہتے تھے شاگردِ آزاد ہوں میں
انہیں بھول جائے اگرچہ زمانہ
وہ تھے عالم و دانش کا زندہ خزانہ
بڑا علم لکھا تھا دل کے "صفے" میں
کتب خانے محفوظ تھے حافظے میں

Scanned by CamScanner

وہ ان کی شگفتہ بیانی کا عالم
وہ خوش گوئی اور خوش زبانی کا عالم
وہ سادہ سے فقرے کہ بجلی کے پارے
وہ الفاظ جیسے چمکتے ستارے
پرانے ادیب اور پرانے صحافی
کہ جاہل کو تھی ان کی صحبت ہی کافی
جو فقرے لگائیں کبھی دل لگی کو
تو الٹا دیں وہ شوکتِ تھانوی کو
یہ دیکھا لحاظ ان کا کرتے بہت تھے
بخاری بھی فقروں سے ڈرتے بہت تھے
کہا ایک دن نظم مدنی(۲۰) کو سن کر
کہ خفاش و کثر دم کے ڈکشن سے بھن کر
"جناب آپ اردو میں رہتے نہیں ہیں
ڈراتے تو ہیں شعر کہتے نہیں ہیں!"
وہ گل ہیں کہ تا حشر تازہ رہیں گے
ہمیشہ مرے دل میں زندہ رہیں گے
جہانِ گراں کی یہ جنسِ گراں تھے
کہ سلمان ارشد(۲۱) کے بھی اباجاں تھے
بڑے بذلہ سنج اور بڑے خوش بیاں تھے
کہ یہ بھائی شوکت(۲۲) کے بھی بھائی جاں تھے
وہ پیری میں ان کی جوانی کا عالم
مرے واسطے ایسے جیسے کہ شبنم

Scanned by CamScanner

کبھی پیار سے مجھ کو لونڈا کہیں وہ
کہ سلمان ارشد کا چاچا کہیں وہ
کبھی پیار سے مجھ کو جانی کہا ہے
کبھی داد دے کر حرامی کہا ہے
وہ میرے بزرگ اور وہ یار میرے
ہر اک حال میں تھے وہ غم خوار میرے
خدا ان کو بخشے بہ راحت رہیں وہ
گل تازۂ باغِ جنت رہیں وہ

نسیم (۲۳) آپ ہیں مثلِ باد بہاری
انہیں میں سمجھتا ہوں چھوٹا بخاری
وہی تمکنت ہے وہی ناز ان میں
بخاری کے ہیں سارے انداز ان میں
شرافت وہی ہے، ذہانت وہی ہے
مرے دل میں ان کی محبت وہی ہے
یہ ماہر غزل کے ہیں اور تال سر کے
کہ ہیں رہنے والے یہ گرداسپور کے
بڑا ان کا رتبہ ہے پر کم رہے ہیں
نبوت کا دعویٰ نہیں کر سکے ہیں
جو خوش ہوں تو ذرے کو سورج بنائیں
خفا ہوں تو سورج کو ذرہ دکھائیں
یہ بازی محبت کی ہرگز نہ ہاریں

Scanned by CamScanner

ابھی سر چڑھائیں ابھی مار اتاریں

یہ دیکھا کہ ویسے تو خاموش ہیں یہ

مگر بحث کرنے میں پرجوش ہیں یہ

دکھائیں جب اپنی زباں کی اڑانیں

فراقؔ اور جگرؔ کو بھی شاعر نہ مانیں

یہ گو دونوں سے کان پر ہاتھ رکھیں

حفیظؔ اور ہاں جوشؔ کو ساتھ رکھیں

بڑھائیں اگر جوشؔ کو التزاماً

کہیں ان کو اردو کا استاد دامن

یہ کس اور شاعر کو پہچانتے ہیں

یگانہؔ کو البتہ کچھ مانتے ہیں

اجاڑی ہے گو شعر کی ساری بستی

یہ کرتے ہیں غالبؔ کی کچھ سرپرستی

بہت ان سے سیکھے ہیں گُر شاعری کے

یہ استاد ہیں ناصرؔ کاظمی کے

ہمیشہ عنایت پہ مائل ہیں اتنے

خلوص و محبت کے قائل ہیں اتنے

کبھی بھول کر خود کو افسر نہ سمجھا

ہمیشہ کہا "بھائی" کمتر نہ سمجھا

بلا میری خود اپنے سر لے چکے ہیں

یہ استعفیٰ میرے لیے دے چکے ہیں

خدائے جہاں یہ دعا ہے ہماری

Scanned by CamScanner

پلٹ آئے اک دن یہ باد بہاری
حمید نسیم اپنا کمرہ سجائے
بلاتے تھے ہم کو، پلاتے تھے چائے
یہاں ایک دن میں ضیاء(۲۴) سے ملا تھا
وہ باتیں ہوئیں غنچۂ دل کھلا تھا
تخیل نے ان کی شبیہیں بُنی تھیں
بہت ان کے بارے میں باتیں سنی تھیں
بہت اہل یوپی سے رہتے ہیں برہم
کہ حضرت ہیں پنجابیت میں مجسم
تعصب کے پُتلے ہیں یہ بس بھرے ہیں
بہت جوش صاحب پہ فقرے کسے ہیں
مہاجر کو کہتے ہیں یہ ننگے بھوکے
کہ جلتے ہیں یہ نام سے لکھنؤ کے
اسی طرح کے اور کتنے ہی قصے
سنائے تھے یاروں نے حضرت ضیاء کے
مگر اب جو دیکھا تو کچھ بھی نہ پایا
"ارے کیا یہ صاحب، وہی ہیں خدایا"
(بہت شور سنتے تھے پہلو میں دل کا!
جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا)
نہ شعلہ ہیں کوئی نہ کوئی شرر ہیں
ضیاء چاند کی ہیں، بہت بے ضرر ہیں
جلے ہیں تو برحق ہے ان کا جلایا

کہ کھلتا ہے خود مجھ کو بھی "یو پیاپا"
یہ رس کے بھرے ہیں کہ بس کے بھرے ہیں
ضیاء کچھ بھی ہوں، جو بھی ہیں یہ کھرے ہیں
مگر ان میں، میں نے بھی اک لاگ پائی
ادب کے لیے دل میں ہے آگ پائی

مری آنکھ میں آج آنسو بھر آئے
مجھے بھائی شاہد بہت یاد آئے
مرے ہاتھ میں تھی بہت شبہ جو ریکھا
انہیں میں نے دیکھا تو دلی کو دیکھا
یہ ساقی کے مالک، یہ ڈپٹی کے پوتے
کراچی میں کیا داغِ افلاس دھوتے
وہ غیرت نہ احساں کسی کا اٹھائیں
مگر گھر چلانے کو گائیں بجائیں
بہت لوگ قلاش کہتے تھے ان کو
کہ عالی سٹری لاش کہتے تھے ان کو
میں آخر دنوں میں کچھ ان سے خفا تھا
کوئی بات تھی جس کا دکھ ہوگیا تھا
مگر زخم ان سے جو پایا ہے میں نے
اسے دل کا مرہم بنایا ہے میں نے
خدا ان کو بخشے عجیب آدمی تھے
اندھیرے میں تہذیب کی روشنی تھے

Scanned by CamScanner

یہاں اور ہیں اک محبت کے تاجر
کہ اب تک چلے آرہے ہیں مہاجر (۲۶)
سنا ہے کہ پہلے ڈبیٹر رہے ہیں
اسی واسطے اب یہ کم بولتے ہیں
بڑی روشنی ہو مگر گھپ رہیں یہ
کوئی کچھ بکے جائے بس چپ رہیں یہ
خدا جانے کس راز کو پالیا ہے
کہ اتنی خموشی کو اپنالیا ہے
خموشی سخن میں ہے معنی سموتی
کبھی بولتے ہیں تو جھڑتے ہیں موتی

ملے ریڈیو میں مجھے کیسے سائے
ارم (۲۷) اور تابش (۲۸) یہیں میں نے پائے
برادر زبیری (۲۹) نے مطلع کہا ہے
کہ نور صداقت سے چمکا ہوا ہے
"نہ تم لکھنوی ہو، نہ ہم لکھنوی ہیں
ارم لکھنوی تھے، ارم لکھنوی ہیں"
تو تابش بھی اک پرتو روشنی ہیں
ارم لکھنوی ہیں تو یہ دھلوی ہیں
یہ فانی کے شیدا ہیں، وہ آرزو کے
غزل! کیا ہیں ساماں تری آبرو کے

Scanned by CamScanner

وہ ایسے کہ دوڑائیں ریسوں میں گھوڑا
یہ ایسے کہ سب کچھ کریں تھوڑا تھوڑا
مئے شوق تھوڑی سی دونوں پیتے ہیں
یہ پامسٹ ہیں اور وہ ریسینے ہیں
انہیں دیکھئے بند کھولے ہوئے ہیں
انہیں دیکھئے شیروانی کسے ہیں
وہ جوش طبیعت سے ہیں لاابالی
یہ تنظیم کے ایک مردِ مثالی
زمانے نے پائے ہیں پھل پھیکے سیٹھے
مجھے میری قسمت سے دونوں ہی میٹھے

اب ان سے بھی ملئے یہ قیوم بھائی
سمجھئے گا بھائی کا مفہوم "بھائی"
محبت میں اس درجہ سرشار ہیں یہ
کہ مجھ سے بڑے ہیں مگر یار ہیں یہ
یہ میری خطاؤں پہ بھی مسکرائیں
مرا ناز بیجا بھی ہنس کر اٹھائیں
میں انسان کے ایسے ٹائپ کے صدقے
بلا ٹال دیتے ہیں پائپ کے صدقے
شعیبؔ حزیں! آپ کو دیکھئے گا
انہیں کیا مرے باپ کو دیکھئے گا
مری ان کی عمروں میں کس درجہ بل ہے

Scanned by CamScanner

سنی تھی جو بچپن میں ان کی غزل ہے

بایں ریش یہ یار میرے بنے ہیں

کہ سینگیں کٹا کر یہ بچھڑے بنے ہیں

تو میں نے بھی ان کو کچھ ایسا سمیٹا

کہ کہتا ہوں میں پیار سے ان کو "بیٹا"

مری روح میں کیسا رس گھولتے ہیں

میں بیٹا پکاروں تو یہ بولتے ہیں

مرے غم کے ساتھی، مسرت کے ساتھی

ہمیشہ ہر اک رنج و راحت کے ساتھی

بڑے اک زمانے میں کس بل رہے ہیں

سو اب بجھ گئے ہیں مگر چل رہے ہیں

مرے دل سے ان کی ہے جو راہ، رکھے

خدا ان کو تاحشر ہمراہ رکھے

یہاں کابلی (۳۱) اور بشر (۳۲) بھی ملے تھے

کہوں کیا کہ دونوں کے کیا مرتبے تھے

وہ دن حشر جب انڈین شیکسپیئر تھے

یہ دونوں بھی تب ان کے شمس و قمر تھے

خدا نے یہ رتبہ دیا تھا، جہاں میں

بڑی دھوم تھی سارے ہندوستاں میں

بخاری کے دم سے لگے تھے کنارے

کسی آسماں کے یہ ٹوٹے ستارے

کہا میں نے اک دن کہ کس حال میں ہیں

کہا "شیر لوہے کے اب جال میں ہیں"

بزرگوں کو چھوڑوں میں یاروں میں آؤں
کہ ذرہ ہوں آخر، ستاروں میں آؤں
زمانہ ہے واقف کہ کتنے بڑے ہیں
یہ فن کار جو ریڈیو میں پڑے ہیں
یہ لالہ نصیر اور ظفرؔ (۳۳) اور رفعتؔ (۳۴)
خزانے یہ آواز کے، فن کی دولت
امیرؔ (۳۵) اپنے جو خان صاحب بڑے ہیں
کہ جو پیشوائی کو میری کھڑے ہیں
انہیں کم نہ سمجھو کہ یہ ہیں زیادہ
یہ "فرزیں" ہیں رہتے ہیں گو پا پیادہ
ہر اک ان میں تنہا، ہزاروں پہ بھاری
انہیں کھینچ لائے فلک سے بخاریؔ

مگر میرے یاروں میں ماجدؔ (۳۶) جدا تھا
مرا اس کا کچھ اور ہی معاملہ تھا
کہوں کیا کہ کیا تھا مرا یار ماجدؔ
وہ میرے ڈراموں کا کردار ماجدؔ
وہ کہتا تھا مجھ سے "اگر میں نہ ہونگا
برا مان جاؤ پہ سچ ہی کہوں گا
جو لکھتے ہو کردار، کیسے لکھو گے

Scanned by CamScanner

میں دیکھوں گا کتنے ڈرامے لکھو گے
تمہارے ڈراموں کو میں پالتا ہوں
یہ مردے ہیں اور جان میں ڈالتا ہوں
تو یارو! وہ جس دن سے رخصت ہوا ہے
قلم میرا خالی ہے، اب کیا رہا ہے
ہر اک میرا کردار حیران سا ہے
میں جو لفظ لکھتا ہوں بے جان سا ہے
ڈرامہ تو لکھتا ہوں، روٹی ہے کھانی
مگر اب کہاں وہ روانی پرانی
سکوں میرے دل کو جو آتا نہیں ہے
خدا کی قسم لکھا جاتا نہیں ہے
مرے یار تو نے کیا کیا ڈرامہ؟
کہ لے کر گیا ساتھ تو جانِ خامہ
پلٹ کر مری سمت دیکھا نہیں ہے
گیا اور پھر خط بھی بھیجا نہیں ہے
مرا دوست تھا پر وہ کتنا بڑا تھا
کہ گنجا شہنشاہ آواز کا تھا

یہ خانم[۳۷] گلِ تازۂ ریڈیو ہیں
ازل سے یہ آوازۂ ریڈیو ہیں
انہیں میں نے دیکھا تو اک شمع سی تھی
ذرا جل چکی تھی پہ کیا روشنی تھی

Scanned by CamScanner

یہ دیکھی ہوئی ہے، نہیں ہے قیاسی
کہ ہے ختم خانم پہ زیبا لباسی
میں آنکھوں میں کچھ رنگ بھرتا تھا ان سے
کہ موسم کا اندازہ کرتا تھا ان سے

یہ "عرشے"(۳۸) ہیں مدت سے گو فرش پر ہیں
مگر فن کی پوچھو تو یہ عرش پر ہیں
یہ جب بولتی ہیں تو دل ڈولتا ہے
کہ آواز میں لکھنؤ بولتا ہے
اگر بات میں کچھ گلے کو گھمادیں
تو ہر لفظ میں پھول پتی لگادیں
وہ رستے میں ہوں تو نکل جایئے گا
دبے پاؤں چپکے سے ٹل جایئے گا
بگڑ جائیں گی یہ تو رگڑا کریں گی
ابھی مفت کا ایک جھگڑا کریں گی
یہ ہیں میرے ہم نام اور مجھ سے بہتر
انہیں میں سمجھتا ہوں اپنا برادر
ستم ہے کہ مجھ سے یہ مشہور تر ہیں
مرے واسطے مستقل درد سر ہیں
کسی سے اگر ربط اپنا بڑھاؤں
کبھی انکساراً تعارف کراؤں
تو کہتا ہے میں آپ کو جانتا ہوں

Scanned by CamScanner

"ہیں ایس ایم سلیم آپ پہچانتا ہوں"
کہیں لوگ بیوی سے میری یہ اکثر
ملے آپ کو ہیں بڑے اونچے شوہر
کہ شاعر ہیں، نقاد ہیں، رائٹر ہیں
اور اس کے سوا اک بڑے ایکٹر ہیں
دھرا کچھ نہیں ہے اگر شاعری میں
کما کھاتے ہوں گے مگر ایکٹری میں
کبھی پورے سو ہیں کبھی ہیں یہ زیرو
"جہانِ صدا" کے یہ اکلوتے ہیرو

~ (۳۹)

یہ صاحب کہ جو سامنے آ رہے ہیں
بلاوجہ نروس ہیں شرما رہے ہیں
یہ ماجد کے بعد اپنے فن میں ہیں اول
فضائے صدا پر جو چھائے وہ بادل
گراں فن میں ہیں ویسے سستے بہت ہیں
گرجتے تو کم ہیں، برستے بہت ہیں
بہت کم کسی سے خفا دیکھئے گا
مگر بات یہ ہے ذرا دیکھئے گا
سنا ہے کبھی اک پری پر مرے ہیں
پری اڑ گئی، بھوت یہ بن گئے ہیں
ملائی گئی، رس یہ ٹپکا رہے ہیں
گزر اب جلیبی پہ فرما رہے ہیں

Scanned by CamScanner

وہ دیکھو جو اک دبلے پتلے جواں ہیں
سبھی جانتے ہیں کہ یہ پھرتے خاںؔ (۴۰) ہیں
یہ یاروں سے اپنے بہت بڑھ گئے ہیں
کہ شہرت کے اب بانس پر چڑھ گئے ہیں
چلے ریڈیو سے تو فلموں میں پہنچے
ڈرامے بھی چمکائے ٹیلی وژن کے
یہ اسٹیج پر مرکز ہر نظر ہیں
غرض ہر طرح سے بڑے ایکٹر ہیں
بڑے ہیں یہ چھوٹے و بچلے نہیں ہیں
مرے دستِ شفقت سے نکلے نہیں ہیں

اور ان کو ذرا دیکھئے یہ ظفرؔ (۴۱) ہیں
بڑے ہیں پہ اندر سے کچھ مختصر ہیں
اسی واسطے مجھ کو کہتے ہیں بھائی
کہ ہے دل میں ان کے ہر اک کی سمائی
طبیعت میں ہے انکسار ایسا پایا
بڑا بول ان کی زباں پر نہ آیا
میں اکثر انہیں کہتا ہوں بھائی موٹے
بڑے فن میں اور عمر میں مجھ سے چھوٹے
اب ان سے بھی ملئے یہ ہیں منی باجیؔ
یہ اپنی جگہ مسئلہ ہیں سماجی

Scanned by CamScanner

ابھی عمر کیا ہے کہ ٹہنی ہیں کچی
مری عمر کی ہیں مگر ننھی بچی
نہ بیٹھا سمجھئے انہیں یہ کھڑی ہیں
یہ ہیں قد میں چھوٹی پہ فن میں بڑی ہیں

کبھی آپ چکر میں میرے پھنسے تھے
مرے ایک ڈرامے میں بنیئے بنے تھے
تو یوسف زئی ہیں نسب میں ہیں اعلیٰ
مگر میں نے ان کو بنایا ہے لالہ (۴۲)
اسی نام سے آج مشہور ہیں یہ
مگر یار صادق بدستور ہیں یہ

مرے اک پرانے رفیق آپ ہی ہیں
شفیق آپ ہی ہیں خلیق (۴۳) آپ ہی ہیں
کہ مے ہیں سبو سے یہ نکلے نہیں ہیں
ابھی لکھنؤ سے یہ نکلے نہیں ہیں
مگر مے کی تلخی بھی ہے ان میں بو بھی
لگاتی ہے اک آگ سی گفتگو بھی
یہاں تک اذیت میں یہ لطف اٹھائیں
کہ خود اپنے "دستخط" میں بچھو بنائیں
دل و جان کو دوست پر وارتے ہیں
سبب ہو نہ ہو ڈنک یہ مارتے ہیں

Scanned by CamScanner

کسی کا وہ کب جان کر دکھ اٹھائیں
مگر ہیں پیاز آنکھ میں، آنسو لائیں
اگر دوستی ان سے چاہو نبھانی
تو نسخہ بتاتا ہوں اے یار جانی
اسے باندھ لو اور دل میں جمالو!
علاج ان کا یہ ہے کہ سرکے میں ڈالو

انہیں دیکھئے آپ "اف" ہیں نہ "بٹ[۴۴]" ہیں
بہت سیدھے فقرے کی مانند "بٹ" ہیں
ہر اک چیز میں ان کو نمبر ملے سو
کبھی نام تھا ان کا سٹوڈیو نو
مجھے دیوتا کہہ کے رتبہ بڑھاتے
مگر ساتھ میں اس کے جھوٹا لگاتے
کبھی کہتے دشمن مجھے "پے" گئے ہیں
اکڑتے بہت تھے کہ اب ڈھے گئے ہیں
بہت پی پی آئے یہاں پھول چننے
یہ سب بٹ کے ہیں جانشیں ننھے منے
مرے دل میں ہیں گو بہت دور ہیں وہ
کہ گو شمس ہیں آنکھ کا نور ہیں وہ
حمیدؔ زماں یار میرے ہیں کامل
یہ عالم میں عالم ہیں جاہل میں جاہل
سمجھ میں نہ آنا ہی معیار ہے گر

Scanned by CamScanner

تو ہیں پینٹنگ میں پکاسو کے ہمسر
کبھی شاعری کی بھی ہے ٹانگ توڑی
کوئی بات دنیائے فن کی نہ چھوڑی
کوئی یہ نہ پوچھے کہ "وچکاک" ہیں یہ
جو فلم آئے گی اس کے ہچکاک ہیں یہ
بظاہر جو دیکھو بڑے معتبر ہیں
پہ یہ دور امن و اماں میں "غدر" ہیں
یہ خوشبوئے صدق و صفا میں بسے ہیں
کمر دوستوں سے وفا پر کسے ہیں
بہت دوست دیکھے پہ ایسے کہاں ہیں
حمید زماں تو حمید زماں ہیں
گئی عمر میں بیسیوں لونڈے پالے
بڑے دکھ سمیٹے بڑے غم سنبھالے
مگر کھل گیا مجھ پہ یہ باری باری
کہ ڈھیلے کی سن سن ہے لونڈے کی یاری
مگر ایک دل مجھ کو ایسا ملا ہے
کہ انساں کے ہر روپ پر جو فدا ہے
نہیں شرط ہو کوئی ادنیٰ کہ اعلیٰ
سفیدا کہ کبرا کہ بھورا کہ کالا
نجس ہو کہ عاقل ہو عالم کہ جاہل
گٹر ہو کہ موری سمندر کہ ساحل
کھلے باغ میں شاخ طوبیٰ پہ جھولے

Scanned by CamScanner

کہ میرے محلے کے گھورے پہ پھولے
کہیں ہو وہ انساں برا ہو بھلا ہو
سموچا ہو آدھا ہو یا دُم گلا ہو
میں اپنے کلیجے سے اس کو لگاؤں
ہنسے جاؤں گو زخم کتنے ہی کھاؤں
یہ راہ کرم[۴۵] ہیں مگر پھیر کی ہیں
یہ شبنم ہیں لیکن ذرا دیر کی ہیں
ملیں گے تو دل میں اتر آئیں گے یہ
ابھی دیکھئے پُھر سے اڑ جائیں گے یہ
بڑے آدمی ہیں انہیں کیا کہوں میں
یہی مصلحت ہے کہ اب چپ رہوں میں

مرے یار سب جانتے ہیں یہ قصہ
کہ بچپن میں اک ناگ نے ڈس لیا تھا
مگر یہ کراچی میں قسمت نے سانٹھا
یہاں آکے دوبارہ کالے نے کاٹا
ادھر سے نہ گزرو کہ للکارتا ہے
یہ کالا کہ زہری ہے پھن مارتا ہے
ریاض[۴۶] اپنے زہری علی گڑھ کے پاپی
یہ آئیں تو مچ جائے اک آپا دھاپی
یہ آئیں تو افسر سے افسر لڑادیں
کہ آپس میں بھائی برادر لڑادیں

Scanned by CamScanner

اگرچہ کبھی نرم چارا نہ کھائیں
جسے مار لیں پھر دوبارا نہ کھائیں
ہر اک روز رشتہ نیا جوڑتے ہیں
یہ انساں کو چکھتے ہیں اور چھوڑتے ہیں
اگر کھیل میں کوئی مہرہ بڑھادیں
تو افضل (۴۷) بچارے کو سولی چڑھادیں
اگر کچھ نمونہ یہ اپنا دکھادیں
حمید زماں کی بھی قرقی کرادیں
مگر میرے عاشق ہیں، مرتے ہیں مجھ پر
بڑا ایک احسان کرتے ہیں مجھ پر
کہ کرتے ہیں حملہ ذرا کن لگاکر
میں بگڑوں تو رہ جاتے ہیں چھُنچھنا کر

یہ اصلی بھی شاعر (۴۸) ہیں اور نام کے بھی
پہ حیرت کہ ہیں آدمی کام کے بھی
ترقی پسندی پہ منڈلا رہے تھے
یہ بنگال سے کوریا جارہے تھے
کہ رستے میں اک پھیر ایسا بھی آیا
کہ امریکیوں کا پڑا ان پہ سایا
بظاہر تو ہیں انقلابی جواں سے
پہ پیسہ وصولا ہے ایوب خاں سے
نظریوں میں ہے میری ان کی لڑائی

یہ ان کو سمجھتا ہوں سوتیلا بھائی
یہ گانے بھی لکھیں فسانے بھی لکھیں
ڈرامے بھی لکھیں ترانے بھی لکھیں
ٹھکانہ نہیں ہے کوئی آدمی کا
یہ خود ایک کردار ہیں زندگی کا
بہرحال شہرت کے جنگلے میں پہونچے
سڑک سے چلے اور بنگلے میں پہونچے
لگائی تھی شاید یہ حضرت نے بازی
سو پیشہ ہے اب آپ کا فلم سازی

زبیریؔ(۴۹) کہ ہیں ہم وطن مصحفیؔ کے
یہ ہم زاد ہیں شاہدِ دہلوی کے
کہاں تمکنت شاہد دہلوی کی
کہاں ان کے ہاتھوں یہ گت مولوی کی
کہ جب اپنے امروہہ پن پر یہ آئیں
تو شاہد کو بھی چھپّھٹی پر بٹھائیں
عروضی یہ ایسے کہ جو مجھ سے بولے
غزل پر مری گر لبِ طنز کھولے
تو بولوں نہ چالوں نہ کچھ میں خبر دوں
حوالے اسے شمس بھائی کے کردوں
کہ بس لیجئے ان سے کرلیجئے چن من
کہ اپنے تو بس یہ ہیں فعلن فعولن

Scanned by CamScanner

یہ شاعر ہیں اور صاحبِ ذوق ہیں یہ
اب ان سے بھی ملئے مرے شوق (۵۰) ہیں یہ
انہیں میں سمجھتا ہوں مدنی کا سایا
کہ حضرت نے تھوڑا سا رنگ ان کا پایا
سبب ہو نہ ہو کچھ نہ کچھ سرگراں سے
زمانے سے رہتے ہیں کچھ بدگماں سے
کہیں سے اگر کنکری بھی یہ کھائیں
تو نام ان کو یاروں کے سب یاد آئیں
یہاں تک ہیں شکی کہ خود جانتے ہیں
یہ تعریف کا بھی بُرا مانتے ہیں
بہت خون میرا کبھی پی چکے ہیں
مگر تھوڑے دن دودھ بھی پی چکے ہیں
محبت کے گو ان کے قاضی بہت ہیں
رضٓی ہیں مرے دل سے راضی بہت ہیں
جو فن ان کا ہے اس میں کیا طاق ہیں یہ
انہیں دیکھئے "صوتی رزاق (۵۱)" ہیں یہ
ڈرامے میں آتی ہیں کتنی صدائیں
وہ طوفاں وہ جھکڑ وہ چلتی ہوائیں
وہ آیا کوئی اس نے وہ کھڑکی کھولی
ابھی کتا بھونکا ابھی بلی بولی
وہ انجن کی سیٹی وہ موٹر کا چلنا
ذرا سے اشارے پہ منظر بدلنا

Scanned by CamScanner

یہ سارے مناظر دکھاتے یہی ہیں
کہ طوفان سارے اٹھاتے یہی ہیں

اور ان کے سوا اور بھی یار میرے
بنام محبت خریدار میرے
سعید (۵۲) اور کلیم (۵۳) اور زماں (۵۴) اور یارو (۵۵)
انعام (۵۶) اپنے پیارے کہ انعام داور
مرے بدر عالم (۵۷) شجیع (۵۸) اور نجمی (۵۹)
کہ جن سے محبت کی ہے قسما قسمی
خدا سے دعا ہے انہیں شاد رکھے
جہاں ان چراغوں سے آباد رکھے

یہاں آیئے ان ستاروں سے ملئے
رفیقانِ دیرینہ، یاروں سے ملئے
یہ رحمان (۶۰) ہیں اور مخدوم (۶۱) ہیں وہ
یہ شیطان ہیں اور معصوم ہیں وہ
یہ لڑنے میں وہ صلح کرنے میں حاتم
یہ کرنے میں اور وہ ہیں بھرنے میں حاتم
بلائیں جو ان کی ہوں وہ سب سمیٹیں
یہ ایسے کہ ان کے غموں کو لپیٹیں
مجھے ان سے ملنے میں راحت بہت ہے
انہیں بھی خدا رکھے الفت بہت ہے

Scanned by CamScanner

یہاں آکے یارانِ آخر سے ملیے
فضلی[62] اور سعید[63] اور مدثر[64] سے ملیے
یہاں مصطفیٰ[65] جیسے انساں کو دیکھا
شرافت کے کیسے گلستاں کو دیکھا
شرافت اسیرِ ریاست نہیں ہے
یہ جاگیر اہلِ سیاست نہیں ہے
نہ کرسی سے آئے نہ مسند سے آئے
لہو میں اگر ہو تو جلوہ دکھائے

حواشی

(ہم لوگ، اسٹوڈیو نمبر ۹)

(۱)ذوالفقار علی بخاری (۲) حفیظ ہوشیار پوری (۳)اشنین قطب (اسٹیشن ڈائریکٹر)(۴) نہال عبداللہ (۵) شاہد احمد دہلوی (۶) چراغ حسن حسرت (۷) ایس ایم سلیم (۸) ایس ایم طاہر (اسٹیشن ڈائریکٹر) (۹) غلام قادر فرید (اسٹیشن ڈائریکٹر) (۱۰) اشنین قطب (اسٹیشن ڈائریکٹر) (۱۱) انصار ناصری (۱۲) حفیظ ہوشیار پوری (۱۳) چوہدری محمد اقبال (۱۴) حمید نسیم (۱۵) ظفر حسین (۱۶) طاہر شاہ (۹ تا ۱۶، یہ سب حضرات کراچی ریڈیو اسٹیشن کے ڈائریکٹر رہ چکے ہیں) (۱۷) انصار ناصری (۱۸) حفیظ ہوشیار پوری (۱۹) چراغ حسن حسرت (۲۰) عزیز حامد مدنی (۲۱) ارشد تھانوی (۲۲) شوکت تھانوی (۲۳) حمید نسیم (۲۴) ضیاء جالندھری (۲۵) شاہد احمد

دہلوی (۲۶) عمر مہاجر (۲۷) ارم لکھنوی (۲۸) تابش دہلوی (۲۹) شمس زبیری (۳۰) احمد عبدالقیوم، قیوم عارف (ڈرامہ پروڈیوسر) (۳۱) عبدالرحمٰن کابلی (۳۲) مغل بشر (۳۳) ظفر صدیقی (۳۴) رفعت قدیر ندوی (۳۵) امیر خاں (۳۶) عبدالماجد (۳۷) فاطمہ خانم (۳۸) عرش منیر (۳۹) رفعت قدیر ندوی (۴۰) محمود علی (۴۱) ظفر صدیقی (۴۲) لالہ نصیر (۴۳) ایس ایم خلیق (۴۴) شمس الدین بٹ (اسٹیشن ڈائریکٹر) (۴۵) آغا ناصر (۴۶) ریاض فرشوری (۴۷) افضل صدیقی (۴۸) حمایت علی شاعر (۴۹) شمس زبیری (۵۰) رضی اختر شوق (۵۱) ایم اے رزاق (۵۲) سعید (۵۳) کلیم (۵۴) ایم زماں (۵۵) یاور مہدی (۵۶) انعام صدیقی (۵۷) بدر عالم (۵۸) عبدالرب شجیع (۵۹) نجم الحسنین (۶۰) رحمان (۶۱) مخدوم (خوشنویس) (۶۲) فضل (۶۳) سعید (۶۴) مدثر (۶۵) مصطفیٰ (یہ حضرات ریڈیو پاکستان میں چپڑاسی تھے)

Scanned by CamScanner

صنم کدہ پروڈکشنز

اب سے پندرہ برس پہلے کی بات ہے
مرے پاس اک دن خلیق[1] آئے
اور ایک صاحب کو ہمراہ لائے
کہا۔۔۔"آپ ہیں اک رسالے کے مالک
جواب تک بہت سے مدیروں کا بھرتا بنا کر
"ہضم" کر چکا ہے!
مگر اب کسی اور چٹنی کے طالب ہیں
سو میں چاہتا ہوں
کہ یہ اک تتیا مرچ کا مزا بھی چکھیں
اس لیے آپ کے پاس لے آیا ہوں"
وہ صاحب مجھے یوں لگے
جیسے اک تازہ شلجم کے مونچھیں لگی ہوں
میں نے کہا۔۔۔"مرچ مہنگی ہے

Scanned by CamScanner

کیادام ہوں گے؟"

"دام منہ مانگے لیکن مزا چاہیے!"

"ٹھیک ہے ورنہ پھر دام واپس"

لیجئے بیٹھے بیٹھے انہوں نے مرے دام آنکے

بیعانہ دیااور بک کر لیا!

یہ میرے "بکی"

آپ تو جانتے ہیں

وہ رسوائے آفاق، بدنام عالم، فراڈِ زمانہ

نذیرِ الہٰ آبادی ہیں

جنہیں آپ اب "صوفی" کے نام سے جانتے ہیں

مجھے ان کے دفتر میں ہفتہ گزرنا بھی مشکل ہوا

کیونکہ اس ایک ہفتے میں

کیا جانے کتنے، کہاں سے کدھر سے ــــــ

مرے اتنے ہمدرد پیدا ہوئے

کہ "یوسف" کے بھائی بھی اتنے نہ ہوں گے!

وہ کہتے ــــــ کہاں پھنس گئے ہو!

بڑا چلتا پرزہ ہے یہ شخص ــــــ

پیسے نہ دے گا

کسی طرح سے اس سے پیچھا چھڑاؤ

یہ بہتر ہے تم کل سے دفتر نہ جاؤ

تمہیں کچھ خبر ہے؟ یہ ممتاز[۲] کو کس چکا ہے

اور ان سے بھی پہلے کئی اور لوگوں کو بھی ڈس چکا ہے

Scanned by CamScanner

مگر مجھ کو ڈسنے ڈسانے میں کچھ لطف آتا ہے
سو میں نے کہا "دیکھئے، دیکھئے!
میں بھی ناگوں کے منتر جگانے کے ماہر قبیلوں کا
۔۔۔ ہمدلیس ہوں!
دیکھئے!"
سو کچھ دن میں ایسا ہوا
کہ میں اور ناگ
ایک ہی پیالے میں دودھ پینے لگے!
یہ صاحب کہ بھائی بھی ہیں دوست بھی ہیں
بڑے نادہندوں کے افسر ہیں
لیکن مرا "بینک" ہیں
کہ جب چاہوں چوبیس گھنٹے "کھلالوں"
میں کہتا ہوں ان سے
"چلے تم تو تھے چار سو بیس بننے
فراڈوں کا ایک ماسٹر پیس بننے
مگر جانے کیوں آدمی بن گئے ہو
پھٹے دودھ تھے اور دہی بن گئے ہو"
مگر مجھ پر اک ظلم صوفی نے ایسا کیا ہے
کہ جب تک جیوں گا اسے کوستا ہی رہوں گا
یہ شخص اک جنونی ہے۔۔۔
یہ سوچ لیتا ہے پھر اس سے ٹلتا نہیں ہے
تو اک روز حضرت نے اسٹنٹ مارا

Scanned by CamScanner

کہ میں فلم سازی کروں گا

''بجا ہے! چلیں آپ یہ جھک بھی ماریں''

''نہیں جھک تو دونوں ہی ماریں گے پیارے''

''میں بھی''

''ہاں''

''میں کیا کروں گا؟''

''کہانی لکھو گے''

''کیا۔۔۔؟ کہانی! کون لکھے گا۔۔۔؟''

میں لکھوں گا؟

کہانی تو کیا میں کہانی کی دم سے بھی واقف نہیں ہوں!''

''تو کیا فکر، میں دم سے دم باندھ دوں گا''

نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ دن کے بعد

میں سچ مچ کہانی کی دم میں بندھا تھا

یہ دم اتنی پھیلی کہ دس سال میں

تیس فلموں کی ناکامیاں بن گئی

مگر یہ الگ سلسلہ ہے

ابھی تو میں فلمی کہانی نویسی کے آزار میں مبتلا ہوں

مرے سامنے ایک کالے سے کھترے سے

ایک پیکدار قسم کے آدمی بیٹھے ہیں

''چلیں! پہلے ''کٹ'' اور ''ڈزالو'' آپ سیکھیں''

کہانی شروع ہو تو ''فیڈان'' کریں گے

مگر ''کٹ''۔۔۔(آپ نے پیک تھوکی)

Scanned by CamScanner

ہم اس وقت ''انسان'' کا اسکرپٹ لکھ رہے تھے
مرے یار کو فلم سازی بھی سوجھی
تو آغاز انسان سے کر دیا
جو ویسے ہی ناکام سا تجربہ ہے
جس کو اقبال نے نقش باطل لکھا ہے
اور اس سے پہلے بہت لوگ اسے
خالق کل کی دلچسپ مسٹیک کہہ کر
رد و مسترد کر چکے ہیں
یہ انسان جو دیوتا اور کیڑے کی
دو انتہاؤں میں
اک مضحکہ خیز مخلوق ہے!
مگر ''کٹ''۔۔۔
مجھے ''کٹ'' ''ڈزالو'' اور ''فیڈ آؤٹ''
سکھانے کے استاد
یزدانی (۳) تھے
(خدا بخشے جو مر گئے)
مر گئے اور زندہ ہیں
کیونکہ جو دل میں زندہ ہو مرتا نہیں ہے
تیس پینتیس دن کام کرنے کے بعد
جب کہانی مکمل ہوئی
اور میں ڈائیلاگوں پہ بیٹھا
تو اک صبح دفتر پہنچ کر یہ دیکھا

Scanned by CamScanner

کہ یزدانی غائب ہیں

"آؤ جیلانی صاحب سے تم کو ملاؤں"

"کون جیلانی صاحب؟"

"تم آؤ تو"

میں اندر گیا

تو دیکھا کہ کرسی پر

اک نرم، سادہ، مہذب

مگر کچھ "کجامی نمائی کجامی زنی" قسم کے آدمی بیٹھے ہیں

مجھے دیکھ کر اٹھ گئے

اور بہت گرم جوشی سے مجھ سے مصافحہ کیا

جس کی تاثیر ہاتھوں سے دل تک گئی

یہ جیلانی صاحب ہمارے نئے

ڈائریکٹر تھے

کٹ، ڈزالو اور فیڈ آؤٹ

کی مشقیں دوبارا چلیں

غرض چھ مہینے میں چھ سات سوشیٹ کالے کیے

مگر گھوم پھر کر وہیں لوٹ آئے جہاں سے چلے تھے

یعنی "انسان" پر

تلوّن، تلوّن، تلوّن

یہ صوفی تلوّن کا پتلا ہے

اور اس کا ذہن

ایک دیوانی ہنڈیا ہے

Scanned by CamScanner

جس میں بیک وقت
چھ سات دالیں ابلتی ہیں
اور کوئی پکتی نہیں ہے!
محمد حسن المنطقی سے
میں پہلے بھی واقف تھا
لیکن یہاں آ کے ہم دوست بھی ہو گئے
محمد حسن، صوفی کی دیگ کے
ایک ادھ کچرے چاول تھے
جس میں دو ایک کن رہ گئے ہوں
ہماری ذہانت کا اک ایسا جارح نمونہ ہیں
جو اک ایسے لونڈے میں ملتی ہے۔۔۔۔
جو چانٹے کے ڈر سے اکڑ جائے
اور پہلے خود مار بیٹھے
یہ فن کار ہیں، فلم "فنکار" میں پٹ چکے ہیں
مگر میرا بس ہو تو میں فلم سے توبہ کرا کے
انہیں کار دلوا دوں
جس میں ہم دونوں دو چار سو میل چلتے رہیں
بحث کرتے رہیں!
وہ کہتے ہیں "تلیر" تجھے کچھ خبر بھی ہے
میں وہ محمد حسنؔ ہوں
کہ جو جوشؔ کو اردو لکھنا سکھائے
اور تو، تو ان جاہلوں میں ہے

جو کچھ سیکھنے کے بھی قابل نہیں ہیں

ان کا اردو سے مطلب

وہ "بولی" ہے

جو بے چارے کے گاؤں میں بولی جاتی ہے

محمد حسن منطقی! آپ بے شک ذہانت کی اک توپ ہیں

مگر اس میں قدرت نے بارود کو چھوڑ کر

باجرہ بھر دیا ہے!

مگر مجھ کو جیلانی صاحب سے ملنے کی ایسی خوشی تھی

کہ جیسے مجھے کوئی دولت ملی ہو

یہ عربی کے ماہر تھے

ایم اے تھے جغرافیہ میں

اور اقبالؔ کے اتنے عاشق

کہ بانگ درا، بال جبریل، جاوید نامہ وغیرہ

انہیں حفظ تھا

خدا جانے کیسے تہجد ادا کرتے کرتے

ستاروں کی انگیا میں ٹانکے لگانے

وہ اس فلم میں آ گئے تھے

مگر فلمی دنیا میں جیلانی صاحب

"پھنساؤ" کے اسمِ گرامی سے مشہور تھے

بڑی بات یہ ہے کہ جب جال اپنا لگاتے

تو اکثر بڑی کامیابی سے ہاتھی پھنساتے

جسے مار کر گوشت اور کھال تو بیچ دیتے

Scanned by CamScanner

مگر اس کے دانت اپنے منہ میں لگاتے

تو جیلانی صاحب نے ہاتھی پھنسایا
کہانی نویسی پہ مجھ کو بٹھایا
مگر ظلم جائز کیا
کہ اصلاح کرنے کے منصب پہ احسان بی اے کو فائز کیا
آپ کیا جانیں کس طرح بی اے ہوئے تھے
کہ اس سانحے کو ابھی تک یہ بھولے نہیں تھے
غلط تو نہیں، بر محل یاد آئی
انہیں دیکھ کر مجھ کو "قُل طویل" کی ضرب المثل یاد آئی
یہ ست منزلہ ایک بلڈنگ ہیں
جو دستِ بردِ زمانہ سے کچھ جا بجا جھڑ گئی ہے
یا وہ لوکی ہیں
جو دونوں کونوں پہ کچھ سڑ گئی ہے
پٹانے مجھے آئے تھے، پٹ گئے یہ
مجھے کاٹنے آئے تھے، کٹ گئے یہ
طوافِ محبت مرے گرد کر کے
بالآخر مجھے اپنا شاگرد کر کے
خود اپنی نظر کا نمونہ بنایا
انہوں نے مجھے فلم لکھنا سکھایا
بہت لوگ کم ہیں جنہیں مانتا ہوں
پہ احسان کو فلم ٹیکنیک میں اپنا استاد میں جانتا ہوں

Scanned by CamScanner

یہ کڑوے کسیلے، بہت نک چڑھے، سخت خوددار ہیں

مگر احمقوں کی حماقت سے اس درجہ بیزار ہیں

کہ خود قدِ بالا پہ گویا سردار ہیں

خدا نے ظرافت کے کچھ شوخ رنگوں سے کردار کو آپ کے بھر دیا ہے

یہ کہتے ہیں اک فلم ہوں میں جسے دستِ قدرت نے ایڈٹ کئے بن ریلیز کر دیا ہے۔۔۔۔

انہیں دیکھئے آپ مرزائے ہاں ہوں

محبّ گرامی، جناب ہمایوں (۵)

جمالی (۶) نے حضرت سے مجھ کو ملایا

پڑا میرے سر پر ہما کا وہ سایا

گداؤں کو جو چترِ شاہی دلاوے

مقدر پہ اپنے گواہی دلاوے

سو اک فیضِ قسمت سے میں نے بھی پایا

کہ ایوارڈ حضرت نے مجھ کو دلایا

کوئی ان کو کہتا ہے نازِ مجسم!

کوئی ان کو کہتا ہے "مرزائے ہم ہم"

کوئی لطف لیتا ہے نایاب کہہ کے

کوئی طنز کرتا ہے نواب کہہ کے

مگر یہ نکل جاتے ہیں پھنس پھنسا کر

بلا ٹال دیتے ہیں کچھ ہنس ہنسا کر

تو پھر "راز" کے بعد چکر چلایا

کہ کچھ اپنے یاروں کا حلقہ بنایا

Scanned by CamScanner

یہ حلقہ تھا اور اس کے مرکز تھے حامدؔ (۷)
یہ تیئس برسوں کے اک مرد جامد
کہ ان کی جوانی میں ہے رنگ پیری
مگر مچھ تو ہیں یہ مگر "منگھو پیری"
صلا کوئی محنت کا پاتے نہیں ہیں
کہ منہ مارتے ہیں پہ کھاتے نہیں ہیں
خلوص و وفا کے یہ سچے ترازو
ہر اک حال میں ہیں مرے دست و بازو

بلا اک مرے ساتھ میرٹھ سے آئی
سعید (۸) آپ ہیں میرے منہ بولے بھائی
لقب ان کا "زنبی" ہے مشہور ہیں یہ
کہ میرٹھ میں جو تھے، بدستور ہیں یہ
مگر فلم لکھنے کا کیا ڈھب ملا ہے
کہ سر پیٹ لے جو انہیں دیکھتا ہے
یہ کہتے ہیں، ہیرو نے تو کچھ کہا ہے
جواب اس کا میں نے مگر لکھ لیا ہے
کٹی عمر لونڈے پڑھانے میں ساری
انہیں چوم لیجئے کہ پتھر ہیں بھاری
یہی دور تھا جب کہ ذاکر (۹) بھی آیا
یہاں میں نے مقبولؔ (۱۰) کو بھی بلایا
یہ مقبولؔ صاحب کہ چلتی رقم ہیں

Scanned by CamScanner

بڑے خوش بیاں ہیں بڑے خوش قلم ہیں
قلم کا لٹھ ہیں، اس کو گھما دیں
تو رستم قلم کو ٹھکانے لگا دیں
یہ فلمی ستاروں کے ناکام سوٹر
انہیں بھائی احسان کہتے تھے ہوٹر

یہ موٹا(۱۱) کہ سنتے ہیں کچھ بن گیا ہے
بنا تو ذرا کم ہے پر تن گیا ہے
اگر دن میں ہوتے ہیں چوبیس گھنٹے
مرے پاس رہتا تھا بائیس گھنٹے
کہوں کیا یہ اس وقت بھولا تھا جتنا
میں گال اس کے کھینچوں تو شرمائے کتنا
مگر اب بڑی شے ہیں آتے نہیں ہیں
کبھی بھول کر منہ دکھاتے نہیں ہیں
خلیل(۱۲) آپ ہیں ان کو پہچان لیجئے
یہ اندر سے کیا ہیں انہیں جان لیجئے
یہ تھے ریڈیو پر، مرے یار تھے یہ
ہر اک حال میں میرے غم خوار تھے یہ
مگر چلتے چلتے کہیں مڑ گئے ہیں
مرح شاخ سے پھر سے یہ اڑ گئے ہیں
انہیں راس آئیں "خلیلی ادائیں"
اڑاتے ہیں میوزک میں بھی فاختائیں

Scanned by CamScanner

تو صحبت ہے باقی کہ ہے یار زندہ
مگر ہیں یہ موسم کا وقتی پرندہ

یہ موٹے قمر (۱۳) بھی اسی دور کے ہیں
بڑے آم چھوٹے سے اک بور کے ہیں
مگر اب یہ ہیں میری نظروں میں کیری
سنا ہے کہ ہیں جان کے میری بیری
اگر اب بھی مل جائیں تو ان کو کھاؤں
قمر سے انہیں پھر میں ذرہ بناؤ
مرے پاس آئیں تو چھٹ جائیں گے یہ
غبارہ ہیں اک روز پھٹ جائیں گے یہ

یہ زہری نہیں ہیں نہ ہیں یہ زبیری
مرے دوست پیارے ہیں یہ این کے زیری
یہ جب پہلے پہلے مرے پاس آئے
لڑے مجھ سے اتنے کہ پستول لائے
بھریں گولیاں اور نشانہ لگایا
ادا کیا دکھائی کہ مجھ کو رجھایا
کہ اب دوست ہیں میرے اور اتنے پکے
کہ اکے ہیں یہ اور سب پنجے چھکے
انہیں دیکھئے آپ جاوید ہیں یہ
کھلے جو نہ دنیا پہ وہ بھید ہیں یہ

Scanned by CamScanner

نکلتے ہیں گھر سے تو ہے قول ان کا
دکھاتے ہیں جلوہ دلِ مطمئن کا
بھلا غم کسی کا یہ کب پالتے ہیں
کہ آنکھوں میں دو دو سور ڈالتے ہیں
یہ فلمی جزیرے کے دیرینہ ٹاپو
زمانے میں مشہور ہیں آپ باپو
بڑا تجربہ ہے یہ کیا بن گئے ہیں
کہ خود اک بڑا تجربا بن گئے ہیں
بنائی تھی اک فلم بیداری جب سے
چلے آ رہے ہیں یہ بیدار تب سے
کراچی میں "فلمی صنعت" کے ہر اول
پرانے ہیں فلمی پلاؤ کے چاول

اب ان سے بھی ملئے کہ یہ ہیں ترنم
ترنّم، تبسّم، مجسّم تکلّم!
انہیں خان صاحب تو کہتے ہیں ٹمی
میں کہتا ہوں ان کو کراچی کی نمی
جواں ہیں، حسیں ہیں طرحدار ہیں یہ
بڑے اونچے درجے کی فنکار ہیں یہ
یہ احمد ہیں، چھوٹے نہیں ہیں بڑے ہیں
مرے دل میں بیٹھے نہیں ہیں کھڑے ہیں
عجب کھیل ان کے کہ ہاریں نہ جیتیں

Scanned by CamScanner

بلائنڈ کے کھیلوں میں دن رات بیتیں

بڑی ان کی مشکل ہے کھاتے نہیں ہیں

بلائنڈ میں پتا اُٹھاتے نہیں ہیں

بنائی جو اک فلم تو چوٹ کر دی

بنا کر فقط بند ڈبوں میں بھر دی

انہیں دیکھئے آپ بھی یار جی ہیں

مرے دوست دیپو بھٹا چار جی ہیں

بہن تھی جو سوزی (۱۵) کی وہ اک ڈبورا (۱۶)

پلا کر گئی ہے انہیں غم کا شورا

سو میوزک میں اب شور کرتے بہت ہیں

بڑے ہیں مگر بور کرتے بہت ہیں

انہیں دیکھئے آپ ہیں شمس حنفی

یہ تصویر ہیں اک خلوصِ دلی کی

محبت سے یہ گوشت بھی، پوست بھی ہیں

کہ شاگرد بھی میرے اور دوست بھی ہیں

یہ فلمی سیاست میں ہیں مثل گاندھی

فضا پر جو چھا جائے اک ایسی آندھی

خدا ان کو رکھے سعیدِ ازل ہیں

کہ یہ فلم سازی میں میری غزل ہیں

یہ طارق عزیز آئے ہیں میرے گھر میں

اتر آیا ہے چاند میرے نگر میں

مگر چاند ایسا کہ گہنا گیا ہے

مجھے طوق اک غم کا پہنا گیا ہے

یہ تھے ایکٹر اور لیڈر بنے ہیں

سیاست کی کیچڑ میں اتنے پھنسے ہیں

کہ دھل کر بھی دھبے نہ جائیں گے اس کے

پلٹ آئیں گے ایک دن کونے گھس کے

سر قوم پر بوجھ اک دھر رہے ہیں

وہ اب بھی بری ایکٹنگ کر رہے ہیں

حواشی

(صنم کدہ پروڈکشنز)

(۱) خلیق احمد (اس وقت ریڈیو پاکستان کے اسسٹنٹ ڈائیریکٹر)(۲) ممتاز حسین (۳) فدا یزدانی (۴) مرتضیٰ جیلانی (۵) ہمایوں مرزا (۶) طفیل احمد جمالی (۷) حامد خمار (۸) سعید احمد صدیقی مرحوم (۹) ذاکر حسین (۱۰) مقبول جلیس (۱۱) ابراہیم نفیس (۱۲) خلیل احمد میوزک ڈائریکٹر (۱۳) قمر زیدی (۱۴) فدا یزدانی (۱۵) سوزی ڈینیئل (فلمی اداکارہ)(۱۶) ڈیبورا ڈینیئل (ریڈیو کی فنکارہ، سوزی کی بہن)

Scanned by CamScanner

البم نمبر ۲

زمانہ اگرچہ بہت کج رہا تھا
مگر رفتہ رفتہ
کراچی کے صحرا میں میرا چمن سج رہا تھا
نئے پھول تھے اور نئی تھیں فضائیں
بہت ناز کرتی تھیں اٹھلا کے چلتی ہوائیں
مگر میری آنکھوں میں اب بھی نمی تھی
قرارِ محبت میسر نہیں تھا
اک ایسی کمی تھی
مگر اتفاقاً کسی صبح، شاخ وفا پر گلِ تر کو پایا
خدا کا کرم ہی کہوں گا کہ مثلِ شمیم اپنے اطہر[1] کو پایا
سنا ہے کہ کچھ پھول ایسے بھی ہوتے ہیں باغ جہاں میں
جنہیں دیکھ کر آسماں پر دھنک پھولتی ہے
انہیں سونگھ لیجئے تو کھانے کی پینے کی سدھ بھولتی ہے

مرا تجربہ ہے کہ یہ پھول ہوتے تو ہیں پر بہت کم

کہ رہتے ہیں اکثر ہوائے زمانہ سے برہم

تو یار و نگار (۲) و اسد (۳) کو بلاؤ

علیم (۴) اور جون ایلیا کو بھی بلاؤ

خلیل (۵) اعظمی شہریار اور ترقی پسندوں کے سالار

بنے میاں (۶) کو ابھی تار دو

اور شہادت منگاؤ

اگر میں غلط ہوں تو مجھ کو بتاؤ

نہیں ہے اگر ایسا کردارِ اطہر

تو یہ سب بھی کیوں ہیں گرفتارِ اطہر

مگر اب کہاں ہے وہ جھوٹا کمینہ

جسے میں سمجھتا تھا سچا نگینہ

کوئی اس سے پوچھے کہ ساقی (۷) کے بچے

زمانے سے کیا اڑ گئے لوگ سچے

تجھے مجھ سے الفت کے دعوے تھے کیا کیا

زبانی محبت کے دعوے تھے کیا کیا

یہ ظالم کہاں جاکے تو بس گیا ہے

کہ دل تیری صورت کو ترسا ہوا ہے

تجھے مجھ کو یوں ہی اگر چھوڑنا تھا

تو کم بخت کیوں دل کا ٹکڑا بنا تھا

تجھے کچھ خبر بھی ہے اے میرے ساقی

Scanned by CamScanner

کہ اب جام میں کچھ نہیں میرے باقی
ذرا سی کہیں تہہ میں تلچھٹ رہی ہے
کہوں کیا کہ تھوڑی سی ہے کٹ رہی ہے
کہاں تک زمانے کے غم کھاؤں گا میں
خبر کیا کہ کس روز بجھ جاؤں گا میں

مرے باغ میں اک گلِ ہاشمی[(۸)] ہیں
انہیں لوگ کہتے ہیں "دہر فسنتنی" ہیں
وہ فقرے کہ بارہ مسالے کی چاٹ
اور ان کا چٹاخہ
ہر اک بات پر چھوڑتے ہیں پٹاخہ
یہ ایسے کہ گر اپنی کرنی پہ آئیں
تو ممتاز[(۹)] کو بھی ظرافت سکھائیں
کبھی جوش میں جب لطیفہ سنایا
تو پیروں سے میرے مصافحہ ملایا
سعید[(۱۰)] ان کو ایک روز ہمراہ لائے
کہ جیسے کوئی عید کے دن کسی کو کھلونا دلائے
انہیں میری کیا جانے کیا بات بھائی
کہ فقرے لطیفے ہر ایک چیز بھولے
نہ ہوٹنگ ہی سوجھی
کہ میری پہیلی نہ بوجھی
غرض ہار جھک مار کر

Scanned by CamScanner

رفتہ رفتہ مرے خانہ دل میں بیٹھک جمائی
مرے واسطے ایک مصیبت ہی آئی
مگر میں بھی جب اپنی کرنی پہ آیا
تو حضرت کو چپکے سے ٹھینگا دکھایا
کہ آخر بہن دے کے پیچھا چھڑایا

انہیں دیکھئے یہ مرے یار صادق
میں کشتی ہوں اور یہ ہوائے موافق
نظیر[11] ان کو کہہ کر تہی دل نہ رہیے
انہیں بے نظیر اور بے مثل کہیے
انہوں نے بھی میرا بہت دل جلایا
نظیری نظر کا تماشا دکھایا
مری شاعری کا تمسخر بنایا
یگانہ کا بھونڈا سا چربہ بتایا
کبھی فقرے بازی پہ شدت سے ٹوکا
کبھی پیار سے شعر کہنے سے روکا
کہوں کیا کہ مشہور نقاد ہیں یہ
اور اس پر ستم ہے کہ استاد ہیں یہ
نہ دوزخ سے ڈر کر نہ جنت کی خاطر
بہت غم اٹھائے ہیں شہرت کی خاطر
چلایا ہے اپنے خیالوں کا چکر
بڑی شاعری کے سوالوں کا چکر

Scanned by CamScanner

کہ اک تو میں یاری پہ مرتا ہوں ان کی
قلم کی بھی تیزی سے ڈرتا ہوں ان کی
بگڑ جائیں تو کون ان کو سنبھالے
کوئی بوجھوں مارے، یہ ماریں حوالے
تو میں خون کے گھونٹ پیتا تھا، چپ تھا
کسی طرح مر مر کے جیتا تھا، چپ تھا
یہ دو چار خط لکھ کے چکر چلایا
کہ مجھ سادہ دل کو دوانہ بنایا
انہوں نے بھی میرے بڑے ناز اٹھائے
یہاں تک کہ حضرت کراچی میں آئے
کبھی دل گرفتہ اگر ہوں تو آئیں
اندھیرے میں گویا دیا سا جلائیں
محبت سے اتنا مرا دل بڑھائیں
مجھے عسکری سے ذرا کم بتائیں
قیامت ہے کیا حوصلے آپ کے ہیں
کہ جوتے پہن کر یہ دل میں گھسے ہیں
مجھے آپ سٹوڈیو میں ملے تھے
خدا جانے کیوں بے تکلف ہوئے تھے
تعلق کا اک سلسلہ یہ نکالا
کہ ہر چند میں نے انہیں سر سے ٹالا
مگر مجھ کو میری غزل جب سنائی
تو میں بھی تو ہوں آدمی میرے بھائی

Scanned by CamScanner

میں کیا بے نیازی کا اظہار کرتا
کہاں تک میں ملنے سے انکار کرتا
سپر ڈال دی اور گھر میں بلایا
تو حضرت تو ثابت ہوئے ایک سایا
مر لیا پہ گاتے بجاتے ہوئے کچھ
نئی دھن میں اک گنگناتے ہوئے کچھ
نہ موٹر میں آئے نہ ٹھیلے میں آئے
بدل میرے دل کے میرے میں آئے
سمجھ میں نہ آیا سرا، جستجو کا
کہ چہرہ ہے پنکج (۱۳) کا یا آرزو (۱۴) کا
بہت سیدھے سادھے بہت بے خطا ہیں
یہ مسکین صورت جناب عطا ہیں
یہ فن کار تو ہیں مگر "شوقیوں" میں
پھنسے تھے کبھی جا کے یہ "ذوقیوں (۱۶)" میں
سنا ہے کہ لکھتے ہیں اچھے فسانے
مگر واہ رے میرے الٹے زمانے
وہ افسانہ بازی کا چکر چھڑایا
کہ بے چارے کو صرف شوہر بنایا
جناب ضیاء کے ثناخوان بہت تھے
مگر ان میں پھنسنے کے امکاں بہت تھے
تو آخر کو میں نے انہیں ان سے توڑا
کہ پر باندھ کر اپنے کابک میں چھوڑا

Scanned by CamScanner

نہیں یہ نہ کہیئے کہ اب یہ عطا ہیں
سراپا محبت سراپا وفا ہیں
ہے ہیں اسی واسطے چشم نم میں
بچارے سجے ہیں مرے میوزیم میں
یہ ہمدان کے ہیں، ہمہ داں (۱۷) نہیں ہیں
بڑا فخر یہ ہے مسلماں نہیں ہیں
بڑے سخت سر نخے ہیں پکے اٹل ہیں
مگر شاخِ وہابیت کا یہ پھل ہیں
کہوں کیسے سنی مسلمان ہیں یہ
کھڑے ہیں دوراہے پہ حیران ہیں یہ
نہ تربوز ہیں یہ نہ ہیں یہ پپیتے
مگر پھر بھی ممتاز (۱۸) کے ہیں چہیتے
یہ احساس میں لاکھ ہوں اپنے صادق
کئی لوگ کہتے ہیں ان کو منافق
غلط چال کوئی یہ ایسی چلے ہیں
سمجھتے ہیں کچھ لوگ یہ دوغلے ہیں
مجھے تو یہ سچ ہے، یہ نقشِ جلی ہیں
بظاہر تو کافر ہیں خفیہ ولی ہیں
ملی ہے محبت کو نرمی وہ سچی
ہیں شبنم میں بھیگی ہوئی مٹی کچی
سمجھئے نہ ہرگز نحیف آدمی ہیں
جھگڑتے نہیں ہیں، شریف آدمی ہیں

Scanned by CamScanner

زمانے میں کیا انقلاب آ رہے ہیں
یہ جیسے چلے تھے چلے جا رہے ہیں
بہت ان سے بیزاریاں سی رہی ہیں
انہوں نے بھی کچھ ایسی باتیں کہی ہیں
یہ کیا کیجئے یہ ہیں پرانے براتی
بہر حال ہیں مرنے جینے کے ساتھی
مرے گھر میں دعوت ہو سودا یہ لائیں
میں بیمار ہوں تو دوائیں پلائیں
خلوص دلی سے یہاں تک یہ چاہیں
کہ تکلیف مجھ کو ہو اور یہ کراہیں
مخالف مرے روح کے جبر تک ہیں
یہ آخر کو ساتھی مرے، قبر تک ہیں
سلامت رہیں دوستی کے سفینے
کہاں دشمنی کے اب ایسے قرینے
یہ سستوں (۱۹) میں سستے گراں ہیں گراں میں
ملیں گے مگر بھائیوں کی دکاں میں
انہیں میں کھلاؤں چنے، مرچ، دھنیا
یہ ہاتھی تو بے شک ہیں لیکن مکھنیا
سمجھتے ہیں چھوٹے سے ایک جوش ہیں یہ
یہ سچ ہے کہ بے شک تن و توش ہیں یہ
غزل یا رباعی قطعہ ہو کہ دوہا
ہر اک کھیت میں آپ نے ہل چلایا

Scanned by CamScanner

مگر کچھ نہ اگنے سے مایوس ہو کر
گئے ہیں یہ کمے مگر روس ہو کر
سمجھئے نہ ہرگز کہ یہ سو رہے ہیں
کہ اب قلم میں ارویاں بو رہے ہیں
کبھی ان کو ہرگز نہ کہئے گا بودا
کہ ہیں صبر و ضبط و تحمل کا تودا
کراچی میں پائے بہت دوست سچے
کئی تھے کہ جو دے گئے مجھ کو غچے
مگر ان کو دل سے عجب سلسلہ ہے
مجھے جیسے اک ربط صادق ملا ہے
وفا ان کی گیتا ہے خود اوم ہیں یہ
کہ ظاہر میں پتھر ہیں پر موم ہیں یہ
مرے دل پہ ظاہر ہے صہبا کی فطرت
محبت، محبت، محبت، محبت
خدا ان کو رکھے یہ سچے قلندر
رہے جام میں میرے صہبائے اختر

اب ان سے بھی ملئے یہ مجذوب اصلی
مری روح آوارہ کے جسم وصلی
سراپا محبت سراپا صداقت
سراپا خلوص اور سراپا شرافت
مگر دوستوں پر قیامت یہ ڈھائیں

Scanned by CamScanner

اگر بھول کر صاف گوئی پہ آئیں
عموماً بہت مختصر بولتے ہیں
خصوصاً کفن پھاڑ کر بولتے ہیں
بگڑتے ہیں غصے میں جب احمقوں سے
الجھتا ہوں میں سابقوں لاحقوں سے
یہ ہر بات میں یوں بریکٹ لگائیں
کہ لڑکے بھی لنگڑی کسر بھول جائیں
کسر کو اگر ہم کریں حل تو ہائے
صفر کے سوا کوئی حاصل نہ آئے
مگر یہ صفر ایک کے پیش و پس ہے
اگر ایک مل جائے اس کو تو دس ہے
صفر میں صفر کو یہاں تک ملائیں
تعین کو بھی لاتعین بنائیں
عقیدت کے پکے مسلمان سچے
عمل کی جو پوچھو تو مجھ سے بھی کچے
کبھی جب جنونِ صداقت میں آئیں
تو مدنی (۲۰) کے اوپر بھی چھکے لگائیں
کبھی دردِ اسلام میں یوں کراہیں
کہ میں بھی بھروں ان کے ہمراہ آہیں
انہوں نے عجیب ایک چکر چلایا
سیاست کے پھڈے میں مجھ کو پھنسایا
مجھے جذب کا یہ کرشمہ دکھایا

Scanned by CamScanner

کہ چپکے ہی چپکے مرا دل چرایا

ہر اک اشتراکی سے بیزار ہیں یہ

مگر روسیوں کے نمک خوار ہیں یہ

مرے خواب کی ہیں یہ تعبیر الٹی

بلاٹنگ پہ ہیں میری تحریر الٹی

بشارت سکون طبیعت کی لے کر

درست آئے گو دیر میں آئے قیصر [۲۱]

ضمیر [۲۲] آ کے مجھ سے ملے میرے کافر

مگر ہیں گلِ تازۂ دورِ آخر

انہیں یوں اگایا ہے فطرت کی رت نے

کہ یہ جتنے اوپر ہیں نیچے ہیں اتنے

بڑے نابغہ ہیں، بڑے فلسفی ہیں

پڑھے تک نہ جائیں یہ اتنے خفی ہیں

انہیں فن اخفا بہت کام آیا

کہ اب ہائی جیکنگ کا انعام پایا

انہیں مانتے ہیں جو اہل نظر ہیں

یہ ننھے سے ہیں گو، مگر ہیڈ گر ہیں

کہوں کیا کہ ظاہر ہے جو بن کہے ہیں

میرے دل میں آنے سے ڈرتے رہے ہیں

یہ آئے تو جان چھیننے پہ اڑے ہیں

اسی ضد میں بیٹھے نہیں ہیں کھڑے ہیں

Scanned by CamScanner

مگر میں تو کم بخت ذاکر [۲۳] کو بھولا

یہ گپی، نڈر، چنچنا، بے اصولا

کبھی کلفتیں دور جملوں سے اس کے

کبھی دل میں ناسور فقروں سے اس کے

یہ ایسا کہ جب اپنی شیخی پہ آئے

تو او نیل اور شا کو دھتا بتائے

کبھی ڈینگ مارے کہ صاحب نظر ہوں

کبھی دون کی لے کہ میں شیکسپیئر ہوں

اگرچہ بہت تک چڑھا چڑچڑا تھا

مگر مجتبیٰ کا یہ اصلی چڑا تھا

اسے میں نے جب جال میں اپنے پھانسا

بڑے زور سے دل کی چولوں میں دھانسا

سمجھتا تھا میں قبر تک ساتھ دے گا

یہ دنیا ہے کیا حشر تک ساتھ دے گا

مگر روح میں میری پنجے گڑا کر

مرے ہاتھ سے اڑ گیا پھڑ پھڑا کر

مجھے شوق میٹھے کا ہر چند کم ہے

کہ ڈرتا ہوں تہ میں کہیں اس کے سم ہے

منافق سے پرہیز کرتا بہت ہوں

کہ میٹھی چھری سے میں ڈرتا بہت ہوں

مجھے دشمنی سے بہت کم ضرر ہے

Scanned by CamScanner

محبت کا حربہ مگر بے سپر ہے
مگر مجھ کو عارف [۲۴] نے اپنا بنایا
کہ میٹھا دکھایا تو میٹھا کھلایا
کہاں تک مری روح انکار کرتی
مجھے ہیں یہ شیرے میں ڈوبی امرتی
ملی ان کو نرمی ہے بادِ صبا کی
ہیں سچی کسوٹی خلوص و وفا کی
پے بیٹھے ہیں آپ ہر فلسفی کو
پڑھائیں یہ دیدانت مسٹر تقی کو
زمانے کی نظروں میں گو محترم ہیں
مگر میرے چھوٹوں کے چھوٹوں سے کم ہیں
یہی ہے سعادت کی ان میں بڑائی
بڑی ہے شرافت کی ان میں بڑائی
یہ چہرہ مری آنکھ میں کھب گیا ہے
کہ آنکھوں میں ان کی عجب اک حیا ہے

زمانے کا الزام مجھ پر ہے ظاہر
کہ میں ہوں خلوص و محبت کا تاجر
چمت کاریوں کا وہ استاد ہوں میں
کہ سب ہیں چڑے اور صیاد ہوں میں
بڑے ہوں کہ چھوٹے منجھولے کہ بچلے
مرے بھٹ میں آئے تو باہر نہ نکلے

Scanned by CamScanner

خدا جانے کیسے پولس سے بچا ہوں
شکاگو کے گینگسٹروں کا چچا ہوں
وہ ہتھکنڈے میرے کہ بچ کر نہ جائیں
ادب کی فضا میں جو ٹیلنٹ آئیں
انہیں سے ہے قائم مری ٹھیکیداری
میں معصوم ذہنوں کا ظالم شکاری
بڑا زعم ہے مجھ کو میں مستند ہوں
سند بانٹتا ہوں کہ خود بے سند ہوں
کسی کو گھٹاؤں کسی کو بڑھاؤں
غرض ہر طرف اپنے مہرے جماؤں
میں ایسا کہ جب اپنی ڈوری ہلاؤں
کسی کو تو کیا عسکری کو نچاؤں

حواشی

(ہم لوگ، البم نمبر ۲)

(۱) اطہر نفیس (۲) نگار صہبائی (۳) اسد محمد خاں (۴) عبید اللہ علیم (۵) خلیل الرحمٰن اعظمی (۶) سید سجاد ظہیر (۷) ساقی فاروقی (۸) عزیز ہاشمی (۹) ممتاز حسین (۱۰) سعید احمد صدیقی (۱۱) نظیر صدیقی (۱۲) نگار صہبائی (۱۳) پنکج ملک (۱۴) آرزو لکھنوی (۱۵) عطا صدیقی (۱۶) حلقہ اربابِ ذوق (۱۷) احمد ہمدانی (۱۸) ممتاز حسین (۱۹) صہبا اختر (۲۰) عزیز حامد مدنی (۲۱) قیصر حسنی (۲۲) ضمیر علی بدایونی (۲۳) ذاکر حسین (۲۴) افتخار عارف۔

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

کافی ہاؤس

(الف)

مقام: کافی ہاؤس

وقت: شام

کردار: عبید اللہ علیم، جمال پانی پتی، ضمیر علی بدایونی، مظفر علی سید، سالک، قمر جمیل اور رئیس فروغ

(علیم کچھ لکھ رہا ہے۔ جمال بے خیالی میں ٹانگیں ہلا رہا ہے، دونوں چائے پی رہے ہیں اور ایک دوسرے سے بور ہیں۔ سالک آتا ہے)

سالک: معذرت خواہ ہوں

مرا نام سالک ہے!

میں..... (علیم اسے دیکھتا ہے)

علیم: جی ہاں! آپ جو کچھ کہیں گے

Scanned by CamScanner

وہ معلوم ہے...... بیٹھیے!

سالک: مجھے شاعروں اور ادیبوں سے ملنے کا کچھ شوق سا ہے......

علیم: ارے چھوڑیئے! اور کچھ کام کیجئے (علیم پھر لکھنے لگتا ہے)

جمال: آپ کچھ لکھتے ہیں؟

سالک: جی ہاں

جمال: شاعری؟

سالک: جی نہیں۔ میں نے کچھ الٹے سیدھے سے افسانے لکھے ہیں اور ان کی خاطر......(جھجکتے ہوئے) معذرت خواہ ہوں...... باپ سے لڑ کے گھر سے نکل آیا ہوں اور اب آپ کے شہر میں دربدر پھر رہا ہوں۔

جمال: آپ کے باپ کیا کرتے ہیں؟

سالک: تاجر ہیں

جو چاہتے ہیں کہ میں ان کی مانند تاجر بنوں

کہ ہر باپ کا اولیں مسئلہ "آئینہ" ہے

جس میں وہ اپنے ہی عکس کو دیکھنا چاہتا ہے

پر مجھے لکھنے پڑھنے کا اک خبط سا ہے

سو میں چاہتا ہوں...... معلم بنوں!

تاکہ لکھ پڑھ سکوں۔ یہی ایک پیشہ ہے جو لکھنے پڑھنے میں حارج نہیں۔

علیم: انہیں کچھ کراچی کے استاد دکھلایئے!

جمال: یہ خود دیکھ لیں گے

سالک: میں سمجھا نہیں؟

علیم: سمجھ جایئے گا، ابھی جلدی کیا ہے؟

سالک: معذرت خواہ ہوں

Scanned by CamScanner

نہ جانے مرا کو میلکس ہے
کہ کچھ اور ہے
مجھے آپ لوگوں کی باتوں میں اک طنز محسوس ہوتا ہے
جس کے رخ کو سمجھنا بھی دشوار ہے

جمال: نہیں...... آپ الجھن میں بالکل نہ پڑیئے
ہماری ہر اک بات کا رخ ہماری طرف ہے
کہ ہم سب کبھی آپ کی طرح گھر چھوڑ کر
وادیٔ شعر میں آئے تھے!
کوچۂ زلف کے پھیر میں آئے تھے
مگر اب غریب الوطن رفتہ رفتہ
خزاں کے پرندوں کے مانند
گھر لوٹتے ہیں
کہ گھر پھر بھی گھر ہے!

(قمر جمیل، ضمیر علی اور رئیس فروغ داخل ہوتے ہیں)

جمال: آیئے! خوب آئے
قمر: نہیں تو......
فروغ: (مسکرا کر) پریشان ہیں
علیم: نوکری سے؟
ضمیر: نہیں وقت پر حاضری سے
علیم: نوکری حاضری ہی کو کہتے ہیں
ضمیر: مگر یہ نہیں مانتے!
جمال: یا نہیں جانتے؟

Scanned by CamScanner

قمر: جی نہیں! جانتا ہوں

جمال: یقیناً...... وہ کیا چیز ہے
کون سی شے ہے جو تم نہیں جانتے

علیم: یہ سب جانتے ہیں
مگر گھنٹوں تقریر کرنے کے باوصف
گاڑی جہاں ہے
وہاں سے کھسکتی نہیں ہے
بیرا چائے......
قمر بھائی یہ مسئلہ سخت ہے
میں خود بھی اسی مسئلے میں گرفتار ہوں
کہ انسان شاعر بنے؟
یا کہ نوکر بنے!

جمال: یا کہ شوہر بنے!

قمر: فروغ آپ بتلایئے
آپ یہ سب ہیں

فروغ: آپ بھی سب ہیں!

علیم: ہم یہ سب ہیں
مگر مسئلے میں گرفتار ہیں
جسے آپ حل کر چکے ہیں!

فروغ: اگر میرا چپ رہنا "حل" ہے
تو چپ رہیے
خود حل نکل آئے گا

مگر میں تو وہ ہوں

کہ جس نے کہا تھا

کہ ہے عشق کارِ مسلسل

وہ کارِ مسلسل

کہ جس سے کبھی ایک لمحہ پس انداز کر لینا ممکن نہیں ہے

یہاں یا تو سب ہے!

اگر سب نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے!

قمر: خزاںؔ بھی یہی کہتے ہیں

"شاعری زندگی بھر کا آزار ہے

ایک کل وقتی بیگار ہے

جس کو "جز وقتیِ شوق" سے ٹال دینا

فقط لمحہ مرگ آثار ہے!"

سو وہ شعر سے جا چکے ہیں......

(مظفر علی سید ایک کتاب بغل میں دبائے داخل ہوتے ہیں اور ادھر اُدھر دیکھتے ہیں)

جمال: وہ سید چلے آرہے ہیں!

قمر: خدا ان کی بقراطیت سے بچائے

علیم: آیئے آیئے

آپ کب آئے؟

سید: آج ہی آیا ہوں......

ان کی تعریف؟

علیم: یہ سالک ہیں

نو واردِ شہرِ شعر و ادب ہیں

خود اپنے لیے ایک آزارِ جاں کا سبب ہیں
ہماری طرح باپ سے لڑ کے گھر چھوڑ بیٹھے ہیں
اور طالب داد ہیں!
مختصر یہ کہ اک صبح فردا کی فریاد ہیں!

سید: تم نے تو نظم کہہ دی!
علیم: نظم اب کہاں؟
آپ کیوں بھولتے ہیں
کہ میں نے بھی اب شادی کر لی ہے
اور شاعری چھوڑ کر شوہری کر رہا ہوں!
جمال: شوہری......اور پھر نوکری؟
علیم: شاعری، نوکری، شوہری
ہمیں تو اسی پھیر نے مار ڈالا
مگر آپ نوکر بھی، شاعر بھی، شوہر بھی ہیں
آپ تینوں سے کیسے نمٹتے ہیں؟
سید: تین؟
میاں میرے مذہب میں تو چار جائز ہیں
پر عدل کی شرط ہے
عدل کیجئے تو دنیا کا ہر بوجھ
میزان کی کیل پر اک توازن بنے گا
توازن کہ میزانِ آفاق کی روح ہے!
قمر: (مسکرا کر) فلسفہ!
ضمیر آپ سنئے......

Scanned by CamScanner

ضمیر: سن رہا ہوں

جمال: مسئلہ شاعری، نوکری، شوہری کا تصادم ہے

قمر: نوکری شوہری کا تقاضا ہے

اسی واسطے مسئلہ

شاعری، نوکری

شاعری، شوہری

کی مساوات کے درمیاں ہے

علیم: ٹھیک ہے!

قمر بھائی! کچھ شاعری، نوکری کے مسائل پہ کہیے

قمر: شاعری نغمہ روح ہے

رقص جاں ہے

تخیل کی پرواز ہے

نوکری ٹائپنگ کی کھٹا کھٹ کی آواز ہے

شاعری برگِ گل ہے

نمِ شب ہے

رفتارِ سیارگاں ہے

نوکری لمحہ رائیگاں ہے

شاعری موجِ کوثر ہے

شہدِ تمنا ہے

ماہِ عسل ہے

نوکری اک مشینی عمل ہے

شاعری نو بنو

Scanned by CamScanner

تازہ تر، ضو بہ ضو

پرتو نورِ تخلیق ہے

زندہ رہنے کی توفیق ہے

نوکری ضیق ہے

شاعری روح بے تاب ہے

خوابِ بیدار و بیداریٔ خواب ہے

چشمِ پر آب ہے

کلکِ اظہار ہے

نوکری ایک لمحے کی تکرار ہے

ایک بیگار ہے!

جس سے میں اور مری روح بیزار ہے

میں شاعر ہوں!

اور فطرتِ شاعری "فطرتِ نوکری" کی وہ تردید ہے

جو مری زندگی بن گئی ہے!

علیم: واہ وا۔ واہ وا۔ کیا امیجز ہیں!

جمال: قمر کی ہر اک بات میں اک امیج ہوتی ہے

ضمیر: یہ خود شاعری کا امیج ہیں

سید: بجا ہے! مگر پھر بھی نوکر ہیں

جمال: قمر نوکری چھوڑ دو!

قمر: نوکری کامنر کے لیے ایک جنت ہے

جس کی نہروں میں سب کامنر مچھلیوں کی طرح تیرتے ہیں

مگر جینئس کے لیے نوکری زہر ہے

Scanned by CamScanner

علیم: زہر ساز ہر!
میں شیو کی طرح ہر روز
اس نوکری کا سمندر بلوتا ہوں
اور زہر پیتا ہوں
میرا گلا جل گیا ہے

سید: تو پھر نوکری چھوڑ دو

علیم: ہائے مجبوریاں!
اگر میری مجبوریاں!
خواہش اور فیصلے کی گزرگاہ میں
ایک دیوار کی طرح حائل نہ ہوتیں
تو میں نوکری کے بیابانِ بے آب سے
جانے کب کا نکل جاتا......
مگر میری مجبوریاں!
آہ مجبوریاں

جمال: یہ مجبوریاں ہی تو سب کچھ کراتی ہیں

ضمیر: زندگی احتیاجات کا جبر ہے

سید: میں اگر آپ کی طرح محسوس کرتا تو پھر نوکری چھوڑ دیتا کہ یہ میری مرضی سے ہے
کوئی جبری تقاضا نہیں ہے!

قمر: وہ کیسے؟

سید: وہ ایسے کہ میں چھوڑنے اور کرنے میں آزاد ہوں

قمر: مگر آپ بھی وقت، ماحول اور لاشعوری محرک کے
پابند ہیں!

Scanned by CamScanner

سید: کون کہتا ہے؟

قمر: ظاہر ہے، ہر شخص مجبور ہے

سید: ہو گا لیکن مجھے وہم سا ہے

کہ میں اپنی پابندیوں میں بھی آزاد ہوں

وقت، ماحول یا لاشعوری محرک

کوئی میرا آقا نہیں ہے!

قمر: وقت بھی؟

سید: وقت میری انا کا تغیر ہے

ماحول میری وہ ہستی ہے جو

پھیل کر ایک سائے کی مانند مجھ سے جدا ہو گئی ہے

رہا لاشعوری محرک!

تو وہ خود مری ذات کا اندروں ہے

میں ان سب کا مجموعہ ہوں

اور آزاد ہوں!

ضمیر: یعنی "پابند آزاد" ہیں؟

جمال: "پابندِ آزاد" اچھا کہا

سید: یہ کم بولتے ہیں

مگر ان کا کم بھی بہت ہے

ہاں...... میں "پابند آزاد" ہوں!

جمال: مگر اس کے معنی ذرا کھولیے!

کیونکہ ماحول، وقت اور یہ لاشعوری محرک

جسے آپ نے "ذات کا اندروں" کہہ دیا ہے

Scanned by CamScanner

یہی تو وہ پابندیاں ہیں
کہ جو مجھ کو "میں" بننے دیتی نہیں ہیں

سید: نہیں لفظ کا فصل ہے
جو مرے آپ کے درمیاں ہے
ورنہ معنیٰ میں ہم ایک ہیں!

جمال: وہ کیسے؟

سید: یہ گملے میں پودا لگا ہے
اسے دیکھئے
یہ پودا اگر بڑھ کے وہ چیز بن جائے
جو اس پودے کی آخری شکل ہے
تو یہ اس کی پابندی ہو گی کہ آزادی ہو گی؟
میں جو کچھ بھی ہوں
وہ بننے کا پابند ہوں
اور بننے میں آزاد ہوں!

جمال: یہ منطق تو اچھی ہے
لیکن مجھے دیکھئے!
میں کیا ہوں!
ایک چھوٹا سا شاعر
کہ جو اپنی مرضی کے بالکل خلاف
اور جبراً
کلرکی کی لعنت میں یوں پھنس گیا
جیسے تتلی جو کیچڑ میں گر جائے

Scanned by CamScanner

کیا میں آزاد ہوں؟

سید: تو کیا آپ کو یہ کلر کی کی لعنت کسی نے زبردستی دی ہے؟
ذرا سوچئے آپ نے اس کی درخواست دی
اور دفتر کے چکر لگائے
یہ ممکن ہے دو چار لوگوں کو پیسے کھلائے ہوں
یا پھر سفارش کرائی ہو
اور اب جبکہ خود آپ کی خواہشوں، کوششوں
کے مطابق یہ لعنت میسر ہوئی ہے
تو اب آپ کو پھر شکایت ہے!

جمال: ٹھیک ہے...... میں نے بھی دوسروں کی طرح
اس کی کوشش تو کی تھی
مگر پھر بھی یہ میری خواہش نہیں تھی

سید: عجب بات ہے!
اگر آپ کو نوکری کی یہ لعنت نہ ملتی
تو کیا آپ کو غم نہ ہوتا؟ شکایت نہ ہوتی؟

جمال: وہ میری ضرورت تھی، خواہش نہیں تھی

ضمیر: ضرورت تو صرف ایک ہے "زندہ رہنا"

جمال: بجا ہے! اسی زندہ رہنے کی خاطر تو ہم جانے کیا کیا
ستم سہہ رہے ہیں

سید: اور کیا زندہ رہنا کوئی جبر ہے؟
اگر آپ مانیں تو یہ زندہ رہنا وہ "خواہش" ہے
جو آپ کو اور سب خواہشوں سے زیادہ عزیز اک

Scanned by CamScanner

متاعِ گراں ہے......

اور کلرکی کا مطلب یہ ہے

آپ نے زندہ رہنے کی خواہش کو

ہر اور خواہش پہ ترجیح دی ہے!

جمال: یہ منطق ہے!

قمر: منطق و فلسفہ اور "بقراطیت"

میں تنگ آچکا ہوں

میرا مسئلہ نفسیاتی ہے

جمال: ٹھیک ہے...... مسئلہ نفسیاتی ہے لیکن

جناب مکرم! مجھے تو یہ لگتا ہے

جیسے کہ دو اجنبی بلکہ اک دوسرے کے مخالف

وہ افراد ہیں جو مری ذات میں بند ہیں

ایک شاعر ہے

اور دوسرا صرف شوہر ہے

جو اپنی بیوی کے کچھ ننھے منے سے بچوں کی

خاطر کلرکی پہ مجبور ہے!

جس سے شاعر کو نفرت ہے

ضمیر: اور شوہر کو شاعر سے نفرت نہیں ہے؟

جمال: یقیناً

یہ دونوں

بہت دن سے اک جنگ میں مبتلا ہیں

جو شاعر ہے

Scanned by CamScanner

وہ چاہتا ہے کہ تتلی کی مانند اڑتا پھرے
رنگ، رس اور خوشبو پہ منڈلائے
پھولوں کو چومے
ہواؤں میں جھولے
دھنک کے رنگوں کو چرائے
یہاں تک کہ خود اک دھنک بن کے لہرائے
مگر اس کے پر بھیگ کر نچ گئے ہیں

سید: اور شوہر؟

جمال: انہیں صرف تیل اور نمک چاہیے

سید: آپ کچھ زیادتی کر رہے ہیں
کہ شوہر کے کچھ اپنے رنگ، اپنے رس
اپنی خوشبو کے سامان ہیں!
ایک بیوی کی سچی خوشی
جو کسی چھوٹے موٹے سے تحفے کے وقت اس کے گالوں پہ
......رنگ شفق بن گئی ہے
اور بچوں کی آنکھوں کی وہ جھلملاتی ہوئی روشنی
جو ستاروں کی تابندگی کی طرح
صرف ابو سے مخصوص ہے
کیا یہ کچھ بھی نہیں ہے؟
کیا یہ کچھ بھی ہے؟

جمال: مگر......

سید: ذرا ٹھہریئے......

Scanned by CamScanner

اور کیا یہ کلرک اور شوہر
کہ جو ایک معمولی سا آدمی ہے
اس کے ان تجربوں کو جدا کر کے
وہ آپ کے شاعر محترم شعر کہہ سکتے ہیں؟
اگر شاعری ان سے کٹ کر کوئی اور شے ہے
تو وہ صرف لفظوں کا کرتب ہے

ضمیر: گو خوب صورت بھی ہو!

جمال: مگر میں یہ کہتا ہوں دونوں میں جھگڑا ہے

سید: جھگڑا تو ہے!
مگر ایسا جھگڑا کہ جو میرؔ کی شاعری ہے
جہاں دل کے جانے کا وہ سانحہ
جو مری آپ کی چوما چاٹی ہے
ایسے مصائب سے گھل مل گیا ہے
کہ جو زندگی ہیں

علیم: مگر میں تو غالبؔ کا قائل ہوں

سید: غالبؔ کے اندر بھی جھگڑا تھا
مگر اس کے اندر کا وہ آدمی
جس کو ہم استعارے میں شوہر سے تعبیر کرتے ہیں
خود اس کے شاعر سے کچھ کم نہیں تھا!
وہ دونوں بڑے قد کے ہمزاد تھے
جن کی پیکار غالب کی "وٹ" بن گئی ہے
اگرچہ یہ سچ ہے کہ غالب میں شوہر کی تحقیر بھی تھی

Scanned by CamScanner

مگر پاؤں کی بیڑیوں سے جھگڑنے میں تھک ہار کے
اس نے ہنسنا بھی سیکھا
اگر اس کو پڑھیے تو یوں لگتا ہے
جیسے دیوار سے سر کو ٹکرا کے زخمی ہے
اور مسکراتا ہے
یہ غالب کی وہ مسکراہٹ ہے
جس میں اس کا کوئی اور ہمسر نہیں ہے!

ضمیر: اگرچہ کہیں مسکراہٹ میں دل کے سلگنے سے
تلخی بھی کچھ آگئی ہے

سید: بجا ہے!

علیم: آیئے اب پلٹ آیئے
مسئلہ اور تھا
میں یہ کہہ رہا تھا
کہ میں جو بھی ہوں
اور جیسا بھی ہوں
کیا مری ذات خود میرا حاصل نہیں ہے؟

سید: آپ کی ذات
خود آپ کی ذات کے
مختلف
اور تضادات میں منقسم
دائروں کی وہ وحدت ہے
جو ساعتوں کی گزرگاہ پر

Scanned by CamScanner

اک لرزتی ہوئی ضو کی مانند روشن ہے

علیم: اور مری روشنی میری آزادی ہے!

سید: ٹھیک ہے

علیم: میں آزاد ہوں

وقت وماحول کی تیرگی میں

"چراغ انا"

کہ جو جلتا بجھتا ہوا

"ہست" اور "بود" کی دائمی کشمکش میں

ازل سے ابد تک سفر کر رہا ہوں!

سید: بجا ہے!

علیم: اسی واسطے مجھ کو سوسائٹی کے تقاضوں سے انکار ہے

جمال: دیکھئے یہ نتیجہ ہوا!

سید: (مسکرا کر) میری بکواس کا!

ٹھیک ہے!

اس میں کیا حرج ہے؟

ویسے سوسائٹی ایک سازش تو ہے

فرد کی فردیت کے خلاف!

جمال: کیا یہ قول آپ کا ہے؟

سید: ایمرسن کا ہے

علیم: زندہ باد

تو سوسائٹی فرد کی فردیت کے خلاف ایک سازش ہے

سید: صرف سوسائٹی ہی نہیں "عالم خارجی" بھی!

Scanned by CamScanner

جس کو غالبؔ نے یہ کہہ کے رد کردیا
کہ دنیا سے عبرت بھی حاصل نہ کر
کہ دنیا سے کوئی تاثر پذیری زبوں ہمتی ہے
وہ کہتا ہے "غفلت ہو یا آگہی
جو بھی ہو اپنی ہستی سے ہو!"

علیم: یہی تو مرا مسئلہ ہے
اگرچہ میں اب تک اسے
صرف سوسائٹی یعنی خود سے جدا
دوسروں کی حد ذات تک دیکھتا تھا

ضمیر: دوسرے تو جہنم ہیں!

سید: مگر یہ جہنم تو دراصل کل عالم خارجی ہے
کبھی سوچتا ہوں کہ جنت سے آدم کا باہر نکلنا
کہیں ذات سے عالم خارجی کا سفر تو نہیں ہے؟
خوب ہے...... مگر ہم جہنم میں اب ہیں......
تو پھر کیا کریں؟

علیم: جہنم کو تسلیم کرنے سے انکار کریں

سید: نہیں، اس جہنم کو گلزار کردیں!

علیم: وہ کیسے؟

سید: وہ ایسے
کہ ہم اس جہنم میں ہونے کا اقرار کرلیں
یہ اقرار ہو چشمِ تر سے تو وہ میرؔ ہے
طنز سے ہو تو غالبؔ ہے!

Scanned by CamScanner

عزم پیکار سے ہو تو اقبال ہے
قمر! آپ بھی کچھ کہیں

قمر: کیا کہوں
لوگ تو آؤٹ ڈیٹڈ خیالات کا ایک گودام ہیں
مرا مسئلہ نفسیاتی ہے
میں نوکری چھوڑ دوں گا

سید: تو یہ آپ کا فیصلہ ہے

قمر: یقیناً

سید: (مسکرا کر) تو میں بھی یہی کہہ رہا تھا کہ انسان اک فیصلہ ہے
جو آزاد ہے

سالک: معذرت خواہوں
ابھی آپ میں سے کسی نے کہا تھا
جہنم جو ہے "دوسرے" ہیں

ضمیر: جی ہاں میں نے!
مگر یہ کسی اور کا قول ہے

سالک: کس کا؟

ضمیر: سارتر کا

سالک: مگر اس کا مفہوم کیا ہے؟

ضمیر: جہنم انا کا تصادم ہے!

سالک: اس کو کچھ اور واضح کریں

قمر: دیکھئے میں اسے ایک امیج میں بتا دوں
ایک کمرے میں کچھ بلیاں ہیں

Scanned by CamScanner

کہ جو یہ سمجھتی ہیں کمرے میں صرف ایک بلی ہے
اور دوسری صرف سایہ ہیں، بلی نہیں ہیں
مگر سائے سائے نہیں، بلیاں ہیں
جو آپس میں لڑتی جھگڑتی ہیں
اور میاؤں کرتی ہیں
تو یہ سائے جو بلیاں ہیں
تصور کی تاریکیوں سے
حقیقت میں تبدیل ہو کر انا کا جہنم بناتے ہیں
جو بلیوں کے تصادم کا اک نام ہے

سید: آپ لکھتے ہیں
لکھنے سے کیا چاہتے ہیں

سالک: فرض کیجئے کہ شہرت

سید: شہرتِ عارضی؟

سالک: میں سمجھا نہیں

سید: آپ یہ چاہتے ہیں
کہ اس طرح مشہور ہو جائیں
جس طرح
ہر روزنامے کے کالم نویسوں کی شہرت ہے
اور کل شام تک
ریڑھی والوں کی پڑیوں میں بک جائیں
یا میرؔ و غالبؔ کے دیوان کی طرح سے
ان ابدرنگ الماریوں میں سجیں

Scanned by CamScanner

جن کو اک عسکری
یا فراق اور کلیم
کھولتے بند کرتے رہیں گے
تو ہاں، شہرتِ عارضی یا کہ پھر شہرتِ دائمی؟

سالک: شہرتِ دائمی!

سید: شہرتِ دائمی، دولتِ دائمی، عشرتِ دائمی
یعنی انسان یہ چاہتا ہے
کہ وہ خیر پر
دائمی طور سے قبضہ کر لے
بلکہ خود خیر دائم بنے

سالک: ٹھیک ہے
اس کا ملنا نہ ملنا الگ بات ہے
لیکن انسان
کی اصل منزل یہی ہے

سید: مگر خیرِ دائم خدا ہے
تو انسان کا مسئلہ کیا ہے؟
خدا بننا؟

علیم: چلو بلیوں سے خدا تک تو پہنچے

سید: مجھے بلیوں کی وکالت کا حق تو نہیں ہے
مگر کیا خبر؟ بلیاں بھی یہی چاہتی ہوں

ضمیر: (مسکرا کر) یقیناً
مگر فرق یہ ہے کہ نٹشے خدا کو سپر مین کہتا ہے

Scanned by CamScanner

اور بلیوں کا خدا اک سپر کیٹ ہے

سید: تو پھر آپ بھی اک خدا ہیں
آپ کے والد محترم بھی خدا ہیں
یہاں سب خدا ہیں

سالک: کیا مصیبت ہے!

سید: مصیبت تو یہ ہے
کہ جب سب خدا ہیں تو کوئی نہیں ہے

ضمیر: یعنی ہم مہملیت کے گرداب میں پھنس چکے ہیں

سید: اور میری خدائی فقط میری اپنی انا تک ہے
اور زندگی، یعنی انسان کی زندگی
کچھ اناؤں کی ایک دائمی کشمکش ہے
یہی کشمکش وہ جہنم ہے
جو "دوسرے" ہیں
......(علیم پیالی بڑھاتا ہے)

علیم: خدا چائے پیتا ہے؟

سالک: (مسکرا کر) پیتا ہے
(قہقہے۔ سید زور سے سگریٹ کا کش لگاتے ہیں جس کا دھواں منظر کو دھندلا دیتا ہے)

کافی ہاؤس

(ب)

منظر: کافی ہاؤس

کردار: حمید نسیم، سالک اور کافی ہاؤس کے بیرے

حمید نسیم ایک میز پر بیٹھے ڈانٹے اور رومی کا تقابلی مطالعہ کر رہے ہیں۔ منظوم خاکوں کا البم ان کے قریب رکھا ہوا ہے۔ سالک داخل ہوتا ہے اور حمید نسیم کے پاس آجاتا ہے۔

سالک: معذرت خواہ ہوں

مرا نام سالک ہے

یہاں آپ کو دیکھ کر آگیا ہوں

اگر آپ کو کوئی زحمت نہ ہو

تو میں تھوڑی دیر

آپ کے پاس ہی بیٹھ جاؤں

Scanned by CamScanner

اجازت ہے؟

حمید نسیم: بیٹھیے! آپ سالک ہیں؟

سالک: کاش ہوتا!

مگر یہ مرا نام ہے

حمید نسیم: بھلا نام ہے......

بیٹھیے بیٹھیے (سالک بیٹھ جاتا ہے)

آپ کیا کرتے ہیں؟

سالک: کچھ نہیں، صرف آوارہ گردی!

حمید نسیم: بہت خوب!

آوارگی روح کی زندگی ہے

سالک: عجب بات ہے

آپ وہ پہلے انسان ہیں

جنہوں نے مجھے

میری آوارہ گردی کے اعلان پر

ٹوکنے کے بجائے مجھے داد دی ہے!

(حمید نسیم آہستہ سے مسکراتے ہیں، سالک کی نظر البم پر پڑتی ہے)

سالک: یہ کیا چیز ہے؟

حمید نسیم: ایک البم ہے (سالک البم اٹھا کر دیکھتا ہے)

سالک: اوہ منظوم خاکوں کا البم!

جسے ایک گمنام شاعر نے شائع کیا ہے

حمید نسیم: ہاں! وہ گمنام شاعر مرے دوست ہیں

دوست بھی کیا...... مرے بھائی ہیں

Scanned by CamScanner

بلکہ بچے......
انہوں نے یہ بچپن دکھایا
کہ میرا بھی خاکہ اڑایا
انہوں نے مجھے طنزیا مسخرے پن سے
چھوٹا بخاری[1] لکھا ہے
اور میں سوچتا ہوں
کہ کیا میں بخاری کا نقال ہوں؟
اور کیا ان کو معلوم ہے......
نقل کیا ہے؟

سالک: نقل کیا ہے؟
نقل تو نقل ہے
ایک "ایپنگ" ہے
کہ جو آدمی کے بجائے
بندروں کا عمل ہے!

حمید نسیم: نہیں!
نقل تو روح کا اک سفر ہے!
بخاری سے سقراط تک
میں سفر کر چکا ہوں
مری روحِ آوارہ
ہر روح کو
پیرہن کی طرح سے پہنتی ہے
اور پھر اسے چاک کر کے

Scanned by CamScanner

نئے پیرہن کی نئی جستجو میں نکل جاتی ہے

کوئی ایسا کامل نمونہ

کوئی ایسا سانچہ

کوئی پیرہن

جو مری روح کا جسم بن جائے

میں ڈھونڈ تا ہوں

وہ کیا جسم ہے؟

ایک انسانِ کامل!

جو ہر روح کا جسم ہے

سالک: ایک انسان کامل جو ہر روح کا جسم ہے!

حمید نسیم: ہاں!

جو ہر روح کا جسم ہے

جو ہر جسم کی روح ہے

روح اور جسم کیا ہیں؟

کیا یہ اک دوسرے سے جدا ہیں؟

نہیں! صرف دو مختلف زاویئے ہیں نظر کے

یہ دو مرحلے ہیں مگر اک سفر کے!

"حقیقت" کو اندر سے دیکھوں تو میں "روح" ہوں

حقیقت کو باہر سے دیکھوں تو میں "جسم" ہوں!

اور میں کیا ہوں؟

"میں" سے "میں" تک سفر ہوں!

بخاریؔ ہوں، غالبؔ ہوں، سقراطؔ ہوں

Scanned by CamScanner

کوئی ہو......

سب مرے اس سفر کے مقامات ہیں

بلکہ گستاخی ہوتی ہے گردِ سفر ہیں!

سالک: بجا ہے!

مگر میں نے اکثر سنا

اور خود میرا بھی تجربہ ہے

کہ ہر نقل اک خودکشی ہے!

یہ "میں" یا "انا" جو بھی ہے

نقل کو خودکشی جان کر اس سے بیزار ہے

نقل کیوں......؟

میں اگر "میں" ہوں

تو پھر مجھے نقل کی کیا ضرورت!

حمید نسیم: میں؟ مگر "میں" کہاں ہے؟

"میں" تو صرف ایک امکان ہے

کیا تمہیں اس کی پہچان ہے؟

نقل تو "میں" کی پہچان کا، اس کی دریافت کا اک عمل ہے

ایک تکمیلِ امکان ہے!

سالک: جس کی تکمیل انسان ہے؟

حمید نسیم: ہاں وہ انسانِ کامل کہ جو ہر "انا" کا مقام جمع ہے

سالک: آپ کچھ بھی کہیں

میرے نزدیک تو نقل اک خودکشی ہے

یہ اقبال کے لفظ میں بت گری ہے

Scanned by CamScanner

حمید نسیم: مگر بت وہ کیا ہے؟

کیا وہ انسان کامل نہیں ہے؟

جو خود فکر اقبال کا نقطہ ماسکہ ہے

اگر یہ نہیں ہے تو مذہب میں تقلیدِ کامل کا کیا مسئلہ ہے؟

وہ ہو شیخ کی یا نبی کی......

یہ تقلید کیا نقل کامل نہیں ہے؟

سالک: جناب آپ نے اب یہ کامل کی شرط اور اچھی لگائی!

حمید نسیم: یہ شرط اس لیے ہے کہ تقلید جزوی بھی ہوتی ہے

بہت لوگ تقلید ظاہر پہ رک جاتے ہیں

اور باطن کی تقلید تک......

وہ پہنچتے نہیں ہیں!

یہ تقلیدِ کامل وہ ہے

جو بیک وقت

روح اور جسم دونوں کی تقلید ہے!

سالک: کبھی میں نے اس طرح سوچا نہ تھا!

پھر بھی میں سوچتا ہوں کہ میری انا اک بہت منفرد چیز ہے!

یہ وہ شمع ہے

جو خود اپنی ہی ذات کے موم سے جل رہی ہے!

اور پھر اپنی ہی روشنی ہے!

حمید نسیم چلو ٹھیک ہے!

مگر روشنی کتنے رنگوں سے مل کر بنی ہے!

مری ذات میں کتنے "میں" ہیں کہ لمحہ بہ لمحہ بدلتے چلے جا رہے ہیں

Scanned by CamScanner

وہ ''میں ''جو محبت کرے وہ بھی میں ہوں!

وہ ''میں ''جو کہ نفرت کرے، وہ بھی میں ہوں

وہ ''میں ''جو محبت پہ خوش ہو، وہ میں ہوں

وہ ''میں ''کہ جو نفرت سے آزردہ ہو، وہ بھی میں ہوں!

پھر اک اور ''میں '' ہے......

کہ جو میری ہر اک خوشی اور آرزدگی کو

تماشائی کی آنکھ سے دیکھتا ہے

سو یہ ''میں '' بھی میں ہوں!

اور اس کے سوا

جو تماشا

تماشے کے افراد،

اور پھر تماشائی

ان سب کو تم سے بیاں کر رہا ہے وہ ''میں '' بھی تو میں ہوں!

سالک: بہت خوب! اچھا تماشا جمایا

تو میری انا ایک اسٹیج ہے

جس پہ میں خود ہزاروں لباسوں میں

یوں جلوہ گر ہوں

کہ میں خود تماشا،

تماشے کے افراد،

اور خود تماشائی ہوں!

اس کا مطلب تو یہ ہے کہ میں ''میں '' نہیں ہوں!

''میں ''جو ہے وہ کوئی اور ہے!

Scanned by CamScanner

حمید نسیم: کوئی اور ہے؟ اور وہ کون ہے؟
وہ بھی "میں" ہوں!
سنا آپ نے
میں بخاریؔ بنا
اور پھر بقول سلیمؔ
میں نے غالبؔ کو بھی سرپرستی میں اپنی لیا
پھر وہاں سے چلا اور غالبؔ سے سقراطؔ تک
کتنے بہروپ بدلے!
اور اب گھوم پھر کے فقط "میں" ہوں
کہ جو آپ کے ساتھ کافی بنانے میں مصروف ہے!

سالک: اگر وہ جو میرے سوا "اور" ہے
اور وہ "میں" نہیں ہے
مگر آپ کا قول ہے وہ بھی "میں" ہے!
تو پھر مجھ میں اور اس میں کیا فرق ہے؟

حمید نسیم: فرق وہ ہے جو "امکان" میں اور "تکمیلِ امکان" میں ہے!
آپ نے چاند دیکھا ہے؟
پہلی کا چاند!
اگر غور سے دیکھئے تو وہاں
نور کا دائرہ سا نظر آئے گا
یہ وہ دائرہ ہے
جو کچھ دن کے بعد
بدرِ کامل بنے گا!

وہ پہلی کا چاند ایک امکان ہے
اور یہ بدر تکمیل امکان ہے!
مگر دونوں کے درمیاں اک خلا ہے

سالک: خلا؟ اور خلا کیا ہے؟

حمید نسیم: (مسکرا کر) انسان کی آگہی ہے!

سالک: (حیرت سے) کیا؟ آگہی اک خلا ہے؟

حمید نسیم: ہاں یہی وہ خلا ہے
جو انسان کو
اور ہر چیز سے
مختلف اور جدا کر کے
انساں بناتا ہے!
کیونکہ ہر چیز جو آدمی کے سوا ہے
فقط "ہے"!
یعنی اس کا تعین مقرر ہے
مگر آدمی آگہی کے خلا کے سبب
جو بھی چاہے وہ بننے میں آزاد ہے!
اس لیے...... آدمی کیا ہے؟
آزادی ہے!
چھوڑیئے کافی پیجئے......

سالک: شکریہ!
آپ شاید ابھی مثنوی پڑھ رہے تھے؟

حمید نسیم: ہاں میں رومیؔ کا عاشق ہوں

Scanned by CamScanner

اور ڈانٹے کا بھی مداح ہوں

مگر میں مسلمان ہونے کے باعث

یا خدا جانے کیوں؟

رومیؔ کو

کچھ زیادہ پسندیدہ شاعر سمجھتا ہوں!

آپ نے مثنوی تو پڑھی ہے؟

سالک: نہیں!

اور پڑھی بھی تو سمجھی نہیں

حمید نسیم: سمجھنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے

پہلے خود کو پڑھو،

اپنے اندر پڑھو،

اور پھر اپنے باہر پڑھو!

جس نے رومیؔ کو سمجھا

وہ خود پہلے...... ہنسئے نہیں،

صاحبِ مثنوی بن چکا تھا

اور جب اس کے اندر کے رومیؔ نے رومیؔ کو پایا

تو سمجھا،

کہ یہ دونوں اک آئینہ ہیں

کہ جو ایک میں ایک کو دیکھتے ہیں!

وہ ریاکار قاری

کہ جو مراہم شکل ہے

بھائی ہے!

وہ "میں" ہے
جو میری مدد سے مجھے پا رہا ہے!
مگر قول رومیؔ کا یہ ہے
قیامت جسے دیکھنی ہو وہ پہلے "قیامت" بنے
"دیدنِ ہر چیز را شرط است ایں"
دیکھنے اور سمجھنے کے صرف ایک معنی ہیں...... "ہونا!"

سالک: تو رومیؔ کو پڑھنے کا مفہوم ہے، رومیؔ ہونا!

حمید نسیم: جی ہاں! میرے نزدیک پڑھنا اسی کام کا نام ہے
خیر! ہم کچھ "انا" یا خودی کے سوالوں کے گرداب میں پھنس گئے تھے
برا کیا ہے، کچھ دیر چکر لگا لیں
تریں تو تریں ورنہ پھر ڈوب جائیں!

سالک: بجا ہے!

حمید نسیم: ایمرسنؔ کا کہنا وہی ہے کہ جو آپ کا ہے،
کہ ہر "نقل اک خودکشی ہے"
کہ مرگِ خودی ہے!
وہ کہتا ہے "جب طفلِ شیطان ہوں میں
تو پھر کیوں نہ شیطان کا ساتھ دوں!
کیوں جہنم کے یا چرچ کے یا محلے کے لوگوں کے ڈر سے
میں "رحمٰن" کی گود میں بیٹھ جاؤں!
میں بچہ نہیں ہوں
جو "رحمٰن" یا ان کے بھیجے ہوئے
مسیحا، پیمبر یا خود ان کے او تار کو نقل کا اک نمونہ بناؤں

اور اگر طفل شیطاں نہیں ہوں

"عبد رحمٰن" ہوں!

تو پھر مجھ کو اپنی خودی کے سوا اور کیا چیز درکار ہے؟"

سالک: ٹھیک ہے! مرا مسئلہ بھی یہی ہے

حمید نسیم: یہ "رومانیوں" کا چراغِ تفکر ہے جو ایک مدت سے

مذہب، ادب، آرٹ، اخلاق اور زندگی کے ہر ایک طاق میں جل رہا ہے

اس کا کیا نام تھا جس نے پہلے یہ دعویٰ کیا

کہ "جب بائبل میرے ہاتھوں میں ہے

تو اپنی جگہ خود ہی میں پوپ ہوں!

خدا اور مرے درمیاں کوئی حائل نہیں ہے

کہ اس سے مرا انفرادی تعلق ہے!"

ہمارے یہاں بھی تجدد کے مارے ہوئے لوگ

سو سال سے کچھ اسی قسم کے فلسفے گھڑ رہے ہیں

تو ہاں کون تھا وہ؟

سالک: لیوتھر!

حمید نسیم: ہاں وہ لیوتھر ہی تھا جس نے مغرب میں

مذہب کے تابوت میں اولیں میخ ٹھونکی!

وہ بھولا کہ اس کے خدا اور خود اس کے مابین عیسیٰ ہیں!

مرے اور میرے خدا کے تعلق میں

اک لازمی اور یقینی کڑی

محمد ﷺ ہیں!

"...... بہ مصطفیٰ بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست"

محمدؐ نہیں تو خدا بھی نہیں ہے،

Scanned by CamScanner

توجب......

سالک: ذرا ٹھہریئے!

کیا خدا تک رسائی کا کچھ اور امکاں نہیں ہے؟

حمید نسیم: ہوگا! لیکن برائے مسلماں نہیں ہے

توجب واسطہ درمیاں ہے

تو میری خودی واسطے کے نمونے کی محتاج ہے!

لیجئے رومیؔ کا یہ شعر پڑھئے

سالک: برلبِ منصور اناالحق عین نور

برلبِ فرعون انااللہ عین زُور

حمید نسیم: تو منصور نے بھی ''اناالحق'' کہا

اور فرعون نے بھی ''انااللہ'' کہا

ایک مقبول ہے

ایک مردود ہے

سالک: مگر کیوں؟

حمید نسیم: میں نے تم سے کہا تھا کہ انسان ''آزادی'' ہے!

یہ آزادی کس چیز کی ہے؟

سالک: کہ میں جو بھی چاہے بنوں!

حمید نسیم: مگر کیا بنوں؟

سالک: آپ بتلایئے!

حمید نسیم: آزادی یہ ہے کہ میں جو بھی چاہے بنوں!

یعنی نیکی، بدی، خیر اور شر کی،

ہر راہ میرے لیے

صرف میرے ارادے کا اک مسئلہ ہے

Scanned by CamScanner

ورنہ میرے لیے

کچھ بھی کرنے کا دروازہ وا ہے!

"خیر" بھی مجھ میں ہے

"شر" بھی ہے

میں اسفل بھی ہوں اور اعلیٰ بھی ہوں

اور کلید اپنی آزادی کی

گم کروں میں

تو اک بند تالا بھی ہوں!

تو پھر چاہے اسفل بنوں،

چاہے اعلیٰ بنوں،

اور چاہوں تو کچھ بھی نہ کر کے فقط بند تالا بنوں!

اب مری ذات میں دو انا، دو خودی ہیں!

خودی جو کہ اسفل ہے،

خودی جو کہ اعلیٰ ہے،

سمجھئے نہ ہرگز کہ مجبور ہوں میں

میں اسفل خودی کی صدا ہوں تو فرعون ہوں

ورنہ منصور ہوں میں!

راہ فرعون تقلید شیطان ہے

راہِ منصور تقلیدِ "انسان" ہے!

کہ جو مظہرِ نورِ رحمٰن ہے

ایمرسن کو کافی میں ڈالو

Scanned by CamScanner

نیا دور

نئی زندگی تھی نئے حوصلے تھے
کہ در پیش مجھ کو نئے مسئلے تھے
ہر اک چیز کا اک نیا سلسلہ تھا
تغیر ہر اک چیز کو متھ رہا تھا
نئی منزلیں تھیں، نئی شاہراہیں
نئے معرکے تھے نئی تھیں پناہیں
خدا کائنات اور انسان کے رشتے
نئے طرزِ احساس میں ڈھل رہے تھے
وہ کیا دور تھا اور کیسا زمانہ!
مجھے یاد ہے اب بھی اس کا فسانہ
عجب کشمکش میں گرفتار تھا میں
نہ میں سو رہا تھا، نہ بیدار تھا میں
گزر پھر ہوا ایسے عالم میں میرا!

Scanned by CamScanner

مجھے میرے لفظوں کے مردوں نے گھیرا
وہ بھوتوں کے مانند مجھ کو ڈرائیں
غلیظ اور نجس مرگھٹوں میں پھرائیں
ہر احساس کو میرے آنکھیں دکھائیں
ہر ادراک کا میرے وہ منہ چڑائیں
وہ کیڑوں کے مانند جب کلبلائیں
تو جیسے مجھے نابداں میں پھرائیں
اگر چپ رہوں میں تو وہ بلبلائیں
میں غصے میں آؤں تو وہ کھلکھلائیں
مجھے میرے الفاظ لگتے تھے ایسے!
سڑی لاش میں بھوت گھس جائیں جیسے
اگرچہ مری روح میں برہمی تھی
غزل کو جو دیکھو تو گویا ممی تھی
کہوں کیا؟ مرا حال کیا ہوگیا تھا
کہ زندہ کو جیسے کفن میں سیا تھا
یہی حال کچھ میرے ماحول کا تھا
کہ میرا شعور ادب دیکھتا تھا
عجب طرح کی شاعری ہو رہی ہے
بنام ادب "مسخری" ہو رہی ہے

Scanned by CamScanner

درہجوِ شاعری

ہو رہی ہے ہر طرف سے منمناتی شاعری
منمناتی، چنچناتی، بھنبھناتی شاعری،
حافظ و خیام کو ٹھینگا دکھاتی شاعری
خالی بوتل سونگھ کر نشے میں آتی شاعری
سنگ سینوں پر جمی ہو جیسے کائی شاعری
غازۂ الفاظ سے تھوپی تھپائی شاعری
جیسے کیڑے ہوں گٹر میں بجباتی شاعری
ریڑھ کی ہڈی سے خالی لجلجاتی شاعری
فارم کی جدت سے اک صورت نئی پہنے ہوئے
سوٹ کے اندر پرانی مرزئی پہنے ہوئے
چہرۂ خالی پہ اک فکری سماں لائے ہوئے
دانت پھاڑے، منہ بنائے ہونٹ لٹکائے ہوئے
آدمی سے آدمی کی گفتگو بھولی ہوئی

Scanned by CamScanner

فکر کے آماس سے گویا زباں پھولی ہوئی
پنیوں کے چاند پر، جھوٹی ضیا چھڑکے ہوئے
کاغذی پھولوں پہ اک عطرِ ریا چھڑکے ہوئے
صدقِ احساس و بیاں کے سب سبق بھولی ہوئی
کال کے موسم میں اک پھیکی دھنک پھولی ہوئی
دل تو پتھر کا مگر اوپر سے غم اوڑھے ہوئے
کانچ کی آنکھوں پہ جھوٹی چشمِ نم اوڑھے ہوئے

مجھے عسکری نے وہ نسخہ بتایا
کہ ردِ بلا کا وظیفہ سکھایا
اسے لکھ رہا ہوں اعادے کی خاطر
نئے شاعروں کے افادے کی خاطر!
کہا "چاہتے ہو کہ ٹالو بلا کو!
جو ہے ذہن میں ایک سانچہ وہ توڑو!
یہ سانچہ تو ہے روح کا ایک زنداں
قیامت ہے گر اس میں پھنس جائے انساں
یہ ہوتا ہے پہلے تو نرم اور کچا
مگر بعد میں مثلِ فولاد پکا!
جتن کوئی کیجئے بدلتا نہیں ہے
کوئی اس میں پھنس کر نکلتا نہیں ہے
کوئی طرزِ احساس چھوڑے تو ٹوٹے
کوئی روح کو اپنی توڑے تو ٹوٹے

Scanned by CamScanner

مگر میں تمہیں ایک نسخہ بتا دوں
اگر مان لو حلِ مشکل کرا دوں
تم اس طرح کم بخت سانچے کو توڑو
نئے لفظ لکھو، پرانے کو چھوڑو!
نئے لفظ لکھو جو اتنے کڑے ہوں
کہ جیسے کہیں دل میں پنجے گڑے ہوں
مجھے خوف تھا ہاتھ سے بات جائے
کہیں مجھ سے پھر شعر ہو بھی نہ پائے
کہیں یہ نہ ہو مفت بدنام ہو کر
نیا تجربہ کر کے ناکام ہو کر!
جو تھوڑا بہت کام ہے بھول جاؤں
جو تھوڑا بہت نام ہے سو گنواؤں
مگر مجھ کو رہبر جو کامل ملا تھا
تو آسان میرا ہر اک مرحلہ تھا!
کبھی مجھ سے کہتے چمار آپ لکھئے
اسی طرح کے لفظ چار آپ لکھیئے
کوئی معترض ہو تو کہیے یہ فوراً
کہ معنی تو ہیں لفظ میں اتفاقاً
کہ میں تو فقط قافیئے جوڑتا ہوں
یہ معنی کا کام آپ پر چھوڑتا ہوں
یاد ہے یارو تمہیں عالم مرا
وہ مزاجِ شاعری برہم مرا

Scanned by CamScanner

مجھ پہ اک الفاظ کا عالم کھلا
کیا مزا آیا کہ جب میں نے لکھا
آ کے اب جنگل میں یہ عقدہ کھلا
بھیڑیے پڑھتے نہیں ہیں فلسفہ
ریچھنی کو شاعری سے کیا غرض
تنگ ہے تہذیب ہی کا قافیہ
گورخر کی دھاریوں کو دیکھ لو
سوٹ چوپائے بھی لیتے ہیں سلا
لومڑی کی دُم گھنی کتنی بھی ہو
ستر پوشی کو نہیں کہتے حیا
کھال چکنی ہو تو دھندے ہیں ہزار
گیڈری نے کب کوئی دوھا سنا
رنگ وہ سارے شفق کے اڑ گئے
کیا دھماکہ تھا کہ بھک سے اڑ گئے
پٹیوں کا چاند کجلانے لگا!
یعنی میری چاند سہلانے لگا

مری زندگی کا نیا دور تھا یہ!
کہ شاخِ غزل پر نیا بور تھا یہ!
مجھے شعر کہنے میں لطف آ رہا تھا
یہ لگتا تھا میں کیریاں کھا رہا تھا
مرے چار جانب مگر شور سا تھا
جسے دیکھئے اک نئی کہہ رہا تھا

Scanned by CamScanner

کسی نے کہا خوب اسٹنٹ مارا
کسی نے کہا اڑ رہا ہے غبارا
کسی نے کہا ہے یہ شہرت کا چکر
لکھا بعض نے ہے یہ شہوت کا چکر
مرے تجزیے کے لیے بالا بالا
کسی نے بغل سے فرائڈ نکالا
کوئی ایڈلرجی سے فریاد کر کے
کہیں سے ورق دو و رق یاد کر کے
کہے راز ہے یہ نئی شاعری کا
انہیں ایک احساس ہے کمتری کا
کسی نے کہا دل لگی کر رہے ہیں
کسی نے کہا مسخرے بن گئے ہیں
ادب کی، کہے کوئی توہین ہیں یہ
نئے عہد کے ایک چرکین ہیں یہ!
کسی نے بڑی طرحِ تحقیق ڈالی
تو جعفر زٹلی سے نسبت نکالی
کوئی ان میں شاعر تھا نقاد کوئی
کوئی ماہر فن تھا، استاد کوئی
مگر کون اندر سے پہچانتا تھا؟
یہ چکر ہے کیا کون اسے جانتا تھا
ادب ساری دنیا کا گورٹ لیا ہے
مگر یہ نہیں جانتے لفظ کیا ہے

Scanned by CamScanner

نیند سے پہلے

ایک دن شام کو بازار میں چلتے پھرتے
سنسناہٹ سی ہوئی سارے بدن میں میرے
سانس بھاری ہوا، سینے میں اٹک کر آیا
کچھ قدم اور چلا ہوں گا کہ چکر آیا
پھر مجھے یاد نہیں کیسے ہوائیں بدلیں
وقت، بازار، سماں اور فضائیں بدلیں
جانے کیوں دیکھ کے بازار کو ڈر آنے لگا
بے ضرر چیزوں سے بھی خوف ضرر آنے لگا
جانے کیا آنکھ کو بن دیکھے نظر آتا تھا
ایک ایک عضو بدن خوف سے تھراتا تھا
جسم قابو میں نہ تھا سینے میں دل اٹکا تھا
پاؤں رکھتا تھا کہیں اور کہیں پڑتا تھا
حبس محسوس ہوا ٹھنڈا پسینہ ٹپکا

Scanned by CamScanner

چڑھ گیا ذہن پہ دھند اور دھویں کا بھبکا
چلنا کیسا کہ گھسٹتا ہوا گھر میں آیا
مجھ سے دو چار قدم آگے تھا میرا سایہ
کیسا سایہ کہ ہر اک لمحہ بدلتا جائے
دم بدم ایک نئی شکل میں ڈھلتا جائے
کبھی سمٹے، کبھی پھیلے، کبھی سہمے، کانپے
کبھی رینگے کبھی دوڑے کبھی رک کر ہانپے
مجھ کو یوں لگتا تھا میں جان رہا ہوں خود کو
اس کی ہر شکل میں پہچان رہا ہوں خود کو
ڈرتے ڈرتے جو قدم اور بڑھائے میں نے
وحشتِ روح کے ساماں نئے پائے میں نے
بے سبب ہر در و دیوار کو برہم دیکھا
بلب میں چشم غضب ناک کا عالم دیکھا
کیسی آواز چلی آتی ہے گھر گھر گھر گھر
آنکھ اٹھاؤں تو بلا ناچ رہی ہے سر پر
ہاتھ کرسی نے اچانک مری جانب پھیلائے
میں جو پلٹا ادھر میز نے بھی پاؤں بڑھائے
خود بخود جوتوں میں حرکت ہوئی موزے بھاگے
کلبلاتے ہوئے کیڑے تھے کشن کے تاگے
سرسراہٹ سی یکایک ہوئی پردے کے قریب
سانپ سا رینگ رہا تھا مرے تکیے کے قریب
بند گھڑیال میں بجنے لگے اک دم بارا

Scanned by CamScanner

قہقہہ مجھ پہ ہواؤں نے اچانک مارا
بیٹھنا چاہا تو صوفوں نے دبا کر بھینچا
بھاگنا چاہا تو پردوں نے پکڑ کر کھینچا
پھر ذرا دیر میں جیسے کہ یہ سب کچھ بھی نہ تھا
دل کو وحشت تھی پہ وحشت کا سبب کچھ بھی نہ تھا

Scanned by CamScanner

ڈِنر

ایک دن رات کو میں ایک ڈنر میں پہنچا
نو بجے ہوں گے کہ اک دوست کے گھر میں پہنچا
روح پتھرا گئی اس طرح کا منظر دیکھا
جُھک گئی آنکھ تو کوشش سے مکرر دیکھا
ہوگیا سنگ نما دیدۂ حیراں کیا کیا
کرسیوں پر نظر آئے مجھے حیواں کیا کیا
سخت کالر میں پھنسے بیٹھے ہیں اور بوٹ میں ہیں
قاعدے کا ہے بہت پاس کہ فل سوٹ میں ہیں
کھانا کھاتے ہیں تو چپ چپ کی صدا آتی ہے
پانی پیتے ہیں تو لپ لپ کی صدا آتی ہے
گھاس کی کرسی پہ بیٹھا ہوا خر کھاتا ہے
جہل کے توس سے دانش کا بٹر کھاتا ہے
پہلوئے نحس میں لنگور ہے اک حُور لیے

Scanned by CamScanner

لومڑی بیٹھی ہے اک خوشۂ انگور لیے
سوپ اشکوں کے سڑپتا ہے وہ اجگر بیٹھا
رَس نگاہوں کا نگلتا ہے وہ بندر بیٹھا
ریچھ اک سمت میں وہ مغز ہنر کھاتا ہے
بھیڑیا پنجوں کے بل قاشِ جگر کھاتا ہے
تیندوا ایک طرف پُشت کیئے بیٹھا ہے
ایک انسانِ مُسلم کو لیے بیٹھا ہے
اور وہ مہمانِ خصوصی کی بڑی کرسی میں
اک سگِ سرُخ نشستہ ہے ہری ٹائی میں
کل ہی اک "تمغۂ د مباز" ملا ہے اس کو
اپنی ناپاکی کا اعزاز ملا ہے اس کو

چہرہ ہاتھوں ٹیں چھپائے ہوئے ڈر کر بھاگا
دور تک، تیرہ و تاریک سڑک پر بھاگا
رفتہ رفتہ وہ سڑک جانے کہاں جانکلی
مجھ کو محسوس ہوا راہ نئی آنکلی

قصرِ سیاہ

سوچتا تھا کہ یہ کس راہ قضا میں، میں ہوں
دیکھتا کیا ہوں کہ اک دشت بلا میں، میں ہوں
وسعتِ وقت کی مانند ہے جس کا دامن
ہو کا سناٹا ہے، چلتی ہیں ہوائیں سن سن
بھاگے پھرتے ہیں جھکولے کہیں غولوں کی طرح
رقص کرتے ہیں بگولے کہیں بھوتوں کی طرح
دور سے "بوم" کی اس طرح صدا آتی ہے
قہقہہ مارتا ہو لاش پہ کوئی جیسے
روشنی ہے جو شفق پر کسی موتی کی طرح
تیرگی میں ہے سفیدی لبِ زنگی کی طرح
چاند تاریک فضاؤں میں اتر آیا ہے
برص کا داغ رخِ شب پہ ابھر آیا ہے
کہکشاں دُور تلک آئے نظر میں ایسے

راہ میں لوٹ رہا ہو کوئی اژدر جیسے
ایک تارا ہے ادھر خون چکاں لب کی طرح
اک طرف خوشۂ پروین ہے عقرب کی طرح
خاکِ آفاق میں تارے جو دمک اٹھے ہیں
دانت ہیں کالی بَلا کے جو چمک اٹھے ہیں
ورنہ آسیب ہیں، عفریت ہیں یا سائے ہیں
مشعلیں لے کے سر راہ چلے آئے ہیں

اور اس دشت میں کچھ دُور پہ اک قصرِ سیاہ
سہم کر جس سے پھر آئے درِ مژگاں میں نگاہ
برج کالے ہیں، فصیلیں ہیں سیہ، در کالے
فرش سے سقف تلک سارے ہیں پتھر کالے
شہ نشیں کالے، ستوں کالے، شجر کالے ہیں
شاخیں کالی ہیں، سبھی برگ و ثمر کالے ہیں
روشیں کالی، لکیریں بھی ہیں کالی کالی
کالے پردے پہ شبیہیں بھی ہیں کالی کالی
جا بہ جا اس کی فصیلوں پہ ہے اس طرح گیاہ
دہر پر جیسے مسلط ہو شبِ تار گناہ
اور اس قصر پہ اس طرح نحوست کا ہجوم
"شوم" کے فرق پہ جس طرح سے ہو سایۂ بوم
اور اس میں کوئی جھانکے تو نظر آتا ہے
ایسا منظر کہ جسے دیکھ کے ڈر آتا ہے

Scanned by CamScanner

پالتی مار کے اک سمت ہے وحشت بیٹھی
منہ پھلائے ہوئے اک سمت عداوت بیٹھی
بغض اک کونے میں بیٹھا ہے جگالی کے لئے
منہ بنائے ہے ہوس کاسۂ خالی کے لئے
آگ کھاتی ہے وہ اک سمت میں نفرت بیٹھی
رال ٹپکاتی ہے اک سمت شقاوت بیٹھی
جہل اک سمت میں کھاتا ہے وہ دانش کے کباب
کاسۂ سر میں اُدھر ظلم وہ پیتا ہے شراب
جام پر جام پلاتا ہے حسد کو کینہ
بے حیائی وہ دکھاتی ہے کمر اور سینہ
ران سہلاتی ہے عریانی فطرت اپنی
چھاتیاں ملتی ہے اک سمت وہ شہوت اپنی
ایک کونے میں نظر جس سے اِبا کرتی ہے
دنیاداری کسی کتے سے زنا کرتی ہے
اپنی فطرت کی دنایت پہ گواہی بن کر
زہر کے جام لنڈھاتی ہے جماہی لے کر
کفر وہ بیچ میں مسند پہ ڈٹا بیٹھا ہے
حاکمِ وقت کی مانند تنا بیٹھا ہے
سیر ہوتی نہیں اک ایسی طلب جاری ہے
جام گردش میں ہیں اور رقصِ طرب جاری ہے
غیرتیں ساز بجاتی ہیں دلوں میں رو کر
عصمتیں بھاؤ بتاتی ہیں برہنہ ہو کر

Scanned by CamScanner

رقص میں جاں پہ شرافت کی عجب تنگی ہے
ضرب کوڑوں کی پڑی ہے سو کمر ننگی ہے
اشک آنکھوں میں سنبھلتا نہیں، بہتا بھی نہیں
سر پہ عزت کے تقدس کا دوپٹہ بھی نہیں
اور وہ اس کے مقابل میں عیاذاً باللہ
دیکھ کر جس کو تڑپتی ہے جراحت سے نگاہ
رحلِ تقدیر پہ قرآن جلی رکھا ہے
طشتِ زریں پہ سرِ ابنِ علی رکھا ہے

نیند کی وادی

تم نے

تم نے

مارا...... تم نے مارا

کیوں مارا...... تم نے

مجھ کو کیوں مارا

بولو...... بولو

کیوں...... مارا

میری روح میں جلتا ہے

جلتا ہے...... جلتا ہے...... جلتا ہے...... انگارہ......

کیوں مارا......

تھپڑ مارا...... تھپڑ...... تھپڑ...... کیوں مارا

تھپڑ مارا...... زخم لگایا...... زخم لگایا...... باغ لگایا

جنت...... جنت...... باغِ جنت...... میں تھا...... باغ تمہارا

Scanned by CamScanner

باغ جنت میں تھا...... میں تھا...... میں تھا پھول تمہارا...... دل میں مہکوں
روح میں مہکوں...... خون میں مہکوں...... میں تھا...... پھول تمہارا...... باغ تمہارا
کیوں مارا
ابنِ علی ہو...... ابنِ علی ہو
ابنِ علی ہو
میں ہوں پھول تمہارا
کیوں مارا
انگارا...... انگارا...... انگارا

اطہر (۱)

اطہر

اطہر

اط...... ہر ہر ہر...... ہری ہری...... ہری اوم
اوم...... اوم...... ہری اوم
اوم...... او...... ام...... آدم
آدم...... ابا
ابا...... بابا
بابا...... بابا...... ابابابا...... ابو...... ابو...... ابو...... برہم
برہم...... برہم...... بر...... آدم...... برہم...... برہما
برہما...... براہم...... براہم...... براہیم
برہما آئے
آدم آئے
بیٹھ...... بیٹھو...... ٹھو، ٹھا...... ٹھاکر...... ٹھاکر

Scanned by CamScanner

مان سنگھ......مان سنگھ......جودھابائی......نور جہاں

نور جہاں کہاں ہے

نور

جہاں......جہاں پناہ......

مہابلی

بل

بل

بل

بلدیو......مہادیو

مہادیو، مہادیو......کھیولی......کھیولی......ابو......ابو......ابو کب آئیں گے......

ابو کل آئیں گے

کل......کل......کل......کال مہاکال کل

ابو کل آئیں گے......مہابلی کل آئیں گے

جہاں پناہ کل آئیں گے

مان سنگھ بیٹھو......مہابلی کل آئیں گے

مان سنگھ......مان، مان، مان، مسلمان

مسلمان......مسلمان......راجپوت ہو

پوت ہو

بھائی ہو......شمیم......ابو کل آئیں گے۔ مہابلی کل آئیں گے......کل کل کال مہاکال

بیٹھو......اطہر......بیٹھو

عالی

Scanned by CamScanner

عالی

خالی

عالی آئے

عالی جعلی

عالی...... حالی...... عالی آئے

عالی خالی آئے

کون آیا ہے...... عالی بھائی

بھائی...... بھائی...... کیا بھائی...... کیوں بھائی

صورت بھائی...... سیرت بھائی...... بھائی عالی...... عالی بھائی

بیٹھو عالی

عالی......اعلیٰ......اولی......اولیٰ

اولیٰ مولا......

مولا وہ ہے......اولیٰ وہ ہے......اولی وہ ہے......اعلیٰ وہ ہے

وہ ہے......وہ ہے......وہ ہے......وہ......وہ......وہ

ھو ھو ھو

ھواحد علی...... ھوالاکبر...... ھوالقادر...... ھوالغالب...... ھوالقہار

ھوالقہار

ھوالقہار

ھوالقہار

قہار، قہار، قہار

بھاگو عالی...... بھاگو...... قہ، قہ، قہ قہار...... قہار...... جبار...... جبار ھوالجبار

ھوالغفار...... ھوالستار...... ھوالستار...... ھوالرحیم...... ھوالرحمٰن...... ھوالرحمٰن

Scanned by CamScanner

ھوالغفار...... آؤ...... آؤ...... عالی آؤ...... آؤ...... کھاؤ

کھاؤ...... تم دونوں کھاؤ۔ دونوں دشمن کھاؤ۔ دونوں بھائی کھاؤ

کھاؤ...... گاؤ...... گاؤ...... گاؤ...... کیا گاتے ہو۔ گانا...... نا...... نالہ...... نالہ...... نالہ

نالہ نے...... بشنو عالی...... بشنو...... بشنو...... گاؤ...... اچھا گاتے ہو......

گاؤ...... گاؤ

بشنو، بشنو

جاؤ...... عالی جاؤ...... عالی جاؤ

پھر آنا...... پھر آنا...... پھر آنا

چہرے...... چہرے...... چہرے

کتنے چہرے...... چاروں طرف

کتنے چہرے

آدھے چہرے

آدھے چہرے

دائیں بائیں آدھے چہرے

روشن چہرے

کالے چہرے

روشن چہرے دائیں...... کالے چہرے بائیں

دائیں چہرے جنت چہرے

بائیں چہرے دوزخ چہرے

دونوں میرے چہرے

میرا چہرہ جنت چہرہ...... میرا چہرہ دوزخ چہرہ

Scanned by CamScanner

روشن چہرہ...... کالا چہرہ

کالے چہرے کو دھوئں

کالے چہرے کو دھوئں

پانی...... پانی...... امی پانی......

پرچم...... پرچم...... چم چم......

چم چم پرچم......

میرا پرچم!

کس کا پرچم

سب کا پرچم...... میرا پرچم......

مشرق...... مغرب...... سب کے پرچم...... میرا پرچم

میرا پرچم...... میں...... کون...... کون...... میں کون

میرا پرچم...... میرا پرچم...... سب کا پرچم

سلامی اتارو...... اتارو...... اتارو...... سلامی

انتظار؟

انتظار

کس کا انتظار

انتظار حسین...... حسین کا انتظار...... حسن کا انتظار...... مہدی کا انتظار

تمہیں کس کا انتظار ہے؟

لاہور سے آئے ہو

دیکھنے...... پہچاننے

حسینی علم اب کہاں ہیں؟

حسین اب کہاں ہیں

Scanned by CamScanner

حسن اب کہاں ہیں

بلاؤ...... بلاؤ...... بلاؤ

مرے منتظر تھے...... آئے ہو...... انتظار حسین آئے ہو......

یہاں آؤ...... میں...... دیکھو...... پہچانو......

احد...... احد...... ھوالاحد...... الف

الف 'احد'

انا...... الف انا......

انا...... احد...... انا الاحد

احد ہوں......

احد ہوں......

احد ہوں......

میں احد ہوں

نور ہے...... نور ہے...... نور ہوں

میں نور ہوں...... مگر...... ہاں دوسری سمت بھی کوئی ہے

کون ہے...... کون ہے...... کون ہے

دوسری سمت یہ کون ہے

میرا مقابل...... میری تصویر ہے

ہاں یہ احمد ہے

احمد...... احمد...... احمد

احد اور احمد

احد میں ہوں اور یہ احمد ہے

Scanned by CamScanner

یہ احمد ہے اور میں احد ہوں

بیچ میں پردۂ نور ہے

پردۂ نور ہے...... میم ہے...... م م م م م

میم حائل ہے

درمیاں......درمیاں

یہ حائل ہے......یہ پردہ ہے

یہ پردہ ہٹادو......یہ پردہ ہٹادو

میں احد ہوں

میں احمد ہوں

ہاں یہی ہے......یہی ہے......یہی ہے

ایک ہیں

ایک ہیں

دونوں

دونوں

دونوں ایک ہیں

نور

نورالسّموات

نورالسّموات والارض

میں نورالسّموات والارض ہوں

مجھ پر اک پردۂ نور ہے

نور ہے......نور ہے

نور ہے......نور پیدا ہوا

Scanned by CamScanner

نور احمد......نور احد

ایک ہیں......

ایک......

رے......

ا......

الف

الف لام......

الف لام میم

لام جبرئیل ہے

الف، میں احد

الف میں احمد

دونوں کے درمیاں

درمیاں......درمیاں......درمیاں

کیا......کون

کون آیا......وہ......

تین...... تین آئے ہیں،

تین یا چار

تین ہیں......اور میں چار

چار

چار

چار کون......جبرئیل......

چار

Scanned by CamScanner

تین آئے ہیں

تین آئے ہیں مجھے دیکھنے

چوتھے نہیں آئے

تین...... بلاؤ...... بلاؤ...... چوتھے نہیں آئے...... چوتھے نہیں آئے

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

اظہارِ حالِ دل پہ ہے اصرار دیکھنا
ظاہر پرست کتنے ہیں غمخوار دیکھنا

یارو ہم اہلِ عشق ہیں ہم پر حرام ہے
فردِ حسابِ اندک و بسیار دیکھنا

اس آنکھ کے سوا نہ کسی کو ہوا نصیب
رنگِ مزاجِ عشقِ خود آزار دیکھنا

بیٹھے ہیں سب سکون سے کہتا نہیں کوئی
کیسا یہ شور ہے پسِ دیوار دیکھنا

اے پاسبانِ شب کوئی دزدِ سحر نہ ہو
پچھلے پہر یہ کون ہے بیدار دیکھنا

اِک ساحلِ امید سے طوفانِ یاس تک
موجِ خیالِ یار کی رفتار دیکھنا

دن سا پہاڑ کاٹ لیا، شام ہوگئی
اب کیا سلیم سایۂ دیوار دیکھنا

۲۵ مئی ۱۹۸۰ء

Scanned by CamScanner

کچھ بھی نہ لغزشِ نگہ یار دیکھنا
بس اپنے آپ ہی کو گنہ گار دیکھنا

کچھ بھی دیکھنے کی اذیت نہیں ہے سہل
کچھ اس سے بھی زیادہ ہے دشوار دیکھنا

گرد و غبارِ شہر میں بارش کی دیر ہے
دھل جائیں گے یہ سب در و دیوار دیکھنا

خواہش تو محترم ہے وہ خواہش کسی کی ہو
اس زاویے سے حسرتِ اغیار دیکھنا

تجھ سے وفا نہ چاہی کہ منظور ہی نہ تھا
اس قید میں تجھے بھی گرفتار دیکھنا

کیا جانے انتظار کو کیا رنگِ خواب دے
یہ شام ہی کو صبح کے آثار دیکھنا

یہ دل ہے اک خانۂ ویراں مگر سلیم
جلتا ہے اک دیا سرِ دیوار دیکھنا

Scanned by CamScanner

تغافل ہے، تجاہل ہے نہ وہ پندار باقی ہے
ہمارے درمیاں پھر کون سی دیوار باقی ہے

ابھی سے شکوۂ کم قدریٔ اقدار کیا معنی
کہ ہم زندہ ہیں دل زندہ ہیں کوئے یار باقی ہے

وہی شہرِ تمنا ہے وہی نازِ خریداراں
وہی اب تک ہجومِ کوچہ و بازار باقی ہے

وہ سورج ڈھل گیا، روزِ محبت ختم پر آیا
مگر کچھ دھوپ سی اب بھی سر دیوار باقی ہے

دل نالاں غنیمت ہے سکوں آباد عالم میں
یہی اک یادگارِ فرصتِ آزار باقی ہے

کرم کا کوئی خانہ ہے، نہ گھر کوئی توجہ کا
مگر چاہو تو ہاں اک گوشۂ اقرار باقی ہے

Scanned by CamScanner

یہ جو اندر میرے تنہائی ہے
وجہہ صد انجمن آرائی ہے

کیسے چپ چاپ کھڑے ہیں لیکن
ان درختوں میں بھی گویائی ہے

پھر بکھر جائیں گے تاروں کی طرح
ایک دو لمحے کی یکجائی ہے

اب تو وہ دورِ محبت بھی نہیں
آنکھ کس درد سے بھر آئی ہے

جو ستاروں پہ چلا کرتے تھے
ان کو قسمت کہاں لے آئی ہے

روشنی سی ہے مشامِ جاں میں
تیری خوشبو مری بینائی ہے

Scanned by CamScanner

نقشِ دیوار وہ صورت بھی گئی
میری آنکھوں کی وہ وحشت بھی گئی

وہ دیا بجھ گیا میرے اندر
وہ ہواؤں سے رقابت بھی گئی

سر بھی رسوا ہیں کہ سودا نہ رہا
سنگِ دیوار کی عزت بھی گئی

جاں سپاری کے بہت دعوے تھے
اب تو جینے کی ندامت بھی گئی

سعیِ آسودگی گئی وصل تو کیا
گریۂ شب کی وہ فرصت بھی گئی

دن کو سائے سے تو کچھ ساتھ بھی تھے
رات کو پھر یہ رفاقت بھی گئی

جس سے زندہ تھے، ضمیر و احساس
اب وہ اندر کی ملامت بھی گئی

Scanned by CamScanner

ترے سلوک کو سمجھا نہیں ہے دنیا نے
ابھی تو عام ہیں جور و کرم کے افسانے!

گزر چکے ہیں مقامِ جنوں سے دیوانے
تری نگاہ اب اٹھی ہے کس کو سمجھانے

ازل سے گوش بر آوازِ پا ہیں ویرانے
جنوں کی کونسی منزل میں اب ہیں دیوانے

وہ جن کو راس نہ آئی تھی تیری قربت بھی
ہیں تجھ سے چھوٹ کے کس حال میں خدا جانے

ہوا ہل دل پہ ہیں الزام سب بجا ہیں مگر
تری نظر سے بھی منسوب ہیں کچھ افسانے

وہ اپنے درد کا احوال کیا کہیں کہ جنہیں
مٹا دیا ہے ترے التفاتِ بیجا نے

یہاں نہ ڈھونڈ انہیں اب کہ کوئے جاناں سے
چلے گئے ہیں تلاشِ سکوں میں دیوانے

سلیم تو ہی سمجھ لے مزاجِ دنیا کو
ترا مزاج تو سمجھا نہیں ہے دنیا نے

Scanned by CamScanner

بھٹک کے قافلہ اہل دل جہاں نکلا
وہیں سے منزل مقصود کا نشاں نکلا!

نہ زادِ رہ، نہ رہ بر، نہ منزلِ مقصود
عجیب شان سے یاروں کا کارواں نکلا

ترا کرم کہ جسے ہم کرم ہی سمجھے تھے
سو وہ بھی ایک ترا طرزِ امتحاں نکلا

نہ تیری خوئے تغافل، نہ میری خودداری
حجابِ عشق مرے تیرے درمیاں نکلا

جو اہلِ درد کے ہونٹوں پہ اِک تبسم تھا
سو وہ بھی ان کے غمِ دل کا ترجماں نکلا

یہ وہ مقام ہے جس کو سکون کہتے ہیں
ارے سلیم! ادھر آج تو کہاں نکلا

Scanned by CamScanner

تھا ترے حسن کا چرچا سحر و شام بہت
بارے اب دل کی حکایت بھی ہوئی عام بہت

ہم خطا وارِ محبت ہیں، بجا ہے لیکن
آپ کی چشمِ کرم پر بھی ہیں الزام بہت

آج کا عہدِ وفا بھول نہ جانا کل تک
حسن خاکم بدہن، اس میں ہے بدنام بہت

یاس میں اس کے ستم کی بھی توقع چھوٹی
جس سے تھی مجھ کو، کرم کی ہوسِ خام بہت

اف وہ آغازِ تمنا کہ بعنوان خلوص
دونوں جانب سے ہوئے نالہ و پیغام بہت

اب سلیم اس سے ملاقات کی صورت کیا ہو
فرصت اس کو بھی نہیں، ہم کو بھی ہیں کام بہت

Scanned by CamScanner

وضع اپنی چھوڑ کر، یوں مہرباں ہونا نہ تھا
تجھ کو ہم سے اس قدر بھی سرگراں ہونا نہ تھا

اب ترے غم سے کہاں وہ رونقِ بزمِ جنوں
جور میں تجھ کو حریفِ آسماں ہونا نہ تھا

عذر کیا کیجیے کہ تھی دشوار وضعِ احتیاط
شکوہ کیا کیجیے کہ اتنا سرگراں ہونا نہ تھا

ایک دھوکا بھی نہ کھا پائے بنامِ آرزو
یوں بھی عمرِ رائیگاں کو رائیگاں ہونا نہ تھا

ہیں مزاجِ حسن میں نیرنگیاں کیا کیا سلیمؔ
تجھ کو بھی پابندِ یک رسمِ فغاں ہونا نہ تھا

Scanned by CamScanner

مزاج دانِ محبت نگاہِ یار نہیں
دلِ خراب! ترا بھی تو اعتبار نہیں

غمِ فراق کو کیا اہل درد روتے ہیں
نشاطِ وصل بھی کچھ دل کو ساز گار نہیں

وہ بے وفائی کا شکوہ تو تجھ سے کیا کرتے
کہ اہلِ عشق کو خود اپنا اعتبار نہیں

حیاتِ عشق کی تکمیل میں غموں کے سوا
مسرتیں بھی ہیں، جن کا کوئی شمار نہیں

سکوں تو خیر کہاں ہم ستم نصیبوں کو
بس اس قدر ہے کہ اب اتنے بیقرار نہیں

ملے تو ایسے ملے اور چھٹے تو ایسے چھٹے
سلیمؔ آپ کا بس کوئی اعتبار نہیں

Scanned by CamScanner

مزاج دانِ محبت نگاہِ یار نہیں
دلِ خراب! ترا بھی تو اعتبار نہیں

غمِ فراق کو کیا اہلِ درد روتے ہیں
نشاطِ وصل بھی کچھ دل کو ساز گار نہیں

وہ بے وفائی کا شکوہ تو تجھ سے کیا کرتے
کہ اہلِ عشق کو خود اپنا اعتبار نہیں

حیاتِ عشق کی تکمیل میں غموں کے سوا
مسرتیں بھی ہیں، جن کا کوئی شمار نہیں

سکوں تو خیر کہاں ہم ستم نصیبوں کو
بس اس قدر ہے کہ اب اتنے بیقرار نہیں

ملے تو ایسے ملے اور چھٹے تو ایسے چھٹے
سلیم آپ کا بس کوئی اعتبار نہیں

Scanned by CamScanner

کیا جھوٹ، کیا سچ، اللہ جانے
تیری نگہ کے لاکھوں فسانے

مانے تو کس کی دیوانہ مانے
جتنی زبانیں، اتنے فسانے

انداز اس کا، احوال میرا
کچھ میں نہ سمجھوں، کچھ وہ نہ جانے

اللہ رے یہ خود اعتمادی
میں اب چلا ہوں انکو بھلانے

گم کردہ رہ! کیا سوچتا ہے
چھوڑ آیا پیچھے کتنے ٹھکانے

مری وفا کا وہ معترف ہے
اپنی خطا کو مانے نہ مانے

چاہو تو آؤ، چاہو نہ آؤ
دونوں کے یکساں حیلے بہانے

کچھ میرے غم سے نسبت ہے انکو
یاد آرہے ہیں کتنے فسانے

کیا ہے سلیم ان باتوں کا حاصل
کس کو چلا ہے تو آزمانے

Scanned by CamScanner

جس نے ہم کو جگایا تھا
خواب میں چلنے والا تھا

مشعل جس کے ہاتھ میں تھی
وہ تو خود ہی اندھا تھا

تیری منزل مجھ سے تھی
میں منزل کا رستا تھا

سوکھی دھرتی کی تہہ میں
امرت جل کا سوتا تھا

سننے والے بہرے تھے
بولنے والا گونگا تھا

اونچی موج خیالوں کی
دریا سا اک بہتا تھا

باہر والے کیا جانیں
اندر کیا ہنگامہ تھا

Scanned by CamScanner

مجھ کو دشوار ہوا جس کا نظارا تنہا
کاش مل جائے کہیں مجھ کو دوبارا تنہا

اے شبِ ہجر مجھے تو نے تو دیکھا ہوگا
میری مانند نہ تھا صبح کا تارا تنہا

تم نہ ٹھہرے تو کہاں موجِ گریزاں رکتی
میری آغوش کی صورت ہے کنارا تنہا

عذر کیا کیا نہ تراشا کئے اربابِ ہوس
جان دینے کا ہوا عشق کو یارا تنہا

یوں بھی محسوس ہوا جیسے کہ میں ہی تو ہوں
ایک لمحہ میں جسے میں نے گزارا تنہا

یوں تو دنیا میں بہت ہیں کہ رہے ہیں ناکام
بازیِ عشق کو میں جان کے ہارا تنہا

تو نے اے یادِ عزیزاں یہ عنایت کیوں کی
زندگی یوں بھی نہ تھی مجھ کو گوارا تنہا

Scanned by CamScanner

عمر بھر کاوشِ اظہار نے سونے نہ دیا
حرفِ ناگفتہ کے آزار نے سونے نہ دیا

دشت کی وسعتِ بے قید میں کیا نیند آتی
گھر کی قیدِ در و دیوار نے سونے نہ دیا

تھک کے سو رہنے کو رستے میں ٹھکانے تھے بہت
ہوسِ سایۂ دیوار نے سونے نہ دیا

کبھی اقرار کی لذت نے جگائے رکھا
کبھی اندیشۂ انکار نے سونے نہ دیا

ہو گئی صبح بدلتے رہے پہلو شب بھر
ایک کروٹ پہ دلِ زار نے سونے نہ دیا

Scanned by CamScanner

فیض مری یاد کا پھونچا وطن کی خاک تک
میری آہِ سرد سے آبِ چمن ٹھنڈا ہوا

پھونک ڈالا میری ہستی کو تمہاری جنگ نے
کچھ کلیجہ اے خدا و اہرمن ٹھنڈا ہوا

ایک جھونکا یاد کا آیا ہے ایسا گرم و سرد
جاں میں گرمی آگئی ہے اور تن ٹھنڈا ہوا

اک ہوائے وصل میری روح میں ایسی چلی
وہ مزاجِ اختلافِ جان و تن ٹھنڈا ہوا

میری محنت نے مجھے بخشی قبا آسودگی
جب عرق آیا بدن میں پیرہن ٹھنڈا ہوا

Scanned by CamScanner

دکھائیں گے تری تصویر مو بمو اب کے
کہ دل نے عکس اتارا ہے ہو بہو اب کے

نیا ہے شعلۂ مے، دل کی آگ بھی ہے نئی
بدل گئے ہیں مرے ساغر و سبو اب کے

شبِ فراق سے کہدو طویل تر ہوجائے
نئے چراغ جلاتی ہے آرزو اب کے

وفا جفا سے وہ مطلب ادا نہیں ہوتا
کچھ اور ہے مرے خاطر نشیں کی خو اب کے

یہ تیرے رنگ تو آغازِ شوق میں بھی نہ تھے
ملا ہے ٹوٹ کے جس طرح مجھ سے تو اب کے

سکوتِ نیم شبی کی اُداس گہرائی
سمٹ کے بن گئی ہے تیری گفتگو اب کے

مرا وجود دعا ہے کشادِ زخم ملے
سلیمؔ دل کو نہیں حاجتِ رفو اب کے

Scanned by CamScanner

روکے نہ یہ فریبِ بہاراں چلے چلو
یہ دامِ رنگ ہے کہ گلستاں چلے چلو

پھولوں نے آنکھ بھر کے نہ دیکھا تو رنج کیا
کانٹوں کے اِلتفات پہ نازاں چلے چلو

منزل نظر میں ہے تو اندھیروں کی فکر کیا
یارو مثالِ شعلۂ رقصاں چلے چلو

مدت سے دشتِ درد کی راہیں اداس تھیں
اب کے ادھر ہے زورِ بہاراں چلے چلو

روکے جو راستے میں سو رہزن سے کم نہیں
وہ پھول ہو کہ خارِ بیاباں چلے چلو

ہر لمحہ بے کراں ہے جہاں تک سفر کریں
اور رک گئے تو پھر وہی زنداں چلے چلو

جو چپ رہا سلیم سو پتھر سا بن گیا
نالاں سہی، نہیں جو غزل خواں، چلے چلو

Scanned by CamScanner

خود اپنی لو میں تھا محرابِ جاں میں جلتا تھا
وہ مشتِ خاک تھا لیکن چراغ جیسا تھا

میرے خیال کی تجسیم ہے وجود ترا
تیرے لیے بڑی شدت سے میں نے سوچا تھا

یہ واقعہ ہے کہ ہم نے وہ روئے نادیدہ
بغیرِ منتِ چشم و نگاہ دیکھا تھا

معانی شبِ تاریک کھل رہے تھے سلیم
جہاں چراغ نہیں تھا وہاں اُجالا تھا

ایک خوشبو دل و جاں سے آئی
اک مہک زخمِ زباں سے آئی

دشتِ بے آب کی مانند تھا میں
یہ نئی موج کہاں سے آئی

سرد تھی موت کی مانند حیات
آنچ سی شعلہ جاں سے آئی

اتنی رونق سرِ بازارِ وفا
میرے سودائے زیاں سے آئی

کتنی تاریک تھیں راتیں میری
روشنی کس کے مکاں سے آئی

عشق کی دولتِ بیدار سلیم
حُسن پر حُسنِ گماں سے آئی

Scanned by CamScanner

اک نفس میں لاکھ عذاب
اے دل دشمن خانہ خراب
نازِ تشنہ لبی مجھ کو
ایک ہوئے آب و سراب
وصل میں کیا تسکین ملے
موج ہے دریا میں بیتاب
ایک میں دونوں میں اور تو
لیکن اپنے اپنے خواب
دنیا کو سرسبز کرے
میری آنکھوں کا سیلاب
سجدہ گاہِ اہلِ وفا
تیرے ابرو کی محراب
امرت تیری آنکھوں میں
میرے جام میں ہے زہر آب
ایک لمحہ میں کھنچ آیا
ساری عمر کا پیچ و تاب
تیری دین بڑی داتا
درد کی دولت تھی نایاب

Scanned by CamScanner

نہیں کہ چشمِ محبت سوئے مآل نہیں
میں سوچتا ہوں مگر جرأتِ سوال نہیں

ہر ایک سمت ہنسی گونجتی ہے پھولوں کی
بہارِ ناز ابھی واقفِ ملال نہیں

نگاہِ حُسن بہت پُر خلوص ہے لیکن
وفا کے مسئلہ میں میری ہم خیال نہیں

کہاں کی شیشہ گری دل کو جوڑ دیتا ہے
یہ کام وہ ہے کہ جس میں تری مثال نہیں

اسی نے گل کو تری ہمسری پہ اُکسایا
کہ پیرہن میں ترے نکہتِ وصال نہیں

Scanned by CamScanner

اہلِ دل نے عشق میں چاہا تھا جیسا ہو گیا
اور پھر کچھ شان سے ایسی کہ سوچا ہو گیا

عیب اپنی آنکھ کا یا فیض تیرا کیا کہوں
غیر کی صورت یہ مجھ کو تیرا دھوکا ہو گیا

تجھ سے ہم آہنگ تھا اتنا کشش جاتی رہی
میں تیرا ہم قافیہ تھا عیب ایطا ہو گیا

یاد نے آکر یکایک پردہ کھینچا دور تک
میں بھری محفل میں بیٹھا تھا کہ تنہا ہو گیا

کشتیِ صبر و تحمل میری طوفانی ہوئی
رات کو تیرا بدن جب موجِ دریا ہو گیا

کیا ہوا اگر تیرے ہونٹوں نے مسیحائی نہ کی
تیری آنکھیں دیکھ کر بیمار اچھا ہو گیا

عشق مٹی کا عجب تھا مجھ کو بچپن میں سلیم
کھیل میں کیا سوچتا میں جسم میلا ہو گیا

Scanned by CamScanner

کام جو میں نے کیا قسمت سے الٹا ہوگیا
عاشقی کے کھیل میں گھر کا گھروندا ہوگیا

یار لوگوں کو مرا جلنا تماشا ہوگیا
دیکھ کر اٹھتا دھواں میلا اکٹھا ہوگیا

کسمپرسی میں دلالوں نے اضافہ کردیا
تو نے پوچھا درد میرے دل کا دونا ہوگیا

چار دن جی کر بھی کیا کرتا میں تیرے ہجر میں
تو گیا میرے لیے مرنے کا حیلہ ہوگیا

خوش گمانی تیری تعمیر میں بنی تھیں ریت پر
جب حقیقت کھل گئی دریا کی، صحرا ہوگیا

فیض مٹی کا عجب ہے مانجھئے یا کھیلئے
روح اُجلی ہوگئی جسم میلا ہوگیا

لفظ کو چمکا دیا لکھنو کے فیض نے
تم پہ قابو پالیا جب شعر عمدہ ہوگیا

Scanned by CamScanner

وصل کی فکر بھی اندیشۂ فرقت بھی نہ تھا
وہ محبت تھی کہ احساسِ محبت بھی نہ تھا

بے حسی تھی کہ محبت کی ہوئی تھی تکمیل
دل میں اک شائبہ رنج و رقابت بھی نہ تھا

بھول بیٹھے تھے کہ یادوں پہ کہاں تک جیتے
اور اس پر کوئی اظہارِ ندامت بھی نہ تھا

یاد یاراں کی بھی توفیق کہاں سے لاتا
میں وہ بے درد کہ شرمندۂ فرصت بھی نہ تھا

دل پہ جو کچھ بھی گزرتی تھی سو کہہ دیتے تھے
اور اس پر ہمیں کچھ نازِ صداقت بھی نہ تھا

یاد رکھا تو بڑی بات کہ اس مدت میں
بھول بھی جاتے تو پہلوئے شکایت بھی نہ تھا

کیا محبت میں مجھے طالع بیدار ملا
دل ملا، جان ملی، درد ملا، یار ملا

اپنی تنہائی کے اندوہ میں رہتے بستے
میری خاموش وفا کو لبِ اظہار ملا

دل کو قرارِ محبت کی تمنا نہ رہی
ایسا اس شوخ کو پیرایۂ انکار ملا

نیند آئی تو تجھے خواب میں لے کر آئی
کیا شبِ ہجر مجھے طالع بیدار ملا

جاگتے شہر کے کوچوں میں جسے بھی دیکھا
اپنے ہی خواب کے زنداں میں گرفتار ملا

فیض پہونچا ترے گیسو کے پرستاروں کو
حشر کی دھوپ میں ایک سایۂ دیوار ملا

غم کا مضمون سنانا ہے اگر ان کو سلیم
اس میں کچھ اور بھی لذتِ گفتار ملا

Scanned by CamScanner

ہر لمحہ سوال ہوگیا ہے
یہ کیا مرا حال ہوگیا ہے
مرنا بھی نہیں ہے اتنا آساں
جینا بھی محال ہوگیا ہے
ہر لمحہ نشاط آرزو کا
اب رنج مآل ہوگیا ہے
جو وقت کہ تیرے ساتھ گزرا
اب جاں کا وبال ہوگیا ہے
وہ عشق کیا ہے میں نے تجھ سے
جو ایک مثال ہوگیا ہے
پوچھے بھی کوئی تو کیا بتاؤں
بے وجہ ملال ہوگیا ہے
جو لمحۂ ہجر مجھ پہ گزرا
ہمرنگِ وصال ہوگیا ہے
کیا فیض ہے داغ آرزو کا
تو ماہِ کمال ہوگیا ہے
چڑھتا ہوا آفتاب تھا میں
اب میرا زوال ہوگیا ہے

Scanned by CamScanner

یاد آئی ہے تو آرامِ دل و جاں کی طرح
تیرے الطاف کی خوشبو کہ تھی مہماں کی طرح

آج سوچا ہے تو احساسِ زیاں ہے کتنا
میں اسے بھول گیا خوابِ پریشاں کی طرح

سعیٔ راحت سے علاجِ غمِ پنہاں نہ ہو
زخمِ دل سی نہ سکے چاکِ گریباں کی طرح

وسعتِ فکر میں آئے تو بیاباں ہو جائے
ورنہ ہر لمحہ موجود ہے زنداں کی طرح

دل ویراں میرے اشکوں سے ہوا ہے سرسبز
میں نے رکھ دی ہے بیاباں میں گلستاں کی طرح

جس کو زیبا تھا اگر ناز خدائی کرتا
وہ میرے سامنے آیا ہے تو انساں کی طرح

Scanned by CamScanner

دریا کی طرح ہے فیض اُس کا
صحرا کی طرح میں تشنہ لب ہوں

محروم جواب ہوں ازل سے
کیا جانئے کس کی میں طلب ہوں

ہر بات کی فکر یوں مجھے ہے
ہر چیز کا جیسے میں سبب ہوں

ہنستی ہوئی آنکھ میں جگہ دو
گریہ ہوں پہ گریۂ طرب ہوں

بگڑا ہوں کہ بن گیا بہرحال
پہلے جو نہیں تھا، میں وہ اب ہوں

ہے میرا خدا، خدائے قہار
اندر سے میں شعلہ غضب ہوں

تجھ سے ملا تو خوش نہیں تھا
میں بھی کوئی آدمی عجب ہوں

Scanned by CamScanner

پہلی ہی نظر میں یوں لگا تھا
جیسے وہ مرے لئے بنا تھا

ایک بات سی بن گئی تھی ورنہ
میں کون سا ایسا باوفا تھا

کچھ مجھ ہی سے ضد سی ہوگئی تھی
ویسے تو وہ آدمی بھلا تھا

دھوکا تو نہیں ہوا ہے مجھ کو
میں پہلے سے اس کو جانتا تھا

وہ شام بھی کچھ اُداس سی تھی
میں اس سے خفا سا ہوگیا تھا

اب یاد نہیں کہ بات کیا تھی
کچھ تھا کہ مجھے بُرا لگا تھا

وہ اس کا خموش بیٹھنا بھی
تنہائی کی طرح کھل رہا تھا

پھر اس کے کچھ اور پوچھنے سے
ایک بار سا دل پہ ہوگیا تھا

میں آج بھی ہوں اُداس لیکن
اس وقت کچھ اور ہی مزا تھا

Scanned by CamScanner

اس کے سوا کہ فرض کریں ہم محال کو
تجھ سا کوئی ملا نہیں تیری مثال کو

اب تک کھلا نہیں مرے دل پر یہ رازِ عشق
میں تجھ کو چاہتا ہوں کہ اپنے خیال کو

تھا ہجر ناگوار مگر فیضِ ہجر سے
وہ غم ملا کہ بھول گیا ہوں وصال کو

کہتے ہیں لوگ حُسن کو اپنی خبر نہیں
کیا جانے کیسے جان گیا میرے حال کو

ہر لمحہ اک بہشت تصور ہے ان دنوں
ایسے میں کیا کروں گا میں فکرِ مآل کو

کائنات ایک ادھورا جواب ہے
رکھا ہے التوا میں ہمارے سوال کو

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

اسی کے گرد گردش کر رہا ہوں
جو طے ہوتا نہیں وہ فاصلہ ہوں
مرا اس سے تعلق دائمی ہے
وہ مرکز ہے میں اس کا دائرہ ہوں

☆

مکاں کے دائروں کو ناپتا ہے
کراں سے تا کراں پھیلا ہوا ہے
یہ نقطہ جس کی ہیں شکلیں ہزاروں
خود اپنی وسعتوں میں چھپ گیا ہے

☆

کوئی تازہ تمنا چاہتا ہوں
مرا دل ایک غم سے تھک گیا ہے
میں اس کو شاخ پر رہنے تو دیتا
مگر یہ پھل زیادہ پک گیا ہے

☆

Scanned by CamScanner

ستارے آسماں سے گر رہے ہیں
یقیناً اک قیامت بھی اٹھے گی
یہ دنیا جو بظاہر مر رہی ہے
یہ خاکستر سے اپنے جی اٹھے گی

☆

مجھے خود میری ہستی کی خبر دی
مسرت میرے جان و دل میں بھر دی
وہ اخفائے محبت چاہتا تھا
دیا بوسہ لبوں پر مہر کر دی

☆

شعاعیں جذب اس میں ہو رہی ہیں
یہ ذرہ جو ابھی کجلا رہا ہے
کوئی اس کی توانائی تو دیکھے
یہ سورج کو زمیں پر لا رہا ہے

☆

Scanned by CamScanner

بگولا بن کے ہر سُو پھر رہا ہوں
اشارے پر ہوا کے ناچتا ہوں
حقیقت میری ہستی کی ہے اتنی
خود اپنی گرد سے پیدا ہوا ہوں

☆

بات کی ہے مختلف اوقات میں
خامشی بڑھتی گئی ہے ذات میں
خود بخود چھپتا گیا ہوں اِس قدر
جس قدر ظاہر ہوا ہوں بات میں

☆

کسی ذرے کو تابندہ کیا ہے
کسی لمحے کو پائندہ کیا ہے
فنا سے صرف وہ چیزیں ہیں محفوظ
محبت نے جنہیں زندہ کیا ہے

☆

Scanned by CamScanner

مسلسل دید بھی شاید کبھی ہو
ابھی تو اس کے ڈر سے کانپتا ہوں
مرا دل جیسے ہمسائے کا گھر ہے
کبھی روزن سے خود کو جھانکتا ہوں

☆

جو ذرہ ہوں تو تابندہ کریں گے
جو لمحہ ہوں تو پائندہ کریں گے
نہ جانے دُور ہے کتنی قیامت
نہ جانے کب مجھے زندہ کریں گے

☆

طبیعت صبر کی خوگر ہوئی تھی
غموں کا مرحلہ سر کرلیا تھا
یہ اس میں ڈال دیں کس نے دراڑیں
کہ میں نے دل کو پتھر کرلیا تھا

☆

Scanned by CamScanner

رجسٹر میں ہوں اس کے مدِ فاضل
لکھا ہے پھر قلمزد کردیا ہے
میں تخمینہ سے اس کے بڑھ گیا تھا
سو فطرت نے مجھے رد کردیا ہے

☆

ہم اپنی خود کلامی میں ہیں مصروف
ہر اک کچھ اپنی اپنی کہہ رہا ہے
جزیرے ہیں کہ جن کے درمیاں میں
زمانے کا سمندر بہہ رہا ہے

☆

وہاں بھی زندگی کے گُل کھلیں گے
وہاں بھی شاد اور ناشاد ہوں گے
ازل کے دن سے جو سونے پڑے تھے
وہ ویرانے بھی اب آباد ہوں گے

Scanned by CamScanner

ستاروں کی طرف اُڑنے لگا ہوں
نظر سے تیز ہے رفتار میری
ملی تھی روح کو پرواز اب تک
ہوئی اب خاک بھی پرواز میری

☆

خلا آباد ہوگی زندگی سے
فضا جذبات سے معمور ہوگی
ابھی ہونے کو ہیں سب فاصلے طے
یہ منزل اور تھوڑی دُور ہوگی

☆

جلاوطنی کے دن پورے ہوئے ہیں
حیاتِ تازہ پانے جارہا ہوں
کیا ہے طُور کو زندہ کسی نے
میں پھر سے آگ لانے جارہا ہوں

☆

Scanned by CamScanner

نہ جانے کتنے جلوے تھے سرِ راہ
نہیں دیکھا کبھی نظر اٹھا کے
محبت پارسائی بن گئی ہے
اسے تیرے لیے رکھا بچا کے

☆

نہ جانے دیکھتی کیا ہیں یہ آنکھیں
بھروسہ کیوں نہیں ہے زندگی پر
ملی ہے کون سی اُن کو بصیرت
یہ کیوں رونے لگی ہیں ہر خوشی پر

☆

میں دُنیا کو بدلنا چاہتا ہوں
مجھے دُنیا بدلنا چاہتی ہے
مشیت نے کشاکش کی ہے پیدا
وہ اپنی چال چلنا چاہتی ہے

☆

Scanned by CamScanner

منتشر تھی مری کتاب حیات
اب فراہم ہوا ہے شیرازہ
ہو خدا سے کہ کائنات سے ہو
آدمی نام ہے تعلق کا

☆

مری جرأت کو ہیں دعوے ہزاروں
جہاں ڈر ہے وہاں مردوں کا گھر ہے
میں اپنی بُزدلی سے ڈر رہا ہوں
نہیں ہے شیر کا، ٹپکے کا ڈر ہے

میرا ماضی مرے پیچھے نہ آئے
مجھے یادوں کی اب فرصت نہیں ہے
نئے خوابوں میں اُلجھایا گیا ہوں
رہی تعبیر سو عُجلت نہیں ہے

☆

Scanned by CamScanner

تعلق پر مدارِ زندگی تھا
نہ جانے مرگیا یا سوگیا ہے
جو ہر شے اپنی جانب کھینچتا تھا
وہ مقناطیس اب گم ہوگیا ہے

☆

نہیں کھلتا کہ میرا جہل کیا ہے
کہاں تک آگہی کا سلسلا ہے
میں جس کے درمیاں ہوں زندگی میں
وہ میری روشنی کا دائرا ہے

☆

اس تعلق کی ابتدا کیا ہے
جذبۂ دل کی انتہا کیا ہے
عمر آدھی گنوا کے سوچتا ہوں
عشق کیا ہے مرا، وفا کیا ہے

☆

Scanned by CamScanner

ایک گُم کردہ راہ اور سہی
اور ہوگا تباہ اور سہی
ابنِ آدم جہانِ نَو کے لیے
ایک تازہ گناہ اور سہی

☆

اُسے جب اس کی فطرت نے پکارا
فریضے اور ہی اُس نے سنبھالے
وفا کیا سنگریزوں سے نبھاتا
وہ جس نے آنچلوں میں لال پالے

☆

وفا اک انفرادی مسئلہ ہے
صداقت کی یہی ہے ترجمانی
وفا سے مسئلہ اس کا بڑا ہے
کرے اک نسل کی جو پاسبانی

☆

Scanned by CamScanner

وہ مجھ کو چھوڑ بیٹھا آخرِ کار
سبب اس کا نہیں ہے بے وفائی
وفا تو اس کی گھٹی میں پڑی ہے
نہیں مجھ سے زمانے نے نبھائی

☆

کثافت جس قدر ہے جل گئی ہے
ہوا ہوں پاک میں شعلہ سے تن کے
ادا جب کی نمازِ عشق میں نے
تیمّم کرلیا خاکِ بدن سے

☆

آخری درد بھی ہوا رُخصت
آج ویراں ہوا ہے خانۂ جاں
سارے ہنگامے لے کے ساتھ اپنے
گھر میں آکر چلا گیا مہماں

☆

Scanned by CamScanner

بہت تیزی سے گذری جا رہی ہے
یہ سانسیں زندگی رائیگاں کی
اگر پھر ہو ترے ملنے کا امکاں
میں باگیں کھینچ لوں عمر رواں کی

☆

دل میں تھی کس کی طلب یاد نہیں
حال جو کل تھا وہ اب یاد نہیں
گریۂ شب سے ہیں آنکھیں نم ناک
اور رونے کا سبب یاد نہیں

☆

روح میں ہوتی ہے سرگوشی سی
آہ وہ لہجہ مانوس ترا
یاد آیا کوئی گذرا موسم
جیسے اترا ہوا ملبوس ترا

☆

Scanned by CamScanner

کبھی اپنی خوشی پر شاداں ہُوں
کبھی اپنے غموں پہ نوحہ خواں ہُوں
تواضع خود ہی کرلیتا ہوں اپنی
میں اپنے گھر میں اپنا مہماں ہوں

☆

کشش سے باہمی قائم ہیں دونوں
میں اس کا ہوں وہ میرا ہے سہارا
ستارے ایک ہی برجِ وفا کے
مگر ملنا نہیں ممکن ہمارا

☆

مدتوں میں پرستشِ چشم کرم
کرگئی ہے اور بھی مجھ کو اُداس
گرمیوں کی دوپہر میں جس طرح
برف کے پانی سے بڑھ جاتی ہے پیاس

☆

Scanned by CamScanner

بھلا بیٹھا تھا جن یادوں کو دل سے
وہی یادیں ہیں جن پر جی رہا ہوں
اُدھیڑا تھا جسے لاکھوں جتن سے
وہ پیراہن میں پھر سے سی رہا ہوں

☆

تمہارے دوش پر بھاری نہیں تھا
یہ احساس کس لیے فرما دیا ہے؟
عزیز اس قدر عجلت بھی کیا تھی
مجھے زندہ ہی کیوں دفنا دیا ہے؟

☆

معمے کی طرح پر پیچ ایسا
کہ وہم و عقل سے جانا نہ جائے
کبھی ایسا کہ جیسے مرا سایہ
کبھی ایسا کہ پہچانا نہ جائے

☆

Scanned by CamScanner

کبھی اس کی طرف پاسنگ ڈالا
کبھی مری طرف پلڑا جھکایا
رکھا ہر حال میں قائم توازن
وہ دو روحوں میں ہے یکساں سمایا

☆

نہاں ہیں جتنے فطرت میں تضادات
وہ سارے ہیں بروئے کار اُس میں
بظاہر ہے سراپا صلح لیکن
عجب رہتی ہے اِک پیکار اُس میں

☆

ترے انفاسِ تازہ میں بسا کر
میرے سینے میں پہنچا دی گئی ہے
جو صرف زندگی رائیگاں تھیں
وہ سانسیں مجھ کو لوٹا دی گئی ہیں

☆

Scanned by CamScanner

وہ لمحہ جو فنا ناآشنا تھا
حیاتِ تازہ مجھ کو دے رہا ہے
میں گویا از سرِ نَو جی رہا ہوں
کوئی پھر مجھ میں سانسیں لے رہا ہے

☆

وفا، ایثار، قربانی، محبت
یہ نکتے زندگی کے پا رہا ہوں
سمجھتا جا رہا ہوں آدمی کو
اُسے جتنا پرکھتا جا رہا ہوں

☆

کبھی ہمراہیوں میں تری دن بھر
کبھی راتوں کو تنہا جاگنے میں
جو ترے پاس رہنے میں مزہ ہے
وہی ہے لطف تجھ سے بھاگنے میں

☆

Scanned by CamScanner

فراق و وصل کے گر جانتا ہے
وہ اپنی فطرت میں سادہ میں سچا
کھلونے دے کے بہلاتا رہا ہے
سمجھتا ہے مجھے بھی کوئی بچہ

دھنک تھا، پھول تھا، شعلہ تھا، کیا تھا
جو اک کھیتی کا بادل بن گیا ہے
کوئی رنگیں سی شے تھا مگر اب
وہ آنچل ماں کا آنچل بن گیا ہے

غموں کو بھول جانا سیکھتا ہوں
کہ جینے کا بہانہ سیکھتا ہوں
مرے بچے یہ ننھے پھول میرے
میں ان سے مسکرانا سیکھتا ہوں

☆

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

(۱)

میرے تجربے کی سچائی، زبان کی کثافتوں سے آلودہ ہو کر پرانے چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے نوزائیدہ بچہ کی طرح بلک رہی ہے۔ میں بول نہیں سکتا کیونکہ جھوٹے لوگوں نے ہر لفظ کو غلاظتوں میں لپیٹ کر اپنے گھر کے باہر کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا ہے، اور تو اور میری خاموشی بھی گونگے کی خاموشی ہے کیونکہ میں بولنے والوں کی بامعنی خاموشی سے محروم ہوں۔ کل میں دیکھ رہا تھا۔ ایک بھلا مانس بلک بلک کر رویا۔ اس کی چیخیں سنی نہیں جاتی تھیں۔ وہ خاردار جھاڑیوں پر کھنچی ہوئی چادر کی طرح زخموں سے چور چور تھا مگر جب لوگوں نے تالیاں بجا کر خوشنودی کا اظہار کیا تو وہ اپنے پیسے لے کر چلتا بنا۔ ایکٹروں نے ہر انسانی جذبہ کو مال تجارت بنا کر کالے بازاروں میں بیچ دیا ہے۔ اب آنسو گلیسرین بن چکے ہیں اور آنکھوں کے گرد غم ناک حلقے جن میں عیسیٰ کے کرب کی جھلک دکھائی دیتی ہے، کالی پنسل سے بنائے گئے ہیں۔ جھوٹے یوحنا اپنے جھوٹے مسیحاؤں کی آمد کے اعلان نامے اپنی بغلوں میں دبائے سرکس کے مسخروں کی طرح اچھل کود کر رہے ہیں۔ ایسے میں کون ہے جو ہم سب کی اور یونان، مصر اور روم کے دیوتاؤں کی موت کا اعلان کر سکے، کیونکہ اس موت کے بعد کوئی پیدائش نہیں ہے۔ اور ہم سب جھوٹے ہیں۔

(۲)

شرافتوں کی بات نہ کرو۔ تمہارے منہ سے نکلتے ہوئے بدبو کے بھبکارے تمہیں جھوٹا ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ جاؤ پرانی نجابتوں کو آبرو باختہ لڑکیوں کی طرح سڑکوں اور چوراہوں پر اپنے چھپائے جانے والے اعضا کی نمائش کرتے ہوئے دیکھو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ صدیوں سے بچا کر رکھی جانے والی عصمتوں پر وقت کی گھناؤنی اور فحش مہریں ثبت کی جا چکی ہیں اور ہر وہ چیز جو کبھی عظمت کہلاتی تھی، چند کھوٹے ذلیل سکوں کے عوض اس کا نیلام اٹھایا جا چکا ہے۔ کل

Scanned by CamScanner

رات بوڑھی صداقتوں کو سنگسار کرنے کے بعد جب ننگی صلیبوں پر لٹکایا جا رہا تھا، اس وقت تم کہاں سو رہے تھے؟ تم نے ندامت کا بوجھ اٹھانے سے بھی انکار کر دیا اور اسٹاک ایکسچینج میں صرف اپنے مفادات کے گرتے چڑھتے ہوئے بھاؤ کا حساب لگانے میں مصروف رہے۔ پھر قدروں کو زندہ کرنے کے لیے کیا خدا آسمان سے اپنے فرشتے اتارے گا؟ انسان ایک ذمہ داری کا نام ہے اور افسوس کہ تم نے، میں نے اور ہر اس شخص نے جو روٹی کھانے کے بعد آرام کی نیند سو سکتا ہے، ریاکاری کو ذمہ داری کا بدل سمجھ لیا ہے۔

(۳)

اختلاف کرنے کے معنی ہیں اہمیت کھو دینا کیونکہ پتھروں سے کوئی اختلاف نہیں کرتا، لیکن میری حیرت زدہ آنکھوں نے ایسے تماشے بھی دیکھے ہیں۔ جب اختلاف کو نامرد کی شہوت کی طرح نظرانداز کر دیا گیا یا اپنی بیوی سے آشنائی کے عمل کی طرح دشمنی کی بنیاد سمجھ لیا گیا۔ یاد رکھو جب تک تم اختلاف کو برداشت کرنا...... نہیں، اختلاف کو پسند کرنا نہیں سیکھو گے، تمھیں یہ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ جہاں تم ہو، وہاں تم نہیں ہو اور جہاں تم نہیں ہو، وہاں تمھارے ہونے کا امکان ہے۔ جھوٹا معاشرہ دو انتہاؤں کے درمیان ایک بزدلانہ سمجھوتے پر اپنی سودابازی کی بنیاد رکھتا ہے۔ اختلاف کے معنی حقارت کے ساتھ اس سودابازی سے انکار کر دینے کے ہیں۔ جاؤ اختلاف کا احترام کرو اور آئینے سے اس کی بینائی چھیننے کی حماقت نہ کرو۔

(۴)

بندر اگر آئنہ سامنے رکھ کر ریزر سے شیو کرنے بیٹھ جائے تو وہ انسان نہیں بن جائے گا۔ پھر تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ انسانوں کا مذہب بندروں کا مذہب ہو سکتا ہے۔ بندروں نے تو استرے کی طرح

Scanned by CamScanner

اپنے مذہب سے صرف اپنے آپ کو اور دوسروں کو زخمی کرنے کا کام لیا ہے۔ یقین کرو میں مذہب کو استرا نہیں سمجھتا، مگر مشکل تو یہی ہے کہ نقالوں، بہروپیوں اور سوانگ بھرنے والوں نے کسی بھی حقیقی چیز کی پہچان مشکل بنا دی ہے۔ کنفیوشس نے کہا تھا "میں سب سے زیادہ نفرت ان چیزوں سے کرتا ہوں جو غیر حقیقی ہیں، مگر حقیقی ہونے کا دھوکا دیتی ہیں۔" لفظ کم از کم ایسے ہونے چاہئیں جن کو چالاک تاجر اور اس سے بھی زیادہ عیار سیاست دان اپنے گھناؤنے مقاصد کے لیے استعمال نہ کر سکیں۔ مساوات، اخوت اور عدل عمرانی..... کیا تم سمجھتے ہو کہ ٹی وی، ریڈیو اور ماس میڈیا کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے بقراط انہیں اپنے معاوضے کی لازمی شرط سمجھنے کے علاوہ کسی اور طرح بھی سمجھ سکتے ہیں؟ اے میرے بھائی! ابھی تو میں خود بھی ارتقاء پر کتابیں پڑھ پڑھ کر یہ سوچنے میں مصروف ہوں کہ بندر اور انسان کی درمیانی کڑی کہاں گم ہو گئی ہے؟

(۵)

میں نے جب پورے آدمی کی تلاش کا اعلان کیا تو نہ جانے کتنے ادھورے جانور اپنی اپنی انا کی دولتیاں جھاڑتے ہوئے میرے پیچھے پڑ گئے، مگر بعد میں ان کی محبوباؤں نے حقیقت انہیں بتا دی اور سارتر کی انٹی میسی کی محبوبہ اپنے نامرد شوہر کو چھوڑ کر عاشق کے ساتھ بھاگ گئی۔ بات یوں ہے کہ جھنجھوڑنا، بھنبوڑنا اور بستر پر ہانپنا کتنی بری بات کیوں نہ ہو مگر زیر ناف نمی کے بغیر کھیتیاں سرسبز نہیں ہو سکتیں۔ میں نے بس اتنا جو کہا تھا کہ جنس اور معاش کو ہم شیطان کے حوالے نہیں کر سکتے، ورنہ عوام کا نام لے کر عوام کو سودا کرنے والے جھوٹے مسیحا ہمارے سروں پر بیٹھ کر ڈھول بجانے لگتے ہیں اور ہماری محبوبائیں کوٹھی، کار اور بینک بیلنس کے لیے اپنی محبتیں بیچ دیتی ہیں۔ پس آؤ ہم سب مل کر اس گم شدہ صداقت کی تلاش کریں جسے رومانی شاعروں، ریاکار اصلاح پسندوں اور جھوٹے انقلابیوں نے گہرے پانیوں میں پتھروں کے ساتھ باندھ کر غرقاب کر دیا ہے۔

Scanned by CamScanner

(۶)

میں نے مانا وہ تمھیں بینک کے لاکر میں محفوظ سرمایہ کی طرح عزیز رکھتا ہے، لیکن مجھے تو جنگلی گلاب کی خوشبو، رنگ اور غیر محفوظ زندگی سے پیار تھا۔ نغمہ سیار گان کے سننے والے ڈفلی کی ڈھب ڈھب کو پسند نہیں کرتے حالانکہ پیسہ اسی سے کمایا جا سکتا ہے۔ تم اپنے شوکیس میں سجی ہوئی گڑیوں کی طرح اس کے پرس کے خانوں میں بیٹھی ان حسرتوں کا شمار کرتی ہو جو پوری ہو سکتی تھیں۔ اگر تم نے اپنے خوبصورت جسم کی ایسی حماقت آمیز توہین نہ کی ہوتی، مگر چھپی ہوئی آشنائیوں میں بھی کیا حرج ہے؟ فہمیدہ کو دیکھو۔ جب اپنے خالی بستر اور تنہائی سے گھبراتی ہے تو رات کی رات کے لیے اپنے شوہر کا نعم البدل تلاش کر لیتی ہے اور اس کا احمق شوہر یہی سمجھتا ہے کہ اس کے بچے واقعی اس کے بچے ہیں۔ تمھیں بے وفائی کا طعنہ نہیں دے رہا ہوں کیونکہ وہ ان جاگیرداروں کا تراشا ہوا ڈھکوسلا ہے جو اپنی داشتاؤں کو بھی دوسروں کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ یہ وفا کا نہیں، جسم کی زندہ پکار کا ذکر ہے جس کی ہم رنگ نغمگی کے بغیر زندگی کا ہر سر جھوٹا پڑ جاتا ہے۔ بہر حال اتنی بات سچ ہے کہ وہ چاہے تو تمہاری ہر مسکراہٹ کی قیمت اپنے ڈالروں سے ادا کر سکتا ہے۔

(۷)

جب ہم نے اپنی کشتیوں کے بادبان کھولے تو ہواؤں کے جھکڑ ساحلی پرندوں کی طرح اڑنے کے لیے اپنے پر تول چکے تھے۔ آن کی آن میں ہمیں طوفان نے آن لیا اور ایک سیاہ فام ملاح لڑکی نے اپنے جوان سینے کی طنابیں کھینچتے ہوئے مجھ سے کہا۔ ''ہمیں اپنی موت کے لیے تیار رہنا چاہیے۔'' موت کا انتظار فلیٹوں کے تنگ و تاریک کمروں میں وہ پاک باز عورتیں بھی کرتی ہیں جن کی بکارت کا معاوضہ مہر کے پیسوں اور درجن بھر بدصورت بچوں کے ذریعے ادا کیا جاتا ہے اور جن کی چھاتیاں الٹی لٹکی ہوئی مردہ چمگادڑوں کی طرح جھولتی رہتی ہیں۔ ہمیں طوفان اور موت کے درمیان زندگی

یولیس کے سفر کی طرح بامعنی معلوم ہوتی اور میں نے سیاہ فام لڑکی سے کہا۔ "ہم نہیں مریں گے کیونکہ موت کے لیے تیار رہنے والے کبھی موت کا شکار نہیں ہو سکتے۔" رات ہونے تک ہم نئے ساحلوں پر نئی زندگی کی روشنیاں دیکھ رہے تھے۔

(۸)

اس جزیرے میں صرف تین آدمی تھے۔

ایک میں کہ غیر ملکی سیاحوں کی طرح اپنی روح کی دریافت کے لیے چلا تھا اور پہلے ہی قدم پر راستہ بھول گیا تھا۔ دوسرے تم کہ اکتائے ہوئے بچوں کی طرح اپنے سارے کھلونوں سے بیزار ہو کر گھر سے باہر اپنے سائے کے پیچھے بھاگ رہی تھیں اور تیسرا وہ جس کے بارے میں، میں یہ فیصلہ نہیں کر سکا کہ مجھے اس سے محبت کرنا چاہیے یا نفرت۔ ہاں ایک بات کا ذکر کرنا تو میں بھول ہی گیا۔ اس جزیرے کے بیچوں بیچ ایک قدم آدم آئینہ لگا ہوا تھا جس میں ہر شخص کو اپنی وہ شکل نظر آتی تھی جو وہ دیکھنا چاہتا تھا۔ ہم تینوں جزیرے میں دیر تک گھومتے رہے اور جب کبھی ہم نے کسی اور طرف جانا چاہا، آئینے کے جادو نے ہمیں گم شدگی کا خوف دلا کر روک دیا۔ شاید ہم اس جزیرے سے کبھی نہ نکل سکتے کیونکہ خواہشیں، دلدل اور جزیرے ایسے ہی ہوتے ہیں، مگر خوشی اور غم سے یوں ہوا کہ تم نے آئینے میں اپنا آخری روپ اپنے بچوں کی مسکراہٹ میں دیکھ لیا۔

(۹)

خواہش اور قدروں کے ٹکراؤ نے مجھے پاش پاش کر دیا مگر تم پر کچھ بھی گزری، اسے تو میں بھی نہیں جانتا کیونکہ پراسرار سمندر کی طرح تم کوشش کیے بغیر رازوں کو چھپانا جانتی تھیں اور تمہارے مقابلہ پر مجھے ہمیشہ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اتھلے دریاؤں کی سیپوں کی طرح میری باتیں کچھ خالی خالی

Scanned by CamScanner

سی ہیں۔ میرے اتھلے پن کو معاف کر دو۔ میں جانتا ہوں، یہ باتیں الفاظ میں نہیں آتیں تو زیادہ بامعنی ہوتیں۔ مگر اس کے باوجود جب تم میری باتیں سنو گی تو ہمیشہ کی طرح درگزر سے کام لیتے ہوئے، ایک ایسی مسکراہٹ کے ساتھ جس میں طنز کا شائبہ بھی نہ ہوگا، صرف اتنا ہی کہو گی معلوم نہیں کیوں تمہیں عورتوں سے ہمدردی حاصل کرنے کا شوق ہے اور لفظوں کی محبت نے تمہیں شاعر بنادیا۔

(۱۰)

ہر سیارہ اپنے ہی محور پر گردش کرتا ہے۔

مگر کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ پنہائی فلک کے دو آوارہ گرد اپنی نامعلوم اور پراسرار گزرگاہوں پر تنہاشب روی کرتے کرتے، آن کی آن کے لیے ایک دوسرے کی کشش کے دائرے میں در آتے ہیں اور یک جائی کے اس اتفاقی لمحہ کو ہم کبھی محبت کہتے ہیں اور کبھی مکالمہ۔ محبت یوں کہ مکالمہ محبت کے بغیر اسی طرح ناممکن ہے جیسے وسعت کے بغیر مکان۔ اور مکالمہ یوں کہ محبت اگر مکالمہ نہ بنے تو اسے خود پرستی کی توسیعی جارحیت کے سوا اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ مکالمے کے معنی اس کے سوا اور کچھ نہیں ہیں کہ دو مکانوں کے درمیان کی دیوار ہٹادی گئی ہے اور جس محبت نے دیواروں کو گرانا نہیں سیکھا، اس سے وہ کاروبار اچھا ہے جس سے ملبہ ڈھونڈنے والے اپنی روزی کماتے ہیں۔ پھر بھی ایک بات ہے جسے تم ہمیشہ بھول جاتے ہو۔ محبت مکالمہ اور ستاروں کی یکجائی گھڑی کی سوئیوں کی طرح صرف ایک ہی لمحہ کی بار بار بازیافت کا نام ہے۔

Scanned by CamScanner

(۱۱)

سورج ڈھلنے میں تھوڑی دیر باقی ہے۔

ابھی چند ساعتوں کے بعد شام کے سائے گزرگاہوں پر پھیلنے لگیں گے اور ٹریفک کی رفتار کسی مریض کے دل کی طرح خود بخود تیز ہو جائے گی۔ پرندے جب شام کو آشیانوں کی طرف لوٹتے ہیں تو ہمیں یہ بھی یاد نہیں آتا کہ زندگی ہم سے کتنی دور ہو گئی ہے۔ ننھی چڑیا چوں چوں کرتی اپنے بچے کو دانہ کھلا رہی ہے۔ اسے میرے کمرے کی ویرانی پسند تو نہ ہو گی مگر شہروں میں چڑیوں اور کبوتروں کے اپنے فلیٹوں اور بینکوں کی اونچی اونچی چھتوں کے علاوہ کوئی جگہ بھی تو نہیں ہے۔ تنہائی کسی ویران گوشے میں اونگھتے اونگھتے یکا یک جاگ جاتی ہے اور دیوار سے کود کر میرے بستر میں چھپ جاتی ہے۔ معلوم نہیں وہ شامیں، جب چائے کا ذائقہ اچھا لگتا تھا، اب کن قہوہ خانوں میں بھٹک رہی ہوں گی۔

ایک دفعہ تم نے مجھے لکھا تھا ''آج کل شام کو کس وقت چائے پیتے ہو، میں بھی ٹھیک اسی وقت چائے پیا کروں گی، اور دونوں ایک دوسرے کے بارے میں سوچا کریں گے۔'' محبت کو ایسی حماقت آمیز باتیں کرنے کا کتنا شوق ہوتا ہے، مگر تب تم محبت کی حماقت کو نہیں سمجھتی تھیں۔ صرف بچے، شاعر اور دیوانے ہی جانتے ہیں کہ دکھائی نہ دینے والی چیزیں دکھائی دینے والی چیزوں سے زیادہ اہم اور بامعنی ہوتی ہیں اور بوسوں کو گننے سے کوئی مالدار نہیں ہو جاتا اور ذائقہ کی موت سے پہلے کوئی سوچتا بھی نہیں کہ چائے کا ایک گھونٹ بھی کتنا قیمتی ہو سکتا ہے۔ کتنی باتیں تھیں جنہیں میں بھول گیا کیونکہ اب تو بچوں کو بھی یاد نہیں رہا کہ دھنک کے رنگ کیسے ہوتے ہیں؟ یادیں راکھ میں دبی ہوئی چنگاریوں کی طرح کریدنے سے چمک اٹھتی ہیں مگر آن کی آن میں انہیں بھی راکھ بنا دیتی ہے۔

کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے میں زندہ ہو جاتا ہوں اور بیتی ہوئی ہر شام اپنی ایک ایک ساعت کو یوں دہرانے لگتی ہے جیسے وہ لمحے ابھی تک گزرے نہیں ہیں اور وقت تمہاری مسکراہٹ کی طرح دائمی ہو گیا ہے۔ زندہ تو صرف وہی چیزیں ہیں جنہیں محبت نے زندہ کیا ہو، ورنہ مسکراہٹ کو ننھی ننھی کونپلوں کو اور پاؤں کے نیچے محسوس ہونے والی اوس کی نمی کو کون یاد رکھتا ہے۔ ہر شام میں اپنی

Scanned by CamScanner

بکھری ہوئی زندگی ٹوٹے ہوئے شیشے کی کرچوں کی طرح سمیٹنے میں زخمی ہو جاتا ہوں اور پھر سوچتا ہوں کہ شاید زندگی، زخم اور محبت تینوں ایک ہی چیز کے نام ہیں۔

(۱۲)

دسمبر کی خنک افسردہ رات میرے تھکے ہوئے احساس کی طرح خود اپنی ہی خنکی سے ٹھٹھری ہوئی، اپنے سفر کی آخری منزلیں طے کر رہی ہے۔ زرد اور پھیکا چاند تنہا افق پر کسی ویران گزرگاہ کے شکستہ پا مسافر کی طرح خلا کے موڑ پر بھٹکا ہوا ہے۔ بند کھڑکیوں کے روتے ہوئے شیشوں پر ملگجی کہر دور افتادہ ماضی کی یادوں کی طرح جمی جا رہی ہے اور دور کھمبوں پر اونگھتے بلب، نم خوردہ شراروں کی طرح رات کی راکھ میں چمک رہے ہیں۔ خلوتوں میں حساس دھڑکنیں اور نرم سرگوشیاں آہستہ آہستہ ہوتی جا رہی ہیں۔ سردیاں ہمیشہ باہر سے اندر آتی تھیں مگر اب کے برس ہمارے اندر سے باہر آئی ہیں۔

(۱۳)

تم کہتی تھیں...... "وہ بوسے جو ابھی ہونٹوں میں محفوظ ہیں، پچھلی بہار کے لگائے ہوئے زخموں میں ان کا سراغ ڈھونڈنا مستقبل کی توہین ہے۔" شاید اس لیے کہ عورت ہو۔ حوا کی بیٹی کا کام مستقبل کی تخلیق ہے ورنہ جنت کے بعد تو کوئی گھر آباد نہ ہوتا۔ خود کلامی اور ماضی کی محبت آدم کے پچھتاووں کا نام ہے۔ میں نے تو یہ بھی نہیں دیکھا کہ پہلی نگاہ کے بعد تم کتنی بدل گئی ہو۔ موسموں کا تغیر اس کے سوا اور کیا ہے کہ تم نے جب چاہا، مجھے بھلا دیا اور جب چاہا یاد کر لیا، لہٰذا پھر اس اعتماد کے ساتھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا کہ میں کتنا ہی دور کیوں نہ چلا جاؤں، دائرے کی طرح اپنے مرکز کے گرد ہی گھومتا رہوں گا۔

International Islamic University
CENTRAL
LIBRARY
ISLAMABAD.

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner

Scanned by CamScanner